ناگپاڑہ مدرسۂ صبیات

سیرۃ الفاروق

تاریخ ۱۲ ماہ دسمبر سنہ ۱۸۹۵ء

# سیرۃ الفاروق

یعنی

## حضرت عمرؓ کے سوانح عمری

جسکو

منشی سراج الدین احمد صاحب سابق ایڈیٹر سرمور گزٹ نے

تصنیف کیا

۱۸۹۵ء

منشی محمد بلال و کرم بخش مالکان بلالی پریس ساڈھورہ نے حق تصنیف

حاصل کرکے اپنے مطبع

بلالی پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ میں طبع کرایا

دفعہ دوم ( [illegible] ) جلد قیمت فی جلد

## آنریبل سر سید احمد خان بہادر کے لکچروں کا مجموعہ

کوئی شخص اس امر کا اقرار کرنے میں تامل نہ کریگا کہ سر سید احمد خان بہادر بالقابہ کو جو کامیابی مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی تہذیب اور تعلیم میں حاصل ہوئی ہے اُسکا بڑا ذریعہ اُن کی پُر زور تحریروں کے ساتھ ساتھ اُن کی جادو اثر تقریریں اور لکچر ہیں جو اُنہوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات میں مختلف موقعوں پہ دیئے ہیں اُردو زبان اگر کسی شخص کی فصاحت اور فن تقریر کے جاننے پر فخر کرسکتی ہے تو وہ صرف اُنہی یگانہ روزگار شخص کی ذات ہے یہ لکچر تمام قسم کے علمی اور اخلاقی اور مذہبی اور تعلیمی اور فلسفیانہ مسایل اور پولیٹیکل قانونی مضامین پر ہیں اور ہر ایک مضمون کو ایسے جامع اور نافع طور پر بیان کیا ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے ۱۸۵۸ء سے لیکر ۱۸۹۲ء تک چونتیس برس کے زمانہ کے سب لکچر جمع کئے ہوئے ہیں شروع میں ایک دیباچہ ہے جسمیں جناب ممدوح کے بعض ضروری حالات معہ ایک دلچسپ مباحثہ کے ان کی فصاحت اور فن تقریر اور مواقع لکچر دینے کی نسبت مندرج ہیں نہایت عمدہ چکنے موٹے ولایتی سفید کاغذ پر دوسری دفعہ بڑی محنت اور صرف کثیر سے چھپوائے گئے ہیں اور قیمت دو روپیہ ہے - چونکہ اس کا حق تالیف ہم کو حاصل ہے اسواسطے یہ کتاب صرف ہمارے پاس درخواست کرنے سے بذریعہ ویلیو پے ایبل ارسال ہو سکتی ہے -

## ثمرہ دیانت

اس میں میر دیانت حسین کی دیانت داری اور لالہ پہ ون لال کی رشوت ستانی اور بے ایمانی کا تذکرہ اس خوش اسلوبی سے لکھا ہے جس سے انسان کو ایمان داری کے فوائد اور بے ایمانی کی قباحتیں اور بُرے نتیجے کا تجربہ ہو جاتے ہیں زیادہ تر خوبی یہ ہے کہ اس پیرایہ میں عدالت کی روزمرہ کی کارروائی اور اہلکاران عدالت کے خصایل اور افعال کا ایسا فوٹو کھینچا ہے کہ جس سے اُنکا حال بخوبی معلوم ہو جاتا ہے اسکے پڑھنے سے گو کیسا ہی مرتشی ہو فوراً توبہ کرجاتا ہے اور پھر رشوت کا نام نہیں لیتا جتنا تکالیف و مصائب سہنا ہے پر رشوت کی پاس نہیں پھٹکتا ہر ایک ملازم آدمی کو اس کتاب کا اپنی پاس رکھنا ضروری ہے نہ صرف ملازمان عدالت کو طلبہ کے لئے بھی اسکا پڑھنا نہایت مفید ہے قیمت ۱۰ / ۱ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دیباچہ و عذرِ مؤلف

شاید اس امر کی جواب دہی میرے ذمہ ہو کہ میں نے خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کے حالات لکھنے کے واسطے کیوں منتخب کیا ہے۔ سب سے اوّل تو اس کا جواب وہ خاص واقعات اور حالات دیں گے جو مجھ کو پیش آئے اور جو مجھ کو اپنی استعداد سے بڑھ کر ایک ایسے بزرگ کام کے اختیار کرنے کی ترغیب دینے کا باعث ہوئے ہیں اور جن کے لحاظ سے میرے اس کام کو اختیار کرنے کا نام انتخاب نہ رہے گا۔ لیکن ہمارے زمانہ کے اسلامی مورخ نے خلفاء راشدین میں سے حضرت عمرؓ ہی کو بہترو منتخب کیا ہے تو ہماری اُن اغراض کے لحاظ سے جو اس زمانہ میں قوم کے سامنے ناموران اسلام اور اسلام کی گذشتہ ترقیوں اور عروج کے حالات پیش کرنے کی ہیں۔ یہی انتخاب سچا اور درست ہے۔ سر سید احمد خان صاحب کا یہ مقولہ ہمارے اس قول کی تشریح کر دیگا کہ " حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت تو شمار کرنا نہیں چاہیے کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمرؓ ہی کی خلافت کا زمانہ تھا اور وہی بالکل وخیل و منتظم تھے حضرت عمرؓ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ کیا بہ نظر انتظام اور کیا بہ نظر فتوحات و امن و حکومت و رعب و داب جو ابقائے صلاح امت و اصلاح تمدن کے لئے ضرور تھا ایک بے نظیر زمانہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں جو کچھ ہوا وہ صرف حضرت عمر کے زمانہ خلافت کا اثر تھا۔ اصلی زمانہ خلافت حضرت عثمان کو اُن کی خلافت کا اخیر زمانہ تصور کرنا چاہئے جس میں تمام اصول سیاست مدن اور وہ اصول سلطنت جمہوری جس پر اس عالی شان محل کی بنیاد قائم ہو گئی تھی سب کے سب سست اور درہم برہم ہو گئے تھے اور غدر ہونا اُس کا ایک ضروری نتیجہ تھا جو ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تک جب خلافت پہونچی تو ایسی ابتر اور خراب ہو گئی تھی جس کا درست ہونا اگر ناممکن نہ تھا تو قریب قریب ناممکن کے تھا۔ اُس کی اصلاح میں جہاں تک ممکن تھا کوشش کی گئی۔ ملک دیئے گئے دوسری حکومتیں تسلیم کی گئیں مگر اصلاح نہ ہوئی اور روز بروز خرابی بڑھتی گئی +" سرسید کے اس قول سے بڑھکر جس کی صحت اور صداقت کے تسلیم کرنے میں کوئی صحیح تاریخی واقعات کو جاننے والا ایک لحہ بھی تامل نہیں کر سکتا۔ ہم سر ولیم میور کا قول نقل کر سکتے ہیں کہ "پیغمبر صلعم کے بعد اسلامی سلطنت میں حضرت عمرؓ ہی سب سے بڑا رتبہ [illegible] رکھتے ہیں کیوں کہ اُنہیں کی دس سالہ خلافت میں یہ تمام کامیابی ہوئی کہ اُن کی دانائی۔ استقلال اور قوت اور جوش سے شام مصر اور ایران کی سلطنتیں فتح ہو گئیں جو اُس وقت سے ہمیشہ مسلمانوں کے تسلط میں رہی ہیں ++"۔ ہمارا اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ خداوند کریم ہی کی یہ مرضی تھی کہ شارع اسلام علیہ التحیات والسلام کی پاک تعلیم کے نتائج کی صورت میں اسلامی سلطنت کا ایک نمونہ جو آیندہ نسلوں کے واسطے ایک نظیر ہو دنیا کو دکھایا جائے اور وہ نمونہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا دکھلایا گیا ؛

اُن بزرگ کا نام اس قابل ہے کہ ہر ایک مسلمان اپنی اور بیگانی دُنیا کے سامنے جتنا چاہے اُس پر فخر کرے مگر افسوس ہے ہزاران ہزار افسوس ہے اپنی تمام بدقسمت قوم کے حال پر جس کو خیر الامم کا معزز لقب دیا گیا تھا۔ مگر آخر اُس نے اپنے آپ کو اس لقب کے لائق نہ رہنے دیا اور اُن تمام

+ تصانیف احمدیہ جلد اول حصہ اول صفحہ ۴۷ ++ انلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۲۸۳

برکتوں اور انعاموں سے جو خدا نے اُسے بخشنے تھے اپنے آپ کو محروم کر لیا۔ بزرگان دین کے نام سے فخر کرنا تو درکنار رہا اُن کے ناموں کے ساتھ ایسے الفاظ کا استعمال کرنا اور اُن کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا جو نیکی اور حسن اخلاق کے خلاف ہیں روا رکھے گئے ہیں۔ صرف روا نہیں رکھے گئے۔ بلکہ اُن کو مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے اور خود ہمارے لئے نہایت شرم کی بات ہے کہ کلمات شنیعہ کے بزرگان دین کے حق میں استعمال کرنے کو فرائض مذہبی کا ایک ضروری جزو اور باعث نجات قرار دیا گیا ہے یہ تمام نتیجہ ہماری بدبختی اور بدقسمتی کا ہے ورنہ یہاں تک نوبت پہونچنے کے واسطے تو بہت کم اسباب موجود تھے۔ صحیح اور اصلی واقعات پر غلطیوں اور غلط فہمیوں اور جوش مذہبی کے غلط عقاید کا ایک اتنا بڑا انبار جمع کر دیا گیا ہے کہ اسکو اُٹھانے اور صحیح اور اصلی واقعات کے دکھانے کی کوشش جس قدر کہ ایک کٹھن کام ہے اُسی قدر حیرت انگیز ہوگی۔ سادہ اور سیدھے قدرتی واقعات کے عجیب و غریب مطالب نکالے گئے ہیں اور اُن سے حیرتناک استدلال کئے گئے ہیں ہزارہا غلط روایتیں اور بیہودہ کہانیاں جوڑی اور وضع کی گئی ہیں جن کی غلطیوں کو ثابت کرنے بیٹھنا ایک عمر لینے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے ؎

اسلام دُنیا میں اس غرض سے آیا تھا کہ دُنیا کے تفرقوں اور تمیزوں اور دشمنیوں کو مٹا کر محبت اور برادری کے ایک ہی رنگ میں رنگ دے کلّ مومن اخوۃ کی دلکش صدا اُس کی پاک تعلیم کا دیباچہ تھا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بہت جلد اُس بزرگ تعلیم کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس پاک روشنی سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا اور اُسی راستہ میں جس کے صاف اور روشن کرنے کے واسطے وہ چلے تھے وہ خود ہی ٹھوکریں کھا کر گر پڑے ہمارے ایک بزرگ عالم اسی کیفیت پر تاسف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ در مذہب کی تاریخ کے ہر ایک فلسفیانہ طالب علم کو اس کیفیت سے اگر رنج نہ ہوگا تو حیرانی ضرور ہوگی اور ہر ایک مسلمان کو جو بانی اسلام کے پاک نام کا محب ہے غم اور شرمندگی ہوگی۔ افسوس کہ تمام نوع انسان کا اور بالعموم اخوت کے پھیلانے والا مذہب بھی اندرونی جھگڑوں اور تفرقوں سے نہ بچ سکا اور وہ دین جو پریشان اور متفرق دنیا کو امن اور راحت بخشنے کے واسطے آیا تھا غضب ناک

نفسانیتوں اور قوت و اقتدار کی پرحرارت خواہشوں سے وہ خود ہی چیر پھاڑ کر پارہ پارہ کر دیا گیا جن برائیوں کی ہم مذہب عیسوی کی نسبت شکایت کرتے ہیں کہ اس مذہب کے ناکمل ہونے اور انسانی ضروریات کے واسطے ناکافی ہونے سے پیدا ہوئیں وہ اسلام میں دنیوی قوت اور اقتدار کی حرص اور لوگوں کی انقلاب پسند طبائع اور اخلاقی قانون اور انتظام کی عدم پیروی سے پیدا ہوئی ہیں+ *

اگرچہ ہر ایک تفرقہ اور ہر ایک اختلاف اور مخالفت پر افسوس ہے مگر اکثر اُن میں سے فروعی مسائل میں اختلاف اعتقادات سے پیدا ہوئی ہیں اور سوائے جہلا کے اُن کو کوئی ضرر دینے والا نہیں بتا سکتا۔ سنیوں میں حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی۔ اور ان کے بہت سے چھوٹے بڑے فرقے اور اسی طرح شیعوں کے چند در چند فرقے زیدیہ۔ اسماعیلیہ۔ اثنا عشریہ یا امامیہ۔ قیاسیہ۔ غالیہ۔ جن میں سے بعض میں مذہبی اختلافات سے بڑھ کر تفرقہ ہیں اور اُن کے فرقے ایک دوسرے کے ساتھ کم و بیش رضامند ہیں اور اپنے اختلافات کو مخالفتوں تک بہت کم کھینچتے ہیں۔ لیکن سنی اور شیعہ وہ مہیب اور خوفناک فرقے ہیں جن کے درمیان اختلاف نہیں ہے بل کہ دشمنی اور مخالفت ہے مگر تعجب اور افسوس ہے کہ وہ دشمنی اور مخالفت جو کہ درحقیقت امور ملکی میں اختلاف راے ہونے سے جن کو مذہب سے کچھ تعلق نہ تھا پیدا ہوئی تھی مذہبی جامہ پہنا دی گئی ہے اور نجات ابدی کا دار و مدار اُس پر کر لیا ہے۔ اس مخالفت کو جو صدیوں تک ملکی اختلاف راے سے بڑھ کر کسی صورت میں کم ظاہر ہوئی تھی یہ مذہبی جامہ اُس وقت پہنایا گیا جبکہ اُس کی ضرورت اور سود مندی کا وقت گذر چکا تھا اور اُس اختلاف کے اسباب ہی اُٹھ گئے تھے۔ مگر شاید واقعات کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا+

اس زمانہ میں ہم کو اپنی اس بدبختی پر صرف افسوس کرنے پر قانع نہیں ہونا چاہئے بلکہ علمی روشنی اور دانشمندی کے وقتوں پر بھروسہ کرکے اس اختلاف اور مخالفت کے اسباب کو

* سپرٹ آف اسلام مولفہ مولوی سید امیر علی صاحب صفحہ ۴۲۷

اپنی آیندہ نسلوں کے سامنے پیش کرنے کے واسطے ظاہر کرنا چاہئیے۔ تاکہ وہ اُس کو اُس کی صحیح حالت میں دیکھ کر اُس کی اصلی وقعت سے زیادہ وقعت اُس کو نہ دیں اور اُن تفرقوں اور دشمنیوں کو مٹا کر جن کی صرف ورثت میں پانے کے سبب سے وہ حفاظت کرتے ہیں اسلام میں پھر اتفاق اور یک جہتی پیدا کریں اور اسلام کی مبارک نسلیں کہلانے کے مستحق ہوں۔ یہ کام ہمارے زمانہ کے علما اور خیر خواہان قوم کی مستقل تصانیف کا کام ہونا چاہئیے۔ ہم صرف چند لفظوں میں اُس کی طرف اشارہ کریں گے ؛

سنی اور شیعہ جو آج ہم کو دو مختلف الہیئت کشتیوں میں سوار دکھائی دیتے ہیں اور جنکو کہ زمانہ کی مخالف ہواؤں نے ایک دوسرے سے اس قدر دور پھینک دیا ہے اور اس دوری ہی کے پسند کرنے کو اُن کی عادت اور طبیعت بنا دیا ہے درحقیقت ایک ہی بزرگ جہاز لا اله الا الله محمد رسول الله کے سوار تھے۔ اور ایک ہی ملاح اور ناخدا کے سایۂ رحمت اور حفاظت میں دُنیا کے اس پر طوفان سمندر کو عبور کرکے نجات پانے والے تھے۔ حوادث زمانہ نے اس جہاز کے درمیان ایک بال کے برابر سوراخ کر دیا جس نے اُس کے سواروں کو اُسی قدر فاصلہ پر دو حصوں میں ایک دوسرے سے ہٹا دیا وہ زمانہ دراز تک شگاف کے اندازے کے موافق ایک دوسرے سے ہٹے ہوئے مگر ایک ہی جہاز پر سوار رہے یہاں تک کہ اُس مخالف اور مضر عنصر کے جہاز میں کثرت سے بھر جانے سے جہاز کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اگر سچ پوچھو تو جہاز ڈوب گیا جس کے ساتھ لاکھوں اور کروڑوں اجل رسیدہ غرق ہو گئے۔ دو ٹکڑوں پر جو بچ کے رہ گئے اُن کے نام سنی اور شیعہ ہوئے دو دشمنوں کی طرح وہ ایک دوسرے سے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اگر ایک دوسرے کی طرف کبھی بڑھتے بھی ہیں تو جنگ اور لڑائی کے لئے۔ اُن کو یاد ہی نہیں رہا کہ وہ تو درحقیقت ایک ہی جہاز کے سوار ہیں جن کو زمانہ کے بدحوادث سے جدا کرکے دشمن بنا دکھایا ہے ؛

کیا درحقیقت سنی اور شیعہ کے درمیان کوئی مذہبی اختلاف ہے ؟ کیا ایک سے زیادہ خدا کی کتابیں کسی کے پاس ہیں ؟ کیا ایک کی کتاب دوسرے کی کتاب سے مختلف ہے ؟

کیا ایک ہی نبی کی امت نہیں ہیں؟ کیا ایک ہی ہادی اعظم کے نام سے وہ فخر کرنے والے نہیں ہیں کیا اسلام کی پاک تعلیم میں اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد الرسول اللہ کے سوا کوئی اور شہادت بھی شارع اسلام نے تعلیم کی تھی؟ کیا انہیں دونوں شہادتوں کو وہ اپنی نجات کا باعث نہیں سمجھے؟ کیا سرور کائنات صلعم کی تعلیم سے زیادہ کوئی تعلیم داخل اسلام ہو سکتی ہے۔ کیا خاتم النبیین کے بعد کسی اور کو نبی بنانا اور کسی اور تعلیم پر ایمان لانا اسلام کہلا سکتا ہے؟ اگر شیعہ اور سنی ایک ہی خدا پر ایمان رکھنے والے اور ایک ہی فخر انبیا کی امت اور انہیں کے سکھلائے ہوئے اسلام کے نام لیوا ہیں تو اُن کے درمیان مذہبی اختلاف کوئی نہیں ہے فروعی اختلاف عقائد پر ہماری نجات کا مدار نہیں +

شیعہ اور سنی کی باہمی مخالفت اور دشمنی کی تاریخ اگرچہ بہت دلچسپ نہیں ہے مگر اُن کے اختلاف کے آغاز کو زیادہ سے زیادہ ہم کو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے زمانۂ خلافت تک لے جانا چاہئے۔ جبکہ اسلامی خلافت کے اتفاق اور یک جہتی میں تزلزل آیا اور شام میں امیر معاویہ نے ایک جدا سلطنت قایم کر لی اور وہ آنے والے سینکڑوں برسوں کے جھگڑے اور فساد اور کشت و خون کی اس طرح پر بنیاد پڑ گئی تھی آخر کار اسلامی خلافت کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا باعث ہوئے حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت کے افسوسناک واقعات زندہ رہے ہوتے اور اُن کی تکالیف اور مشکلات پر بہت کم نوحہ خوانی ہوتی اگر بنی فاطمہ خلافت کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوتے اور یزید اور اُس کے عمال کے بے رحم - بے ترس - اور ظالم ہاتھوں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی دردناک شہادت کا عالم آشوب واقعہ نہ ہوا ہوتا جو محبان اہل بیت اور آل رسولؐ کو قیامت تک خون کے آنسو رلائے گا آیندہ تمام زمانہ میں بنی فاطمہ کی مسلسل ناکامیابیوں اور جبر برداریوں نے ان پر دردو واقعات کے زندہ رکھنے اور اُن کے راویوں کے دردناک تذکروں کو موثر اور جگر خراش بنانے اور اُن کی تاثیروں کو بڑھانے میں مدد دی اور خونی تلوار کے زخموں کا بدلا تیغ زبان سے لینا شروع کیا گیا جو ایک ہی چارہ تھا +

اب ایک شخص جس کا دل اہل بیت کی ہمدردی اور محبت سے لبریز ہے اس پر غور کرتا ہے کہ یہ غم آلود واقعات کس طرح پر ہوئے اور ان کا الزام کس پر لگایا جائے۔ یزید اور اُس کے عاملوں کو ظلم اور بے رحمی کا مجرم اور ملعون ٹھیرانے میں اُس کو کچھ وقت نہیں پیش آتی۔ اُس کے ظلم اور ستم آشکارا ہیں۔ کربلا کے جان سوز واقعہ کے واسطے وہ کوئی عذر نہیں پیش کرسکتا۔ امیر معاویہ کی بغاوت اور خلافت سے سرکشی کے جرم کا بھی وہ بہت جلد فیصلہ کر لیتا ہے اور پھر اس بغاوت کے اسباب سوچتا ہے اور حضرت عثمان رضؓ کی خلافت پر کمزوری اور بنی امیہ کی رعایت اور امیر معاویہ کو اپنی قوت اور اقتدار بڑھانے کا موقع دینے کا الزام لگاتا ہے۔ لیکن یہاں پہونچ کر بھی وہ بس نہیں کرتا اور اُس کا جوش اُس کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ناجائز ٹھہرانے اور اُن پر غصب کا الزام لگانے تک پہونچا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر حضرت علیؑ ابتدا ہی میں خلیفہ ہو گئے ہوتے تو واقعات کی یہ صورت جو ایسے اندوہناک نتائج پیدا کرنے والی ہوئی پلٹ گئی ہوتی۔ ہم کو بھی اُس کے ساتھ ہمدردی ہے مگر اُس کی اس غلط منطق پر حیرت اور تعجب بھی ہے۔ کسی ایک واقعہ کے تلاش میں اتنی بلند پروازی کرنا اور ان بزرگوں پر الزام لگانے جانا جن کے وقتوں میں اُن واقعات کا کسی کو خواب وخیال بھی نہ تھا ایک حیرت انگیز بات ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی بربادی کا افسوس کرتے ہوئے ہم بابر اور تیمور پر الزام لگائیں کہ جس سلطنت نے آخر برباد ہونا تھا اُس کی بنا اُنھوں نے کیوں ڈالی۔ وہ کون سی خلافت تھی جس کا کہ حضرت علیؑ کو مستحق اور حضرت ابوبکر کو غاصب ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیا وہ عرب اور شام اور ایران اور مصر کی سلطنتیں تھیں؟ یا کچھ اور تھا۔ تاریخی واقعات کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خوشی اور رضامندی اور درخواست اور خواہش سے خلافت حاصل کی یا اُس نازک موقعہ پر جب کہ خانہ جنگی شروع ہو جانے کے اسباب پیدا ہو گئے تھے مجبور ہو کر طوعاً و کرہاً اُس کو منظور کیا۔ اور جو خطرہ سامنے تھا اُس کو دفع کرنے سے اسلام پر احسان کیا۔ اسلامی خلافت میں اُس وقت کچھ عیش و عشرت کے سامان تھے جن کی اُن کو حرص اور طمع تھی یا ایک بہت بڑی ذمہ داری اور جوابدہی کا

کام سمجھ کر کوئی اُس کے منظور کرنے پر راضی نہیں ہوتا تھا ؛ وہ پھولوں کی سیج تھی یا کانٹوں کا بچھونا تھا اب اُس کی وسعت کو دیکھو۔ تمام عرب میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ارتداد اور بغاوت پھیل گئی تھی ایک مدینہ باقی تھا جس کا باغیوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا اور ہر ایک کو اسلام اور اپنی جان کے بچانے کی پڑ رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا چند روزہ زمانہ اُس بغاوت اور فتنہ وفساد کے فرو کرنے میں گذر گیا ؛

اُن کی وفات کے وقت صرف عرب مسلمانوں کا تھا مگر اُن آتشین عنصروں سے جو ہوا کے ایک جھونکے سے ہمیشہ بھڑک اُٹھنے کو تیار تھے خالی نہیں تھا۔ اگر اچھے نتائج اچھے سبب کے ہوتے ہیں تو خلافت کا حضرت عمر ہی کے ہاتھوں میں پہونچنا اسلام اور مسلمانوں کے واسطے بہتر ہوا۔ اُن کے قوی اور زبردست ہاتھوں نے نہ صرف اعراب کی بے چین اور پرشر طبائع کو قابو میں رکھا بلکہ شام۔ مصر اور ایران یعنی قیصر اور کسریٰ کی سلطنتیں فتح ہوگئیں اور وہ عظیم الشان اسلامی خلافت بن گئی جس کے حاصل کرنے کی خواہشوں اور کوششوں نے پاک اور بزرگ جانوں کے ساتھ دشمنی کی۔ پس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر کوئی الزام لگایا جا سکتا ہے تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے بغاوت اور مفسدہ کو کیوں فرو کیا اور کیوں وہ اسلامی خلافت اور سلطنت پیدا کر دی جس کے حاصل کرنے کی کوششوں نے ایسے بڑے انقلاب دنیا میں پیدا کئے۔ غرض اگر اسباب دنیا کے بعض نتائج کی ناراضی کے سبب سے اُن کا الزام اُن کے سبب پر لگانا (معاذ اللہ منہا) درست ہے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر بھی الزام لگانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ خود شیعوں کے درمیان ان امور میں باہمی اختلاف ہے اور اسی اختلاف پر مختلف فرقوں کی بنا ہے۔ مثلاً فرقہ زیدیہ اصول انتخاب کو مانتے ہیں اور پہلے خلفائے ثلاثہ کی امامت کو درست جانتے ہیں اور اسی کے اختلاف کے سبب سے روافض کے نام سے پکارے گئے ہیں اسطرح بعض فرقہ مثلاً سلیمانیہ اور صالحیہ پہلے دو خلفاء کی امامت درست جانتے ہیں جو زیادہ سرگرم ہیں وہ سوائے حضرت علی کے کسی کی امامت کو صحیح نہیں سمجھتے اور جو ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں وہ پہلے خلفائے ثلاثہ کو خلافت کا حق غصب کر لینے کے الزام پر بُرے الفاظ سے یاد کرنا جزو ایمان سمجھتے ہیں

کم سے کم یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ ان تمام فرقوں کی بنا ملکی امور میں اختلاف ہونے پر ہے اور مذہب سے اُن کو کچھ علاقہ نہیں مثلاً فرقہ زیدیہ اِس اختلاف کے سبب سے جدا فرقہ ہوا ہے کہ وہ حضرت علیؑ اور حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ اور حضرت زین العابدینؑ کے بعد امامت کا مستحق اُن کے بیٹے زید کو سمجھتے ہیں اور اثنا عشریہ امام محمد باقر کو مانتے ہیں۔ ان بڑے فرقوں کے جو آگے چھوٹے چھوٹے فرقے ہیں وہ بھی اسی قسم کے اختلافات کے سبب سے جدا ہوئے ہیں۔ مثلاً زیدیہ کے چار فرقے ہیں۔ جارودیہ۔ بتریہ۔ اور سلیمانیہ۔ اور صالحیہ ہیں جنکو محمد نفس الزکیہ۔ اور سلیمان بن جریر وغیرہ کی راؤں اور استحقاق کے معاون ہونے کے سبب سے یہ نام دیئے گئے ہیں اور یہ آخری دو فرقے پہلے دو خلفا کی خلافت کو درست سمجھتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے فرقوں کے آگے چند در چند فرقے ہیں مگر بڑا دھوکا یہی ہے کہ امور ملکی میں مختلف الرائے ہونے اور مختلف بزرگوں کو مستحق امامت اور اقتدار ملکی سمجھنے سے یہ سب فرقے پیدا ہوئے ہیں اور جدا جدا مذہبی فرقے بنگئے یا بنا لئے گئے ہیں حالانکہ مذہب کو جسکا خلاصہ اور نجات کو جسکا وسیلہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پر ایمان لانا ہے ان زاید اعتقادوں سے کچھ واسطہ نہ تھا۔

سُنیوں کے فرقے شیعوں کے فرقوں سے مختلف قسم کے ہیں شیعہ سب سے پہلے ایک ملکی اختلاف کے سبب سے علیحدہ ہوئے اور آیندہ اُسی قسم کے اختلافات کے سبب سے جو مختلف بزرگوں کے نام سے سلطنت حاصل کرنے کی ناکامیاب یا جزوی کامیاب کوششوں میں مصروف ہونے سے ہوئے اُن کے جُدا جُدا فرقے ہوتے گئے۔ اگرچہ مسایل فروعی میں اختلاف اجتہاد کے سبب سے بھی اُن میں مختلف فرقے ہیں مگر زیادہ ممتاز یہی فرقے ہیں جو امور ملکی میں ایک دوسرے سے مختلف الرائے ہیں سنیوں کے فرقوں کی تفریق مسایل اجتہادی کے اختلاف پر مبنی ہے سلطنت اُن کو حاصل تھی۔ پس مختلف علما اور اماموں کے اجتہاد کا معتقد ہونے کے سبب سے اُن کے متعدد فرقے ہو گئے۔

اب ہم ابتدائی خلافت کے استحقاق وغیرہ کی نسبت چند کلمات کہیں گے۔ ہر ایک عقلمند

اور دوانا شخص کو سب سے پہلے سر سید احمد خاں صاحب کے اس قول کو جسکو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں کہ" مذہب اہل سنت وجماعت اور شیعہ اثنا عشریہ میں جو مباحث فضیلت خلافت خلفاے اربع کے ہیں اور مذہب خوارج میں جو عقاید حضنین واہل بیت اور مذہب نواصب میں علی مرتضیٰؑ - اور اہل بیت کی نسبت ہیں اُن سے زیادہ بیہودہ ولغو مباحث وعقاید کوئی نہیں ہیں" تسلیم کرلینا چاہئے کہ" استحقاق خلافت آن حضرت صلعم کا من حیث النبوة کسی کو بھی نہ تھا - اس لیے کہ خلافت فی النبوة تو محالات سے ہے باقی رہ گئی خلافت فی البقاء اصلاح امت واصلاح تمدن اُسکا ہر کسی کو استحقاق تھا جس کی چل گئی وہی خلیفہ ہوگیا - خلافت بعد آنحضرت صلعم کوئی امر منصوص نہ تھا نہ کسی شخص کی خاص خلافت اسلام کا کوئی جزو یا حکم تھا" اس کے بعد یہ بحث کرنی چاہئے کہ خلافت کس کا حق تھا - مگر جس وقت ہم یہ بحث کرنے لگیں اُس وقت پہلے ہم کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ خلافت کے استحقاق کا فیصلہ کرنے کے واسطے قوانین متمدن میں جو مختلف اصول استخلاف کے ہیں اُن میں سے کون سے اصول کی بنا پر ہم یہ فیصلہ کر رہے ہیں - انتخاب کی بنا پر یا وراثت کے اصول پر - وراثت کا اصول عموماً ہمارے دلوں پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور اُسی کو مدنظر رکھ کر ہم فیصلہ کرنے کی طرف مایل ہوتے ہیں - وراثت کے حصول کے لحاظ سے تو آں حضرت صلعم کے بعد دنیوی خلافت کا حق نہ حضرت ابو بکرؓ کو تھا نہ حضرت عمرؓ کو نہ حضرت عثمانؓ کو - حضرت علیؓ کو سب سے پہلے حضرت امام حسنؑ اور اُن کے بعد حضرت امام حسینؑ کا حق تھا - اُن کے بعد اُن کی اولاد کا - بلاشبہ عرب کے واسطے یہ سب سے بہتر اصول ہوتا اگر اس کو اختیار کرلیا جاتا مگر عرب میں اُس وقت سیاست مدن کا جو طریقہ تھا وہ اس سے بالکل مختلف تھا - نہ پورا جمہوری تھا نہ شخصی نہ پورا انتخابی تھا نہ موروثی - اسلام نے تو اس کی نسبت کوئی حکم نہیں دیا تھا اور کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا - قدیم عرب اور خصوصاً حجاز میں جو طریقہ اسلام سے پہلے ایک مدت سے چلا آتا تھا اسلامی مساوات نے اُس کی تائید کی اور کسی قدر تبدیل صورت کے ساتھ وہی دخیل اور مروج رہا - پس اب جو فیصلہ ہم کو استحقاق خلافت کا کرنا چاہئے وہ اُسی ایک غیر معین ریق سے اصول کی

بنا پر کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلعم کو انتظام امور دنیا کے ساتھ کچھ تعلق نہ تھا۔ اُن کا پاک منصب اِس سے بہت بلند اور برتر تھا۔ عرب کے قدیم دستور کی وجہ سے اگر وہ مسلمانوں کے درمیان امور دنیا میں سردار ہونے پر مجبور نہ ہوتے اور مسلمان ایسے امور میں اُن کو اپنا مرجع نہ بنا لیتے تو آنحضرت صلعم دنیوی امور کے انتظام وغیرہ میں کچھ دخل نہ دیتے۔ امور دنیا سے آنحضرت نے آخر اس درجہ اپنی بے تعلقی ظاہر فرمائی کہ امور دنیا کے انتظام کے واسطے اپنے اصحاب میں سے کسیکو اپنا خلیفہ یا جانشین موسوم کرنے سے پرہیز فرمایا۔

حضرت ابوبکر کے لئے نماز میں امامت کا حکم فرمایا جو مسلمانوں کے امور کا مذہبی حصہ تھا۔ اور گو اِس سے اُن کے امور دنیا میں خلیفہ ہونے کا پہلو نکلتا تھا مگر آنحضرت صلعم کوئی صریح فیصلہ اس امر کی نسبت نہیں تھا جو درحقیقت دانستہ اُنھوں نے نہ فرمایا۔

حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کی بنا جس واقعہ سے ہوئی اُس وقت کوئی خاص اصول انتخاب وغیرہ کا مرعی نہیں رکھا گیا۔ حضرت سید المرسلین صلعم کی وفات کو چند ساعتیں ہی گذری تھیں اور اصحاب رسول اللہ ابھی سرور کائنات کی تکفین و تدفین کا فکر کر رہے تھے کہ اُن کے پاس خبر آئی کہ انصار یعنی اصحاب مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ اپنے میں سے ایک شخص کو امیر اور خلیفہ منتخب کریں۔ اسلام کا اتفاق اور یک جہتی معرض خطر میں پڑ گئی تھی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر باوجود خطرے کے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑے اور حضرت ابو عبیدہ رستہ میں اُن کے ساتھ ہو لئے انصار نے سعد بن عبادہ کو موسوم کر ہی لیا تھا۔ ابھی اُس کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوئی تھی کہ یہ تینوں اصحاب مجمع انصار میں پہونچ گئے اور بہت وقت کے بعد اُن کو اپنے ارادہ سے باز رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ انتخاب خلیفہ کی نسبت حضرت ابوبکر نے کہا کہ حضرت عمر یا حضرت ابو عبیدہ میں سے ایک کو منتخب کر لو۔ حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ نہیں حضرت ابوبکر اس لائق ہیں اُن کو منتخب کر لو۔ اگر حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ وہاں موجود ہوتے تو وہ بھی ایک دوسرے کی نسبت

بھی کہتے اور خود اُس بوجھ کے اُٹھانے پر راضی نہ ہوتے چہ جائے کہ درخواست اور خواہش کرتے اُس وقت رفع تفریق اور اختلاف کے واسطے حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور انصار نے اُن کی مثال کی پیروی کی اور آخر عام طور پر اُن کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ حضرت ابوبکر کا زمانۂ خلافت بغاوت اور فساد کے دفع کرنے میں گذر گیا۔ جس میں تمام اصحاب رسول اللہ دل و جان سے شریک تھے۔ اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت ابوبکر کو حضرت عمر سے سب سے زیادہ مدد ملی اُنکی قابلیت اور قوت کے سب قایل تھے۔ حضرت ابوبکر نے اپنی وفات کے وقت اُنکو اپنا جانشین مقرر کیا اور مسلمانوں سے بیعت کرائی۔ حضرت ابوبکر کے اس انتخاب کی عمدگی حضرت عمر کے زمانۂ خلافت کی کامیابیوں سے ظاہر ہے جس میں حضرت علی اور حضرت عثمان اور تمام اصحاب رسول اللہ شریک اور مشیر اور صلاح کار اور معاون اور معین تھے۔ حضرت عمر کو اپنی ناگہانی وفات کے باعث اپنی جانشینی کے متعلق کوئی قطعی اور قابل اطمینان فیصلہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ انہوں نے اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخصوں حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ عبد الرحمن۔ سعد۔ زبیر۔ اور طلحہ کو ایک شخص کو خلیفہ منتخب کرنے کے واسطے اس خیال سے مقرر کیا کہ ان سب کے اتفاق اور تائید سے جو خلیفہ ہوگا اُس کی نسبت پھر کوئی جھگڑا اور اختلاف نہ ہوگا۔ حضرت علی ایک گونہ شخصی خلافت کے خواہشمند تھے وہ منتخب نہ ہوئے اور حضرت عثمان منتخب ہوئے۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں اُنکی طبیعت کی نرمی اور انتظام خلافت میں نرم اور کمزور ہاتھ سے کام لینے سے سیاست مدن اور انتظام سلطنت کے تمام اصول درہم برہم ہو گئے۔ اور آخر حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے بے رحم ہاتھوں سے ذبح کئے گئے اور اُن کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت علی اُن کے جانشین ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کا اُن کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے واسطے بغاوت ہوئی اور امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے بظاہر اسی وجہ سے انکار کیا کہ حضرت عثمان کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے حضرت علیؓ اس پر قادر نہیں تھے۔ اعراب کوفہ کو اپنا مخالف بنا لینا جن میں حضرت عثمانؓ کے قاتل بھی تھے حضرت علیؓ نے اُس وقت تک جبتک کہ اُن کی خلافت کو پورا استحکام حاصل نہ ہو جائے

مناسب نہیں سمجھا اور بدلہ نہ لیا گیا۔ امیر معاویہ کو شام میں اپنی خلافت قایم کر لینے کا یہ عذر ہو گیا اور وہ جدا ہو گیا۔ باہم صلح اور صفائی ہونے کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور ہتھیار اٹھانے تک نوبت پہونچی۔ اگرچہ جمل کی لڑائی میں پہلے مسلمان مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا چکے تھے مگر اتنی بڑی خونخوار لڑائی جس میں صفین پر چالیس ہزار مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے پہلی ہی تھی۔ حضرت علی کو فتح حاصل ہو گئی تھی اگر عمرو بن العاص کی خطرناک حکمت اپنا کام نہ کر گئی ہوتی۔ طرفین سے ایک ایک شخص حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان فیصلہ کرنیکے واسطے منصف مقرر کیا گیا ابو موسی حضرت علی کی طرف سے اور عمرو بن العاص معاویہ کی طرف سے۔ عمرو بن العاص نے ابو موسی کی سادگی سے فایدہ اٹھا کر اُس سے کہلا دیا کہ حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں خلافت سے معزول کر دیئے جائیں اور خود اُس نے ابو موسی کی توقع کے خلاف امیر معاویہ کو خلیفہ پکار دیا۔ ایسی حکمت اور تدبیر سے حضرت علی اپنے حق سے معزول نہیں کیئے جا سکتے تھے۔ وہ کوفہ میں جس کو اُنہوں نے مدینہ کو چھوڑ کر دار الخلافت بنایا تھا خلیفہ رہے شام اگرچہ ایک مختار اور جداگانہ صوبہ بن گیا تھا مگر حضرت علی شام کو فتح کرنے کے واسطے پھر تلوار سے کام لینا چاہتے تھے لیکن کوفہ کے اعرابی جنگی بے ضبط اور سرکش طبایع کو حضرت علی کی ابتدائی مصلحت اور نرمی نے جو اُنہوں نے حضرت عثمان کے خون کا بدلہ نہ لینے بلکہ اُن کے قاتلوں کے سرگروہ مالک بن اشتر کو اپنی فوج کا سردار بنا دینے میں ظاہر کی تھی اور بھی گستاخ کر دیا تھا اور اُنہوں نے اُن کا ساتھ دینے میں پس و پیش کی اور حضرت علی اپنے اس ارادہ کو چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے۔ پچھلے دنوں میں اُن کو مصر کی اُن کی خلافت سے علیحدگی کا رنج برداشت کرنا پڑا اور آخر اُن کی پاک زندگی کا ایک خوارج کی زہر آلود خنجر نے خاتمہ کر دیا جس نے اپنی گہری سازش سے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص امیر مصر کو بھی اُسی روز دو مقرر کئے ہوئے شخصوں سے قتل کرانا چاہا تھا۔ مگر امیر معاویہ اپنے قاتل سے زخمی ہو کر اور عمرو بن العاص صاف بچ گئے تھے حضرت امام حسنؑ نے امت رسول اللہ سے اس فتنہ اور فساد کے دور کرنے کیواسطے تمام خلافت امیر معاویہ کے سپرد کی اور خود گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اور اسکے بعد بہت مدت تک اس دارفانی میں

زندہ نہ رہے۔ امیر معاویہ نے دنیاداری اور دنیا پرستی کا ثبوت آخر اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کرنے اور اُسکے ہاتھوں پر بیعت کرانے سے دیا جسکے نام پر سے حضرت امام حسینؑ کی المناک شہادت اور آل رسول اللہؐ پر ظلم ہونے کے پردرد واقعہ کا داغ قیامت تک نہ اُٹھے گا۔

یہ وہ تاریخی واقعات ہیں جو چند الفاظ میں ہم نے بیان کر دیئے ہیں اور جو مسلمانوں میں ایک ایسی خوفناک مخالفت اور تفرقہ پیدا کرنے کے باعث ہوئے ہیں ان کے درمیان صدہا واقعات ہیں جن میں بہت کچھ گفت گو کی گنجایش ہے۔ مگر حاشا جو ہم اُس کی طرف متوجہ ہوں۔ درحقیقت خلفاء اربع کی نسبت افضل اور مفضول کی بحث کرنے سے زیادہ لغو اور بیہودہ کوئی مباحثہ نہیں ہے۔ اور درحقیقت کوئی ضرورت اور کوئی فایدہ اس سے نہیں ہے۔ سرسیدؒ کے اس قول سے بہتر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ "نہ مقدم خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ فضیلت تھی نہ موخر خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ منقصت۔ یہ تمام واقعات اسی طرح پر ہوئے تھے جیسے کہ ہمیشہ دنیا میں واقعات ہوتے ہیں اسلام سے ان واقعات کو کچھ تعلق نہ تھا۔ کسیکو غاصب اور کسی کو برحق بلافصل کہنا لغو باتیں ہیں"۔ افضلیت کے مباحث میں جو دلایل اور وجوہات استعمال کئے جاتے ہیں وہ اور بھی حیرت انگیز ہیں۔ تقرب الی اللہ۔ تقرب رسول اللہؐ اور خدمات اسلام۔ اُن کو معیار فضیلت قرار دینا سب سے پہلی غلطی ہے تقرب الی اللہ اور تقرب رسول اللہؐ جس سے مطلب ہمارا روحانی تقرب ہے ان کے تولنے کے واسطے ہمارے پاس کوئی ترازو نہیں ہے۔ جس سے ہم ایک اعمال کو بھاری اور ایک کو ہلکا ٹھہرا سکیں۔ خدمات اسلام میں بھی اُن کے حالات اور حیثیتیں مختلف ہیں۔ کیکی قوت سے اسلام کو تقویت ہوئی کسی نے مصائب میں ساتھ دیا۔ کسی نے جان سے خدمت کی۔ درحقیقت وہ بھی اسلام پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے یکساں تیار تھے۔ جو جس طرح کے امتحان میں ڈالا گیا اُس میں پورا اُترا اب اِس سے ایک کی ترجیح اور افضلیت کی بحث کرنا کیسا فضول کام ہے۔ پہلے اور پیچھے اسلام لانے میں بھی کوئی وجہ فضیلت نہیں تھی۔ جناب رسول اللہؐ نے اُن کی خدمات اور جان نثاریوں کو دیکھ دیکھ کر مختلف اوقات اور مختلف مواقع پر اُن کی تعریف میں کلمات ارشاد فرمائے ہیں جن سے

سب کی یکساں تعریف اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے تعجب ہے کہ اس زمانہ کے بزرگ علما کو بھی ہم اسی دلدل میں پھنسا ہوا اور ایسی ہی احادیث سے ایک کو دوسرے سے افضل ٹھہراتے اور مستحق خلافت قرار دیتے ہوئے دیکھیں۔ جس سے بڑھ کر نادانی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی۔ بفرض محال ہم مان لیتے ہیں کہ ان احادیث سے ایک کی دوسرے پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ تقرب الی اللہ اور تقرب رسول اللہ اور خدمات اسلام میں ایک دوسرے سے افضل تھا لیکن کیا یہ افضلیت استحقاق خلافت کی دلیل ہو سکتی ہے۔ کیا وہ خدا کی عبادت اور خدا کی پرستش اور رسول اللہ صلعم کی محبت اور دین کی خدمت دنیا حاصل کرنے کی توقع سے کرتے تھے کیا رسول اللہ کے ان کلمات اور الفاظ کا صلہ جو انہوں نے ان کے مناقب میں فرمائے ہیں دنیا کی دولت اور حکومت سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کیا اپنے دین اور اسلام کی بزرگیوں کا انعام وہ دنیوی خلافت سمجھتے تھے ان کے تقرب الی اللہ یا تقرب رسول اللہ یا خدمات اسلام میں افضل ہونے سے اُن کو دنیوی خلافت کا مستحق ٹھہرانا گویا اُن پر دین فروشی کا الزام لگانا ہے جس سے بڑھکر کوئی نالایقی نہیں ہے رسول اللہ صلعم کے ساتھ جو اُن کے رشتے اور قرابتیں تھیں وہ بھی ایک حیثیت کی نہیں تھیں رشتہ میں کوئی خسر تھا اور کوئی داماد تھا۔ اِن مختلف حیثیتوں سے کسی کی افضلیت نہیں ثابت کی جا سکتی۔ اِسکے علاوہ شیعہ علما نے بعض خاص شرائط اور قواعد استحقاق خلافت کے واسطے مقرر کئے ہیں۔ مگر وہ شرائط اور قواعد اُس وقت مقرر کئے گئے ہیں جب کہ اسلامی خلافت دُنیا سے گذر چکی تھی اور اِس نئے قانون کی کوئی ضرورت نہ تھی تعجب ہے کہ ایک شخص صدیوں پہلے کے گذرے ہوئے واقعات کی اصلاح کے واسطے اب قواعد اور قانون بنائے اور عرب کے اُس زمانہ کے سیاست مدن کی غلطیاں خلفا کی افضلیت ثابت کرنے کے واسطے نکالے۔ ہم بھی مان لیتے ہیں کہ بیشک استحقاق خلافت کے واسطے ایسی ہی شرائط اور قواعد ہونے چاہئے تھے مگر اس سے فایدہ۔

اِن سب سے بڑھ کر ہم ایک اور حیرت انگیز امر دیکھتے ہیں جو صرف حیرت انگیز اور تعجب خیز ہی نہیں بلکہ اِس لایق ہے کہ ایک مسلمان اُس کو دیکھ کر اور سنکر روئے اور فریاد کرے اور سر پیٹے

کہ دنیا کے جھگڑوں نے اُن پاک بزرگوں کی بزرگی پر بھی بدنما دھبہ لگا دیئے بغیر نہیں چھوڑا (شیعہ علما نے رہم اُن کو علما اُن کے ادب کے سبب سے کہتے ہیں ورنہ وہ لوگ پرلے درجہ کے جہلا تھے جنھوں نے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور فساد پیدا کرنے کے واسطے ایسے کام کئے ہیں) ایک سلسلہ احادیث اور روایات کا پیدا کیا ہے جس میں اُنھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ خلفا اور اصحاب کبار رسول اللہ صلعم کے دلوں میں دشمنی اور کینہ اور بغض اور عداوت اور ایک دوسرے سے نفرت اور نفاق تھا یہاں تک کہ اُن کا اسلام ہی نفاق تھا۔ جناب رسول اللہ کے ساتھ بھی وہ منافقانہ برتاؤ کرتے تھے اور اُن کے آزار کے درپے تھے اور در پردہ دشمن رہتے تھے اور اسی بنا پر اُنھوں نے بزرگان دین کی نسبت کافر اور مرتد اور منافق کے لفظ استعمال کرنے کی جرأت کی ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کے روبرو جو ایک ذرہ کے برابر بھی عقل رکھتا ہے ایسی نالائق باتوں کے جواب دینے کی کوشش کرنا بجائے خود حماقت ہے۔ اب ایسے سادہ لوح لوگوں کا زمانہ گذر گیا ہے جن پر اس قسم کی لغو اور بیہودہ روایتوں اور تدبیروں کا جادو چل جاتا تھا وہ اُن کو سچ مان لیتے تھے یا اُن سے متاثر ہوتے تھے ایک واقعہ ہم بطور مثال بیان کرتے ہیں۔ اصحاب کبار رسول اللہ صلعم کے درمیان جو برادری اور محبت اور اخلاق اور اتحاد تھا اُس کے رو سے یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کہ اُن کے درمیان رشتہ اور قرابتیں ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علی کی بیٹی حضرت ام کلثوم سے جو حضرت فاطمہ رضہ کے بطن سے تھیں نکاح کیا تھا جو لوگ اُن بزرگان دین کے درمیان دشمنی اور عداوت کا ہونا بیان کرتے ہیں اور اصحاب کبار کو معاذ اللہ منہا کافر اور منافق اور مرتد کہتے ہیں انھوں نے اس واقعہ سے انکار کرنے کی عجیب وغریب کوششیں کی ہیں بعض نے اس نکاح کے ہونے سے سرے سے انکار کیا ہے۔ کوئی ام کلثوم کے بنت مرتضویؓ ہونے ہی کا منکر ہے کسی نے نکاح پر غصب کا اطلاق کیا ہے۔ کوئی بعد نکاح ہونے کے ہم بستری ہونے سے منکر ہے اور بعض عجیب بات کہتے ہیں کہ ایک جنیہ بشکل حضرت ام کلثوم حضرت عمرؓ کے پاس آئی تھی اور بعض اس سے بھی زیادہ عجیب بات کہتے ہیں کہ ابتدا ہی میں جب حضرت علیؓ نکاح کر دینے کو مجبور

کئے گئے تو ایک جذبہ سے جو ام کلثوم کی شکل بنکر آئی تھی نکاح کرا دیا۔ بعض اس کو حضرت علی کا انتہا درجہ کے صبر اور تحمل کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ بعض اس کو تقیہ بیان کرتے ہیں مگر اس سیدھے سادے صحیح واقعہ کے سامنے یہ سب کہانیاں لغو اور بیہودہ ہیں۔

اس قسم کی غلط اور جھوٹی روایتوں کے پھیلانے اور ایجاد کرنے سے مطلب یہ تھا کہ اُن کے سننے والوں کو اصحاب کبار کے برا سمجھنے اور اُن کے حق میں ناشایستہ الفاظ استعمال کرنے کی جرأت ہو اور اُن کی اصلیت ہم ایک واقعہ سے بطور مثال کے سمجھ سکتے ہیں۔ سرسید احمد خان صاحب بیان کرتے ہیں "کہ ایک میرے نہایت دوست شیعہ مذہب تھے اُن کے ہاں ایک چھوٹا بچہ تھا جس کو ایک بکری کا بچہ پال دیا تھا اور وہ خوب اُس سے ہل گیا تھا۔ ایک دن اُس بکری کے بچہ کو ذبح کروا ڈالا۔ اور وہ چھوٹا بچہ خوب رویا اُس کے باوا نے اُس سے کہا کہ عمرؓ یہ کام کر گیا ہے وہ بچہ عمر کو برا بھلا کہتا تھا۔ یہ کام صرف اس لئے کیا تھا کہ بچپن ہی سے اُس کے دل میں عمر کی عداوت اور اُن کے نام سے نفرت پیدا ہو"۔ یہی اصلیت اُن روایتوں اور کہانیوں کی ہے۔ جن میں اصحاب کے درمیان باہمی دشمنی اور عداوت ہونا بیان کیا جاتا ہے اور جن پر مذہب کا مدار ہو گیا ہے اور جزو مذہب بنالی گئی ہیں۔

جیسے کہ شیعوں میں جھوٹی اور غلط روایتیں اور حدیثیں بنائی گئی ہیں اسی طرح سنیوں میں بھی جھوٹی اور وضعی حدیثیں وضع کی گئی ہیں جن میں اول حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی کے خلیفہ ہونے کا بیان آنحضرت صلعم سے منسوب کیا گیا ہے بلاشبہ یہ حدیثیں اُس وقت وضع کی گئی ہیں جب کہ اُن کے موضوع اس دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔ مگر دونوں فرقوں کی وضعی حدیثوں میں اتنا فرق ہے کہ شیعوں کی حدیثیں اور روایتیں فتنہ اور فساد پیدا کرنیوالی تھیں اور سنیوں کی شر اور فساد مٹانے کی غرض سے دروغ مصلحت آمیز کی مانند تھیں مگر اہل بصیرت کے نزدیک نہ پہلے قسم کی روایتوں کی اب کچھ وقعت ہوگی اور نہ دوسری قسم کی احادیث کی کوئی ضرورت اصحاب رسول اللہ باہم شیر و شکر کی طرح تھے اور ایک حدیث سے جو نہایت سچی ہے اُس کا اندازہ

کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے دن حضرت عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں اصحاب کے ساتھ متفکر بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر ہمارے پاس سے گذرے اور سلام کہا میں فکر میں ڈوبا ہوا تھا میں نے سلام نہ سنا اور جواب نہ دیا حضرت عمر نے اس کی شکایت ابوبکر کے پاس کی وہ یہ سنکر اُن کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں میرے پاس آئے اور سلام علیک کہکر حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ تم نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا پہلے تو میں نے کہا کہ اُنہوں نے سلام نہیں کیا مگر آخر اپنے فکر میں مستغرق ہونے کے عذر سے معافی چاہی۔ یہ حال تھا اُن بزرگان دین کا کہ اس قسم کی ذراسی بات کو گوارا نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ اُن میں بغض اور عداوتیں ہوں۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؑ اُن کے دست و بازو اور معین اور مشیر اور صلاح کار تھے۔ رتبہ میں وہ ایک دوسرے کے مساوی اور مساویانہ برتاؤ کرتے تھے۔ حضرت عمر اپنے زمانہ خلافت میں ایک دن کسی مسئلہ میں کچھ دریافت کرنے کے لئے حضرت علیؑ کے مکان پر گئے۔ اور آدمی بھی ساتھ تھے۔ جب وہاں پہونچے تو حضرت علی نے کہا یا امیر المومنین مرحبا اور اُن کی بات سُنکر فرمایا کہ آپ نے مجھے وہیں کیوں نہ بُلا لیا۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ میں خود آنے کو اچھا سمجھتا ہوں[1]۔

حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے حضرت عمرؓ کو اس درجہ محبت تھی کہ اپنی اولاد سے نہ تھی ایکدن نہ دیکھتے تھے تو چین نہیں پڑتی تھی اُن کے حالات سے یہ بخوبی ثابت ہو جائیگا۔ اگر یہ ایک لمحہ کے واسطے بھی سچ مان لیا جائے کہ اصحاب کبار کے درمیان باہم دشمنی اور عداوت تھی اور درحقیقت یہ اسلام اور شارع اسلام کی تعلیم پر ایک الزام اور سخت حملہ ہے۔

اگر یہی اسلام تھا اور اُس کی تعلیم یہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے سرتاج اُن سب سے پہلے مسلمانوں کو جنہوں نے خود حضرت سرور کائنات سے تعلیم پائی تھی سوائے بداخلاقی کے کچھ نہ سکھلا سکا اور اُس اخوت اور برادری کی بجائے جس کی وہ تعلیم کرتا تھا بغض اور عداوت اور کینہ دلوں میں پیدا کرتا رہا تو ایسے اسلام کو سلام ہے۔ ایسا اسلام ایک لمحہ کے واسطے دنیا میں سچا سمجھا جانے کے

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک

لایق نہیں ہے اور نہ وہ انسان کی کسی مرض کی دوا ہو سکتا ہے مگر خدا کی قسم ہے کہ اسلام کسی ایسے الزام اور بہتان سے پاک ہے۔

خلافت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے نزدیک ایسی تھی کہ خوشی سے اُسکو منظور نہیں کیا اور افسوس سے اُس کو چھوڑا نہیں۔ اُس کو اتنا بڑا ذمہ داری اور جواب دہی کا کام سمجھتے تھے کہ بسا اوقات خوفِ خدا سے روتے تھے۔ خلافت سے جو اُنہوں نے حظ اور آرام اُٹھایا وہ اُنکے حالات سے معلوم ہو جاوے گا۔ انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ "خلافت کی ذمہ داری کا حضرت عمر کی طبیعت پر اتنا بوجھ تھا کہ اُن کو یہ کہتے ہوئے لوگ سُنتے تھے کہ "کاش میری ماں مجھکو نہ جنتی اور کاش میں ایک گھاس کا تنکا ہوتا۔"

اب یہ بات کہ خلفا سے امور خلافت میں غلطیاں ہوئی ہیں یا نہیں کچھ شور و غل اور بحث کرنیکے لایق بات نہیں ہے۔ انسان غلطی کرتا ہے اور اُن سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہونگی۔

سر سید احمد خان صاحب لکھتے ہیں کہ "مطاعن صحابہ ایک ایسا لغو اور بیہودہ اور جھوٹا کام ہے جس کے برابر دُنیا میں دوسرا نالایق کام نہیں ہے۔ نہ ہمارے پاس صحیح صحیح واقعات موجود ہیں جو یقین کے لایق ہوں اور اگر بالفرض واقعات بھی ہوں تو وہ کیفیت اور حالات جنپر باہم صحابہ کے مشاجرات واقع ہوئے ہرگز ہماری آنکھ کے سامنے نہیں ہیں۔ پس جو لوگ صحابہ کے مطاعن پر بحث کرتے ہیں وہ بلا کافی شہادت اور بلا موجودگی رویداد کے اپنا فیصلہ قایم کرتے ہیں۔ علاوہ اسکے انسان سے غلطی اور خطا کا واقعہ ہونا خصوصاً ایک ایسی بڑی سلطنت کے انتظام میں جو صحابہ کے ہاتھ میں تھی ایک ایسا امر ہے جو ناگزیر ہے۔ صحابہ معصوم نہ تھے اگر بالفرض اُن سے غلطیاں واقع ہوئی ہیں تو کیا آفت ہوئی اور کیوں بُری سمجھی جائیں۔ اگر انہیں روایتوں پر جو موجود ہیں نکتہ چینی کا مدار ہو تو اُس نکتہ چینی سے نہ حضرت علی مرتضیٰ بچتے ہیں نہ خلفاء ثلاثہ۔ اور ہم تو باوجود تسلیم کر لینے اِن نکتہ چینیوں کے جو خوارج و نواصب اور شیعہ اُن بزرگوں کی نسبت پیش کرتے ہیں اُن میں سے کسی بزرگ کو بُرا اور بدخیال نہیں کرتے۔ وہ تمام واقعات ایسے ہی ہیں۔

جو دنیا میں ہمیشہ پیش آتے ہیں وہ ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اُن سے نہ اُن بزرگوں کی بزرگی میں کچھ نقصان لازم آتا ہے اور نہ مذہب اسلام کو اُن سے کچھ تعلق ہے" درحقیقت اُن علما کی رائے نہایت قابل قدر ہے جو ان مباحث کی اجازت نہیں دیتے اور اُن کی نسبت خاموشی اختیار کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر مخالفت اور نکتہ چینی کو اصول بنا کر کسی کی طرف دیکھا جاوے تو کوئی بھی دنیا میں نہیں بچ سکتا خود فخر انبیا کی ذات پاک مخالفین کی نکتہ چینی سے نہیں بچی اور جس حال میں کہ خلفا کے حالات کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ پس اُن کے حالات سے بحث کرنا اور اسلام میں تفرقہ ڈالنا نہایت نقصان دینے والا امر ہے۔ بقول سر سید احمد خان صاحب کے "جو امور مذہب اسلام سے علاقہ رکھ سکتے تھے وہ آنحضرت صلعم کے بعد ختم ہو گئے اور جو واقعات اُن کے بعد ہوئے اُنکو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے نہ وہ مذہب اسلام کے جزو ہیں۔ نہ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد الرسول اللہ کے بعد اشہد ان ابا بکر الصدیق اول خلیفہ رسول اللہ کہنا ہمارا جزو ایمان ہے اور نہ اشہد ان علیاً ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفہ بلا فاصلہ ماننا ہم کو ضرور ہے بلکہ اسلام کے لئے پہلے ہی دو تشہد کافی ہیں۔

سنی اور شیعہ کے خلافت کے تاریخی حالات کو جو محض ملکی امور اور واقعات پر مبنی تھا اور رفتہ رفتہ مخالفت اور دشمنی کی صورت پکڑ گیا اور اس بات کو کہ مسلمانوں کو اس سے کسقدر نقصان پہونچا ہے بہت اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔ زیادہ تفصیل سے بیان کرنیکی گنجایش نہیں ہے۔

اسلام نے تو کوئی اس قسم کا اختلاف اور تفرقہ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اُس کا کام تو دنیا کے تمام تفرقوں کو مٹانا تھا اور اُس نے اپنی وسعت کے اندر مٹا دیئے تھے۔ پہلے دو خلفا کے زمانہ خلافت میں بھی اس قسم کے کسی تفرقہ کو تعلق نہیں ہے۔ حضرت عثمان کی خلافت میں ان آنیوالے واقعات کی بُنیاد رکھی گئی کہ امیر معاویہ کو اس قدر اقتدار اور قوت حاصل ہو گئی کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل کا بدلہ لینے کے عذر سے خلافت سے بغاوت کریں۔ اس میں بھی کچھ شبہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل کا واقعہ اور اُس کا بدلہ نہ لئے جانے سے ایسے اشتعال کے اسباب پیدا کر دیئے تھے

جن کی آڑ میں امیر معاویہ کو اپنی دوگونہ غرض پورا کرنے کا موقع ملگیا۔ ورنہ امیر معاویہ کی اکیلی خواہشیں اہل عرب کے ہاتھوں پر پوری ہونی ناممکن تھیں۔ عمرو بن العاص کی حیلہ ساز طبیعت نے امیر معاویہ کی اغراض کی ایسی مدد کی کہ کوئی بڑی سے بڑی فوج بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت علی کے زمانۂ خلافت کو بڑی مجبوری سے مسلمانوں کے درمیان خونریزی اور شام کی اور مصر کی خلافت سے علیحدگی کو دیکھنا پڑا۔ مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دار الخلافہ بنانے کا نتیجہ اچھا نہ پیدا ہوا۔ کوفہ کی اقوام اعراب نے بجائے اس کے کہ حضرت علی کی خلافت کو اپنے درمیان دیکھنے پر فخر و ناز کرتے بہت بے اعتنائی اور نافرمانی بلکہ مخالفت ظاہر کی۔ انکی بے اعتنائی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جب ایک نسل کے گذر جانے کے بعد حضرت علیؑ کی تعظیم اور تکریم اور امامت وغیرہ کے عجیب وغریب خیالات کا جوش پیدا ہوا تو حضرت علی کے مدفن اور مقبرہ کا بھی کوئی نشان نہ بتا سکا۔

بنی امیہ کی خلافت کے ساتھ دنیا طلبی اور قوت واقتدار اور غلبہ کی خواہش و ہوس کا زمانہ شروع ہوا۔ امیر معاویہ کو حضرت امام حسنؑ کو خلافت سے محروم کرکے تمام مفتوحہ ممالک پر اپنا تسلط بٹھا لینے کا موقع ملگیا اپنے بیٹے یزید کو بظاہر رفع شر کے بہانہ سے صرف اپنا جانشین ہی مقرر کیا بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس کو وصیت کی کہ تین شخصوں کی طرف سے جو مدعی خلافت ہیں ہوشیار رہے عبداللہ بن عمر۔ اور عبداللہ بن زبیر۔ اور حضرت امام حسین کی طرف اسکا اشارہ تھا۔ عبداللہ بن عمر کی طرف سے تو امیر معاویہ کا شبہ درست نہیں تھا۔ وہ دنیا کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ یزید نے جب بیعت چاہی تو عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس نے فوراً بیعت کر لی عبداللہ بن زبیر اور حضرت امام حسین نے بیعت نہ کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا وہ عالم آشوب واقعہ ہوا جس نے گو بظاہر ایک مستحق خلافت کو ایسے ظلم اور بے رحمی سے راستہ سے اٹھا کر یزید کی حکومت کو بے کھٹکا کر دیا مگر درحقیقت بنی امیہ کی خلافت کی بیخکنی کیواسطے اس کی بنیادوں میں بارود بھر دیا۔ کوئی فوج اور کوئی تلوار بنی امیہ کی بربادی کے واسطے اتنا کام نہیں کر سکتی تھی جتنا کہ شہداے کربلا کے المناک واقعہ نے کیا۔ اہل بیت کے استحقاق کی طرف

اُس وقت تک جو ایک بے اعتنائی اور بے پروائی کا اظہار کیا گیا تھا وہ اُن کی حمایت اور اُن کا بدلہ لینے کے جوش سے مبدل ہو گیا۔ عبداللہ بن زبیر نے جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے دعویٰ خلافت کو بلا مزاحمت پیش کرنے اور حضرت امام حسینؓ کے دعووں کی روک اُٹھا دینے کے واسطے دانستہ حضرت امام حسینؓ کو کوفہ جانے کی رائے دی تھی اب شہدائے کربلا کا بدلہ لینے کے واسطے علم اُٹھایا۔ اِس کا نتیجہ مکہ اور مدینہ میں خرابی۔ خون ریزی۔ کعبہ کی تباہی اور انصار کی بربادی اور جور برداری کے سوا فی الحال کچھ نہ پیدا ہوا۔ ابن زبیر کی مکہ اور مدینہ میں گو خلافت تسلیم ہو گئی مگر انجام اُس کا بھی کچھ اچھا نہ ہوا۔ مختار نے عبدالملک کی خلافت میں شہدائے کربلا کا بدلا لیا۔ اور اگر آیندہ دُنیا طلبی اور دُنیا پرستی کی اغراض کے واسطے شہدائے کربلا کا بدلہ ایک بہانہ نہ بنالیا جاتا تو یہ بدلہ کافی سمجھ لیا جاتا۔ اب دُنیا کے واسطے تمام جھگڑے اور لڑائیاں تھیں۔ دین اور دینی مسئلے اور شیعان علی کا یہ نیا نام اختیار کرنا اور امامت کے نئے مسئلہ کو پیدا اور شایع کرنا یہ ایک آڑ تھی جس کے پیچھے دُنیا اور دُنیوی اقتدار کے حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اِن اندرونی جھگڑوں اور لڑائیوں سے اسلامی سلطنت کو یہ ایک اصلی نقصان پہونچا تھا کہ عرب کی فتوحات جو ایک بے روک سیلاب کی طرح دُنیا میں پھیل رہی تھیں بالکل بند ہو گئیں۔ مسلمانوں کی قوت اپنی قوت سے ہی ٹوٹ رہی تھی۔ لیکن ولید بن عبدالملک کی خلافت نے وہ پچھلے اچھے دن پھر یاد دلا دیئے اور ملک گیری اور فتوحات میں وہ نام پایا کہ سر ولیم میور اُس کے زمانہ کو ابتدائی خلافت سے انتہا تک عدیم النظیر کہتے ہیں۔ مگر جو آگ گھر میں لگ چکی تھی اور جس کی چنگاریاں دبی ہوئی تھیں آیندہ خلیفوں کے وقتوں میں وہ نئی نئی صورتوں میں بھڑکتی رہیں اور آخر بنی اُمیہ کی بدنام خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

بنی عباس نے گو خلافت شہدائے کربلا اور اہل بیت اور بنی فاطمہ کا بدلہ لینے کے نام سے حاصل کی مگر بہت جلد اُنہوں نے ثابت کر دیا کہ یہ سب دُنیا اور دُنیوی اقتدار کے حاصل کرنے کے واسطے ایک آڑ تھی اور کچھ نہ تھا۔ بنی اُمیہ سے بدلہ لیا گیا۔ اُن کے گذرے ہوئے آبا و اجداد کے مظالم کے

بدلے اُن کو ذبح کرکے اُن کی لاشوں پر فرش کرکے دسترخوان بچھایا گیا۔ تلوار بدلہ لینے والوں کو ٹھنڈا نہ کرسکی اور لاشوں کو آگ کے سپرد کیا گیا۔ مشرقی دنیا کی زمین کے اوپر ایک متنفس بھی اُس بدنام نام سے پکارے جانے کے لائق چھوڑا گیا۔ مگر کیا بنی فاطمہ کا بدلہ لیا جارہا تھا۔ اُس وقت گو یہی خیال کیا جاتا۔ مگر بنی فاطمہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اُس نے بہت جلد بتادیا کہ اِس سب کا مطلب خلافت اور بادشاہی کے میدان کو صاف کرنے کے واسطے روکنے والی اور بدنما جھاڑیاں اور درخت آیندہ بڑھ جانے کے خوف سے کاٹے جارہے تھے۔ بنی فاطمہ پر بنی عباس کے ظلم اور تشدد کی تاریخ بنی امیہ کی تاریخ سے بہت لمبی ہے اور سنی اور شیعہ کے درمیان دشمنی اور مخالفت پیدا ہونے کے بڑے واقعات اسی زمانہ میں ہیں۔ اب ہم شہدائے کربلا کے پاک ناموں اور اُن کے بدلہ لینے کے بہانوں کے ذکر کو چھوڑ دینا چاہتے۔ اگرچہ بنی فاطمہ کی آیندہ کوششوں میں جو خلافت کے واسطے کی جاتی تھیں اُن کا بڑا معاون یہی بہانہ تھا۔ لیکن دراصل بنی عباس اور بنی فاطمہ میں خلافت کے واسطے لڑائیاں اور جنگ شروع ہوئے۔ بنی عباس نے خلافت حاصل کرتے ہی بنی امیہ کی طرف سے اُن کا نام ونشان دنیا کے صفحہ سے مٹاکر جب اطمینان حاصل کرلیا تو اب اُنکو بنی فاطمہ کی فکر ہوئی۔ جن کے نام کو اُنھوں نے اپنی کامیابی کا وسیلہ بنایا تھا۔ لیکن اب ایسی رکاوٹوں کو وہ اُٹھا دینا چاہتے تھے ابومسلم اُس زمانہ کا بے نظیر سپہ سالار تھا۔ جس نے دولت عباسیہ کی بنیاد رکھی اور عدم سے نکال کر اُس عظیم الشان سلطنت کا مالک بنا دیا اور زمین سے اُٹھا کر اُس آسمان مرتبہ تخت پر بٹھا دیا۔ اور اِس کوشش میں اپنے ہاتھوں کو لاکھوں مسلمانوں کے خون میں رنگ لینے میں تامل نہ کیا اُسکا اقتدار اور قوت سب سے پہلا کانٹا تھا جو عباسیہ کے پہلے خلیفوں کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔ ابوجعفر منصور نے آخر اُس اپنے وفادار اور محسن اور بے گناہ اور بے خطا نامور سپہ سالار کو ذبح کرا ہی دیا۔ بنی فاطمہ باقی تھے۔ عبداللہ کو معہ اُن کے کنبہ کے قید میں ڈال دیا اور اسپر بھی اکتفا نہ کرکے ایک یا دوسرے بہانہ سے اُن کو مار ڈالا۔ محمد اور ابراہیم اگر بھاگ نہ گئے ہوتے تو وہ بھی اِس قسمت میں شریک ہوتے۔ بنی فاطمہ کی خلافت کے واسطے کمزور کوششیں کرنے اور بنی عباس کے اُن پر

سختیاں اور جور و جفا کرنے کے واقعات تاریخی جھگڑے ہیں۔ سبز اور سیاہ رنگ کے نشان اور جھنڈے دونوں فریقوں اور فوجوں کو تمیز کرتے تھے۔ بنی فاطمہ میں سے جن بزرگوں نے دنیاوی تعلقات اور جھگڑوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی وہ دامن امن ہی میں رہے۔ لیکن جنہوں نے اپنے نبی فخروں کے عوض میں دنیا مول لینی چاہی اور سلطنت میں خلل انداز ہوئے۔ اُنھوں نے اپنی قسمتوں کو دوسروں کے واسطے باعثِ عبرت بنا لینے کے سوا اور کچھ نہ حاصل کیا۔ خلافت کے امن میں خلل ڈالنے کا جرم اُن کی بغاوتوں کی اُن کو سزا دینے کا کافی عذر تھا۔ اور قوت اور اقتدار انہیں کا تھا جن کے ہاتھ میں تھا۔ خلیفہ مامون الرشید کے زمانۂ خلافت نے بنی فاطمہ کے حق میں ایک مفید پلٹا کھایا تھا مگر اُنکی بدقسمتی نے حضرت امام علی رضا کو خلافت کا وارث بننے کے واسطے زندہ نہ رہنے دیا اور زمانہ بہت جلد اُن کے خلاف پھر گیا۔ خلیفہ متوکل باللہ نے بنی فاطمہ کی مخالفت کو انتہا درجہ تک پہونچا دیا۔ حضرت امام حسینؑ کی قبر پر اُس نے ہل پھروا کر اُس زمین پر کھیتی بوا دی اور زائرین کربلا کو سخت دھمکیوں سے منع کر دیا۔ ایک عالم شخص کو اس جرم میں کہ اُس نے خلیفہ کے دونوں بیٹوں کو امام حسنؑ اور امام حسینؑ پر ترجیح دینی پسند نہیں کی ہاتھی پاؤں میں روندوا دیا۔

غرض یہی جھگڑے اور لڑائیاں سُنی اور شیعہ میں مخالفت اور دشمنی بڑھاتی گئیں اور اُن کی عجیب عجیب صورتیں پیدا کرتی گئیں۔ انہیں ملکی جھگڑوں سے دراصل سُنی اور شیعہ کے نام سے دو مذہبی فرقہ پیدا ہو گئے۔ معزالدولہ دیلمی نے چوتھی صدی ہجری میں خلیفہ مطیع اللہ کے زمانہ میں یوم عاشورہ کا رواج دیکر ایک عمدہ کام کے ساتھ اس تفریق کے اور پختہ کرنے کا ایک سبب پیدا کر دیا۔ گو شیعوں میں نئے نئے مذہبی مسائل اور مذہبی تفرقہ عجیب و غریب قسم کے پیدا ہوئے مگر وہ اِس اصلی اختلاف سے جدا سمجھنے چاہئے۔ یہ اصلی اختلاف تو خلافت کی بابت تھا۔ بنی فاطمہ جسقدر کوششیں کرتے رہے سب ناکام یاب ہوئے اور اِس ضعف نے تلوار کی کمی کو زبان سے پورا کرنا چاہا اور شکستیں اُن کے جوشوں کو بڑھاتی اور نئی نئی صورتوں میں ظاہر کرتی رہیں جو مذہبی رنگ پکڑتی گئیں۔ بنی فاطمہ ہی اگر دنیوی اقتدار اور دُنیا کی ہوس چھوڑ دیتے تو ممکن تھا

کہ ان دشمنوں کا خاتمہ ہو جاتا مگر اُن سے بھی یہ نہ ہو سکا اور خلافت کو ایک دم چین سے نہ بیٹھنے دیا ایشیا میں گو اُن کو کوئی دیرپا کامیابی نہ حاصل ہوئی ہو مگر مصر میں اُن کی ایک خلافت آخر قائم ہو ہی گئی جو سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے وقت تک جس نے پھر مصر میں عباسیہ خلافت قائم کر دی تھی قائم رہی۔ مصر کی یہ عباسیہ خلافت مملوکیوں کے زمانہ تک برائے نام مصر میں رہی اور سلطان سلیم کے زمانہ میں ترکان عثمانی کی طرف منتقل ہو گئی۔

خلفاء اربعہ کے سوا اول سے آخر تک جس قدر جھگڑے اور لڑائیاں اور کشت و خون ہوئے سب کی تہ میں ایک ہی وجہ دنیا کی طلب اور دنیا کی ہوس تھی اور کچھ نہ تھا۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے تعلقات قبل الاسلام کو بلا ضرورت زندہ کیا جاتا ہے بنی ہاشم ہی نے بنی ہاشم سے کونسا اچھا سلوک کیا جو بنی امیہ کے سلوکوں کو اتنی دور پیچھے لے جایا جائے دنیا کے واسطے جو کچھ بنی امیہ نے کیا وہی کچھ بنی عباس نے کیا اور وہی بنی فاطمہ نے کیا۔ تاریخ گواہ ہے جس سے جو ہو سکا کسی نے کمی نہیں چھوڑی مسلمانوں کا خون سب کی خلافتوں پر ایک ہی جیسا دعویٰ کر سکتا ہے۔

جس قدر کشت و خون مسلمانوں کا ان جھگڑوں اور لڑائیوں میں جو رفتہ رفتہ مذہب بن گئی تھیں ہوا وہ شمار کے حد و حساب اور اندازے سے باہر ہے۔ اور آج ایک رونے والے کو اُس پر صبر کر لینا بھی مشکل ہے اگرچہ رونا اور فریاد کرنا ہی ایک چارہ ہے۔ اسی دشمنی نے اسلامی خلافت کا نام دُنیا سے رخصت کر دیا عباسیہ کی وہ شان و شوکت پھر نہ آنے کے واسطے اسی مخالفت کی نذر ہو گئی۔ اسی سنی اور شیعہ کے جھگڑے نے ہلاکو کے خون خوار اور خونریز ہتھیاروں کو مسلمانوں کے گھر میں بلایا اور اسلامی سلطنت کی شان و شوکت علم و فضل اور صدیوں کی جمع کی ہوئی بزرگیوں کو اُس غارت گر ہاتھوں سے فنا کروا دیا اور عالموں اور فاضلوں اور شاعروں اور ادیبوں ہزارہا باکمال لوگوں کو جو انتخاب روزگار اور دُنیا کا فخر تھے جاہل درندوں کے ہاتھوں سے ذبح کروا ڈالا وہ یہی تباہی اور بربادی اور زوال اور مدینۃ الاسلام کی ویرانی کا واقعہ تھا جسکو دیکھ کر شیراز کا علامہ خون کے آنسو روتا ہوا ہمارے رُلانے کے لئے یہ اشعار کہتا ہوا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں | بر زوالِ ملک مستعصم امیرالمومنین |
| اے محمدؐ گر قیامت می برآری سر ز خاک | سر برآور ایں قیامت درمیان خلق بیں |
| دیدہ بردار اکہ دیدی شوکت بیت الحرام | قیصران روم بر سر خاک و خاقان بر زمیں |
| خونِ فرزندانِ عمِ مصطفیٰ شد ریختہ | ہم برآں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبین |
| نازنیناں حرم را خونِ حلقِ نازنین | زآستاں بگذشت و ما را خونِ دل از آستین |
| زینہار از دورِ گیتی و انقلابِ روزگار | درخیالِ کس نگشتے کانچناں گردد چنیں |

الخ

سعدی اس ہیبتناک تباہی اور ویرانی پر جس نے صدیوں کے اسلامی آثار اور بزرگیوں کو ایک دم میں مٹا دیا تھا اور بغداد کی بزرگیوں اور زمانہ کے فخر کے اسباب کو آگ اور تلوار کے حوالہ کر دیا تھا کیوں کر صبر کر سکتا تھا اُس کا عربی مرثیہ دلوں کو نہیں پتھروں کو پاش پاش کر دینے والا ہے۔

## عربی مرثیہ کے چند اشعار

| | |
|---|---|
| نسیمُ صَبا بَغْدادَ بَعْدَ خَرابِھا<br>تَمَنَّیتُ لوکانت تَمُرُّ علیٰ قبری | کاش ایسا ہوتا کہ بغداد کی تباہی کے بعد اسکی ہوا کا جھونکا میری قبر پر گذرتا۔ |
| زَجَرتُ طبیبًا جسّ نبضی مُدَاوِیًا<br>اِلَیْكَ فَما شکوایَ من مرضٍ یَبْری | میں نے طبیب کو جب کہ اس نے علاج کے لئے میری نبض کو چھوا جھڑک دیا کہ جا اپنا کام کر مجھ کو ایسے مرض کی شکایت نہیں جو اچھا ہو سکے۔ |
| وَلَاتسالنَ عمّا جری یوم حصرھم<br>وذالك مما لیس یدخل فی الحصر | نہ پوچھو جو حال بنی عباس کی قید کے دن گذرا یہ وہ حال ہے جو قید بیان میں نہیں آسکتا۔ |
| اُدِیرَت کُؤُوسُ الموت حتّیٰ کانّہ<br>رُؤُسُ الاساریٰ تَرْجُفُ من السکر | شراب مرگ کے جام گردش میں لائے گئے یہاں تک کہ قیدی کشتوں کے سر (تڑپتے ہوئے) ایسے معلوم ہوتے تھے گویا نشے میں جھوم رہے ہیں ؎ |

| | |
|---|---|
| بکت جدر المستنصریة ندبًا | علمائے راسخین پر جو کہ اصحاب عقل و دانش تھے مدرسہ مستنصریہ کی |
| علی العلماء الراسخین ذوی الحجر | دیواریں زار زار رو رہی ہیں۔ |
| نوائبُ دهرٍ لیتنی متُّ قبلها | یہ زمانہ کے سخت حادثے ہیں کاش میں ان سے پہلے مرجاتا۔ اور |
| ولم ار عدوان السفیه علی الحبر | جاہلوں کا ظلم دانشمندوں پر نہ دیکھتا۔ |
| وقفتُ بعبادان ارقبُ دجلةً | میں نے شہر عبادان میں ٹھہر کر دجلہ کے پانی کو دیکھا کہ نکتر خون کی مانند |
| کمثل دم قانٍ تسیلُ الی البحر | سمندر کی طرف بہتا تھا۔ |
| وفائضُ دمعی فی مصیبة واسطٍ | میرے آنسو جو شہر واسط کی مصیبت میں جاری ہیں خلیج فارس کے مدوجزر |
| یزیدُ علی مدّ البحیرة والجزر | کو اور بڑھا دیتے ہیں۔ |
| وهب انّ دار الملک ترجع عامراً | یہ نہ سمجھو کہ اب دار الخلافہ پھر آباد ہوگا اور علما کے چہرے غبار ذلت سے |
| ویغسلُ وجه العارفین عن العفر | پاک کئے جائیں گے۔ |
| فاین بنو العباس مفتخر الوری | کہاں ہیں بنی عباس جن سے عالم کو فخر تھا جن کے اخلاق برگزیدہ اور |
| ذوو الخلق المرضی والغرر الزهر | پیشانیاں نورانی تھیں۔ |
| غدا سمراً بین الانام حدیثهم | اُن کا ذکر اب دُنیا میں افسانہ ہوگیا اور یہ وہ افسانہ ہے جو کانوں کو |
| وذا سمرٌ یدمی المسامع کالسمر | برچھیوں کی نوک کی طرح خون آلودہ کرتا ہے۔ |
| اتذکرُ فی علی المنابر خطبةٌ | کیا منبروں پر خطبہ پڑھا جائیگا اور مستعصم باللہ کا اُس میں ذکر |
| ومستعصمٌ باللہ لم یک فی الذکر | نہ ہوگا۔ |
| ضفادعُ حول الماء تلعبُ فرحةً | کیا اس پر صبر ہو سکتا ہے کہ مینڈک پانی کے اِدھر اُدھر خوشی سے کھیلتے |
| اصبر علی هذا و یونس فی القعر | پھریں اور یونس پانی کی تہ میں ہو۔ |
| ولیت صماخی صمّ قبل استماعه | کاش ایسا ہوتا کہ قید میں محلوں کے لئے پردہ ہونیکی خبر سُننے سے پہلے |
| بهتک اساتیر المحارم فی الاسر | میرے کان بہرے ہو جاتے۔ |
| کانّ صباح الاسر یوم قیامةٍ | قید کی صبح گویا قیامت کا دن تھا کہ امتیں سر میں خاک ڈالے ہوئے |

| | |
|---|---|
| علیٰ امم شعثٍ تساق الی الحشر | میدان حشر کی طرف ہکائی جاتی تھیں۔ |
| ومستصرخٍ یا للمروۃ فانصروا | بہت سی فریاد کرتے تھے کہ دُہائی ہے مروت کی |
| ومن یُصرخ العصفور بین یدی صقر | کوئی مدد کرو۔ مگر باز کے پنجے میں چڑیا کی فریاد کو کون پہونچتا ہے۔ |
| یساقون سوق المغرقی کبد الفلا | جو لوگ زجر اور دھمکی سُننے کے عادی نہ تھے اُن کے |
| عزائز قومٍ لا یعودون بالزجر | حرم محترم صحرا میں بکریوں کی طرح ہکائے جاتے تھے۔ |
| جُلین سبایا سافراتٍ وجوھھا | جو لڑکیاں پردہ میں چادروں سے چہرے باہر نہ نکالتی تھیں |
| کواعبُ لا یبرزن من حلل الخدر | اُن کو کھلے منہ اسیر کر کے لے گئے۔ |
| رعی اللّٰہ انسانا یتیقظ بعدھم | خدا حمایت کرے اُس شخص کی جو دولت بنی عباس کے بعد |
| لانّ مصاب الزید مزجرۃ العمرو | خواب غفلت سے بیدار ہوگیا کیوں کہ زید کی مصیبت عمرو کے لئے تازیانہ ہے۔ |

اس آخری بڑی تباہی اور ویرانی کا سبب صرف سنی اور شیعہ کی دشمنی اور مخالفت تھی اس کی تفصیل کے معلوم کرنے کے واسطے تاریخ کو کھولنا چاہئے اگرچہ بنی عباس کی خلافت کا انجام ویسا ہی ہوا جیسا کہ پانچ صدیاں پہلے اُن کے ہاتھوں سے بنی امیہ کا ہوا تھا مگر وہ آیندہ مسلمانوں کے واسطے اُس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے واسطے کافی سے زیادہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اُس سے عبرت نہ حاصل کی اور سلطان سلیم اور شاہ اسمٰعیل صفوی کے زمانہ میں وہ چنگاریاں ایک دفعہ پھر بھڑکیں اور مسلمانوں کی ہزار ہا جانیں صرف اس تفرقہ اور مخالفت کی نذر ہوگئیں۔ ہندوستان میں بھی یہ آگ مسلمانوں کے گھروں کو جلائے بغیر نہ رہی۔ مگر چھوٹے بڑے تمام واقعات کا بیان کرنا کچھ ضروری نہیں ہے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے واسطے یہی واقعات کافی ہیں۔ سعدی اگر اپنے زمانہ میں ایسی مصیبت اور تباہی دیکھ کر زندگی سے بیزار تھا اور موت طلب کرتا تھا تو ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کے

سامنے رونے اور فریاد کرنے اور مرجانے کے واسطے اس سے بھی زیادہ حوادث موجود ہیں یورپ اور افریقہ اور ایشیا اور ہندوستان میں اسلامی سلطنتوں کی تباہی اور اپنے بُرے انجام سے بھی اگر ہم سبق نہیں حاصل کرسکتے تو ہماری ان زندگیوں سے درحقیقت موت ہزار درجہ بہتر ہے *

اے اسلام کی نسلو! تمہاری تاریخ سے بڑھ کر تمہارے واسطے کوئی معلم نہیں ہوسکتا۔ اپنی تاریخ اور اپنے حال سے عبرت حاصل کرو۔ دُنیا کی خلافت اور سلطنت کے جھگڑوں نے جو تفرقے تمہارے درمیان پیدا کئے ہیں کم سے کم اب تو اُن کو درمیان سے اُٹھا دو نہ وہ خلافت رہی نہ وہ سلطنتیں رہیں نہ وہ دعوے اور نہ وہ دعوے دار رہے مگر افسوس ہے کہ وہ تفرقے اور مخالفتیں باقی ہیں۔ ذرا غور کرو کہ کوئی عقلمند ہمارے اس حال پر سوائے ہنسنے یا افسوس کرنے کے کیا کرے گا۔ ہم اپنے ان تفرقوں سے دوگونہ نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ خدا کی مرضی یہی تھی اگر یہ دشمنیاں ہم کو اپنے ہی گھر میں مصروف نہ رکھتیں تو یہ دُنیا اسلامی سلطنت کے سوا کوئی دوسرا نام سُننے کے لایق باقی نہ رہتی۔ مگر ایسے خوابوں کا وقت گذر گیا ہے۔ ہم اپنی امن بخش موجودہ سلطنت کے تحت میں اپنی زندگی کے اعلےٰ اغراض پورے کرکے اپنے بہت سے نقصانوں کی تلافی کرلینے کے لایق ہیں *

آؤ اتفاق کریں محبت اور اخوت کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑ کر اپنے اسلام کا ثبوت دیں۔ اور زمانہ جو کچھ ہم سے چاہتا ہے وہ کریں اور اسلام کی مبارک نسلیں کہلانے کے مستحق ہوں *

بزرگانِ دین کے حق میں بُرے اور ناشایستہ الفاظ کا استعمال کرنا اُن کو کوئی نقصان نہیں پہونچاتا۔ تمام تر نقصان ہمیں کو پہونچتا ہے کیوں کہ انسان کے دل میں اُس سے بدی اور بدطینتی اور بداخلاقی پیدا ہوتی ہے جو اسلام کے مقصد اعلےٰ کے برخلاف ہے۔ اور اُس کی برائی کا بجائے خود یہی ایک ثبوت ہے۔ بلاشُبہ آل رسول اللہ صلعم کی محبت اور ہمدردی نہایت نیکی کا کام ہے اور دل کو پاک اور ایمان کو مضبوط کرتا ہے مگر بزرگانِ دین کے حق میں بُرے اور ناشایستہ الفاظ استعمال کرنے سے وہ تمام نیکی برباد ہوجاتی ہے اور بُرائی حاصل ہوتی ہے اُنہیں

بزرگان دین کے اخلاق اور اطوار کو ہمیں اپنا شعار بنانا چاہئے اور آج وہ زمانہ آگیا ہے کہ دھوکا دینے والے پردہ درمیان سے اُٹھ جائیں ہم اپنی غلطیوں پر نادم ہوں اور بزرگان دین کے نام کی جو عزت اور تعظیم و تکریم ہم کو کرنی واجب ہے وہ کریں ❊

مجھ کو دیباچہ کے آخر میں اپنی استعداد اور مقدور سے بڑھکر ایک ایسا بزرگ کام جیسا کہ حضرت عمرؓ کے حالات کا لکھنا ہے اختیار کرنے کی نسبت چند الفاظ کہنے ہوں گے۔ اصل یہ ہے کہ میں نے کوئی خواہش اور ارادہ نہیں کیا اور کسی طرح ایسا ارادہ کرنا واجب نہیں تھا جب کہ ہمارے اس زمانہ کے اسلامی مورخ مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی اس کے کرنے کا وعدہ اور اعلان کر چکے تھے۔ مگر بعض واقعات نے مجھے اِس کام کی طرف کھینچا۔ کئی برس سے ایک قلمی مسودہ حضرت عمرؓ کے حالات پر ترتیب دینے اور شائع کرنے کے واسطے فرمائشاً میرے پاس تھا۔ اُس کی صحت کے خیال نے مجھے اِس مضمون پر زیادہ حالات پڑھنے کی طرف مائل کیا اور اُس وقت وہ مسودہ مجھ کو حضرت عمرؓ کے بزرگ اور عظیم الشان حالات کے روبرو بے کار معلوم ہوا اور اُن کے دلچسپ حالات اور اُس عظیم نفع کے خیال سے جو ہر ایک مسلمان ایک بادشاہ سے لے کر عامی تک حضرت عمرؓ کے حالات کے مطالعہ سے حاصل کر سکتا ہے میں اپنے چند روزہ مطالعہ کے نتیجہ کو جمع کرنے اور شائع کر دینے کی طرف مائل ہوا کیوں کہ میں یقین کرتا ہوں کہ ہماری اردو زبان میں جس کو چھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں بولتے ہیں ایک ہی مضمون پر ایک سے زیادہ کتابیں موجود ہونے میں کوئی نقصان نہیں ہے ❊

لیکن میری کتاب سے یہ امید کرنا غلطی ہوگی کہ جناب مولوی محمد شبلی صاحب کی کتاب الفاروق کی ضرورت کو اِس نے رفع کر دیا ہو۔ یہ کتاب زیادہ تر سہل الحصول ماخذوں سے تالیف کی گئی ہے اور عالمانہ تحقیقات اور تدقیقات کی صرف مولوی صاحب کے علم و فضل سے ہی توقع کی جا سکتی ہے اور مجھ کو امید ہے کہ یہ کتاب بوجہ اُن اعلےٰ امیدوں کے جو مولوی صاحب کی کتاب سے ہیں اُس کے اشتیاق کو زیادہ کرنے کا باعث ہوگی ❊

اگرچہ میں نے یہ بات کہی ہے کہ میری کتاب سہل الحصول ماخذوں سے تالیف کی گئی ہے لیکن بایں ہمہ میں نے ضعیف روایات اور غیر معتبر تاریخوں کو وہی وقعت دی ہے جس کی کہ وہ لائق تھیں اور میں نے اُن کی طرف مطلق کچھ التفات نہیں کیا ۔

سب سے زیادہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی قابل قدر اور بیش بہا کتاب ازالتہ الخفاعن خلافتہ الخلفا اور سر ولیم میور صاحب کی انگریزی تاریخوں کا جو اُنہوں نے خلافت پر لکھی ہیں مشکور ہوں - مولوی محمد شبلی صاحب کی کتاب الفاروق جو اطمینان اس مضمون کی طرف سے دلا چکی ہے اور دلاتی ہے اُس نے مجھے اس سے زیادہ محنت اور تجسس اور تلاش کرنے سے جس قدر کہ میں نے اپنی استعداد کے موافق کی ہے بے پروا کر دیا ہے ۔ ورنہ ممکن تھا کہ میں اپنی ناچیز محنت اور سعی اور اُس کے نتائج کو بڑھاتا گو ہر ایک شخص کو جو حضرت عمرؓ کے حالات جمع کرنا اور لکھنا چاہے گا آخر کار شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی طرح یہی شعر پڑھ دینا پڑے گا :-

"وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ
یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

یعنی

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

ایسے حالات اور مباحثوں اور مذہبی مسائل اور تنازعہ اور تکرار کی باتوں کو جن کا ذکر میں اپنے سب سے بڑے مقصد کے لحاظ سے نامناسب سمجھتا تھا میں نے ترک کر دیا ہے - میں اپنے ناظرین سے یہ امید کرنے کے بعد دیباچہ کو ختم کرتا ہوں کہ وہ میری استعداد کا خیال کرکے جو بہت تھوڑی ہے اور اس بات کو معلوم کرکے کہ ان پانچ چھ مہینوں میں جس عرصہ میں میں نے اس کتاب کے متعلق تمام کام کئے اور کرائے میں بہت کم وقت اطمینان اور فراغت کا مجھے ملا ہے - میری غلطیوں کے ساتھ سختی سے سلوک

نہ کریں گے ٭

خاکسار سراج الدین احمد

## نام و نسب - ولادت - بچپن - سن رشد - عہد جاہلیت

عمرؓ نام - ابو حفص کنیت - فاروق خطاب - امیر المومنین لقب - القرشی العدوی نسب شجرۂ نسب کے بارے میں مورخین میں کسی قدر اختلاف ہے - تاریخ الخلفا سیوطی میں شجرہ نسب عمر ابن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی ہے - اور طبری میں عمر ابن خطاب ابن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن عدی بن کعب بن لوی ہے بہرصورت حضرت عمرؓ کا شجرۂ نسب آٹھویں پشت میں یعنی کعب بن لوی پر آنحضرت صلعم سے مل جاتا ہے پس آپ اشراف قریش میں سے تھے - والد آپ کے مشہور اور عمدہ متکلم اور اپنی قوم اور قبیلہ کے امیر اور سردار تھے+ - آپ کی ماں حنتمہ بنت ہشام ابن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھی ٭

حضرت عمرؓ کے نام کے بارے میں ایک دلچسپ روایت استیعاب میں ہے کہ ایک دن آپ مسجد سے نکلے - جارود آپ کا غلام ساتھ تھا - سامنے سے ایک عورت (خولہ بنت حکیم) آئی جس کو آپ نے سلام علیک کہا اُس نے جواب دے کر کہا کہ اے عمرؓ کچھ اور کہوں میں تجھے پہچانتی ہوں - تیرا نام عکاظ کے بازار میں عمیرہ تھا اور تھوڑے دنوں بعد تجھے عمر کہنے لگے اور اب بہت عرصہ نہیں ہوا کہ تو امیر المومنین کہلانے لگا‡ - اس نام کی تبدیلی کی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی -

+ لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور -

‡ التہ الخفا عن خلافۃ الخلفا مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی

ممکن ہے کہ بچپن میں یا ایام جاہلیت میں لوگ آپ کو عمیرہ کے نام سے پکارتے ہوں گو نام آپ کا عمرؓ ہی ہو*

نووی کے قول کے مطابق حضرت عمرؓ عام فیل سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا سال ہے تیرہ برس بعد پیدا ہوئے اور ذہبی کی روایت کے حساب سے آپ عام فیل سے اُنیس برس بعد پیدا ہوئے+ ۔ یہ اختلاف چھ برس کا آپ کی نسبت آخر تک پایا جاتا ہے جیسے کہ طبری لکھتا ہے کہ بعضوں نے اُن کی عمر ستاون سال کی اور بعضوں نے تریسٹھ سال کی لکھی ہے‡ مگر ذہبی کی روایت زیادہ قابل اعتبار ہے ۔

اگر ہر ایک شخص کو جو اسی قسم کا کام اختیار کرے جیسا کہ میرے ہاتھ میں ہے زمانۂ جاہلیت کے حالات نہ ملنے کے ساتھ مجبوراً رضامند ہونا پڑے تو مجھ کو تو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے سب سے پہلے اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا چاہئے ۔ افسوس ہے کہ حضرت عمرؓ کے بچپن کے زمانہ کے حالات بھی ایسی ہی تاریکی میں ہیں اور مشکل سے آج کوئی وسیلہ اُن کے تلاش اور معلوم کرنے کا دستیاب ہوسکتا ہے ۔ عرب کی عجیب وغریب شاعری اگر اُن حالات کے زندہ رکھنے کا جو آج دستیاب ہوسکتے ہیں اور اُن کے تاریخی اور سوشل حالات اُس سے اخذ کئے گئے ہیں ایک ذریعہ نہ بنتی تو طریقۂ تحریر کے موجود نہ ہونے اور حالات کو قلمبند کرنے کی عادت نے اُن کی قدیم تاریخ کے علم کا خاتمہ ہی کر دیا تھا ۔ اگرچہ غیر اقوام کی تحریروں اور قدیم کتب مذہبی سے بھی عرب کے پرانے حالات جمع کرنے میں مدد ملی ہے مگر سب سے بڑا منبع اُن کی وہ شاعری ہی ہے جس کے وہ اِس قدر دلدادہ تھے *

مگر حضرت عمرؓ کے بچپن اور عموماً زمانۂ جاہلیت کے حالات نہ لکھنے اور نہ بیان کرنے کی نسبت تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان مورخوں اور راویوں نے دانستہ چشم پوشی کی ہے اُن کے زمانۂ جاہلیت کے حالات لکھنا یعنی جب تک کہ وہ اسلام نہیں لائے تھے اُن کی شان کے خلاف اور

*+ تاریخ الخلفا سیوطی ‡ طبری فارسی نسخہ مطبوعہ لکھنؤ ۔

بے ادبی سمجھا گیا ہے۔ کیوں کہ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان مورخوں نے اُن کے زمانۂ جاہلیت کے ساتھ ایک غیر ضروری رعایت کرنے کی کوشش کی ہے اس سے گمان ہوتا ہے کہ دانستہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ کفر کے حالات نہیں لکھے گئے۔ بہر حال اسی ناکامی کے ساتھ رضامند ہونا سب سے آخری چارہ ہے۔

اگر پھل سے ایک درخت کی اور پیڑ سے پودے کی حالت کا ہم کچھ اندازہ کر سکتے ہیں تو ایک سادہ اور سنجیدہ مزاج شخص کے زمانۂ بچپن کے حالات سے کسی غیر معمولی دلچسپی اور تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ حضرت عمرؓ کے بچپن کے زمانے کا بڑا حصہ جاہلیت کے ایک سادہ زندگی بسر کرنے والے کُنبہ کے اِس قسم کے کاموں میں مصروف رہنے میں گذرا ہے جس کی ایک مثال وہ خود ایک دفعہ ضجنان کے جنگل میں سے گذرتے ہوئے جو مکہ کے قریب ہے بیان کرتے ہیں کہ میں اُس جنگل میں خطاب (اپنے باپ) کے اونٹ چرایا کرتا تھا اُن کا مزاج بہت سخت تھا۔ اُسکی طبیعت کے خلاف اگر میں کوئی کام کرتا تھا تو میرے پیچھے پڑ جاتا تھا اور اگر میں قصور کرتا تھا تو مجھے مارتا تھا[+]۔ اِس سے حضرت عمرؓ کے باپ کی طبیعت کا ایک خاصہ بھی معلوم ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ کی طفولیت کا زمانہ جس قسم کے کاموں میں گذرا اُس کی بھی ایک مثال ہے۔

سنِ رشد بھی حضرت عمرؓ کا جاہلیت کے انہیں گم شدہ حالات میں پوشیدہ ہے مورخین اُن کے اِس تمام زمانے کے حالات کو جو اسلام لانے سے پہلے کے ہیں ایک جملہ میں ختم کر دیتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ قبل از اسلام قریش میں ایک بڑا رتبہ اور وجاہت رکھتے تھے اشرافِ قریش میں سے تھے اور جاہلیت میں سفارت کا کام کرتے تھے۔ قریش میں جب کوئی باہمی لڑائی یا کسی دوسرے قبیلہ کے ساتھ جنگ ہوتا تھا تو اُن کو سفیر کر کے بھیجتے تھے۔ گاہ گاہ ثالث مقرر ہوتے تھے اور اگر کسی کی تذلیل اور توہین اور خفت کرنے اور عیوب اور برائیاں بیان کرنے یا اپنے آبا و اجداد کی بزرگیاں اور اپنے حسب و نسب کے فخریہ بڑائیاں بیان کرنے کی ضرورت ہوتی تو ایسے

+ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔

موقع پر قریش کی طرف سے حضرت عمرؓ منتخب کئے جاتے تھے+۔ ان پچھلے الفاظ کے مطلب کی شاید کچھ تشریح کرنے کی ضرورت ہو۔ یہ جاہلیت کی ایک خاص رسم کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ منافرت اور مفاخرت یعنی دوسرے قبیلوں کی بُزدلی اور عیوب اور اپنی بہادری اور اوصاف اور حسب نسب کی بڑائیاں بیان کرنا جاہلیت کی ایک عام رسم تھی شاعروں کو اپنی طباعی اور ذہانت اور جودت طبع ظاہر کرنے کا ایک بڑا موقع ہوتا تھا وہ برجستہ اور برمحل اشعار تصنیف کرکے پڑھتے تھے بعض اوقات وہ ان منافرت اور مفاخرت کے معرکوں میں حد سے گذر جاتے تھے مثلاً بنی عبد مناف اور بنی قصی اور بنی سہم کے درمیان یہاں تک نوبت پُہنچی کہ اپنی فضیلت اور کثرت کے فخر کو ثابت کرنے کے واسطے قبریں کھود کر اپنے مقتولین کا شمار کیا جس پر سورۃ "الھٰکُمُ التَّکاثُرُ حتی ذرتم المقابر" نازل ہوئی ہے زیادہ تر رواج اشعار میں منافرت اور مفاخرت کرنے کا تھا۔ مثلاً حارث بن ہمام ابن زیابہ کو کہتا ہے کہ۔

| اشعار | ترجمہ |
| --- | --- |
| ایا ابن زیابة ان تلقنی | اے زیابہ کے بیٹے اگر تو مجھ سے ملے۔ |
| لا تلقنی فی النعم العازب | تو میں تجھ سے اونٹوں میں جو اپنے مالکوں سے دور ہوں نہیں ملوں گا یعنی میں شتر چرانے والا نہیں ہوں اور گھوڑوں اور سواروں میں ملوں گا۔ |
| وتلقنی یشتد بی اجرد | اور تو مجھ کو ایسے وقت میں ملے گا۔ |
| مستقدم البرکة کالراکب | کہ گھوڑا مثل اپنے سوار کے بلند و فراخ سینہ مجھے تیز لئے جاتا ہو۔ |

ابنِ زیابہ اس کا جواب دیتا ہے

| اشعار | ترجمہ |
| --- | --- |
| یالهف زیابة للحارث | مطلب شعر کا یہ ہے کہ زیابہ کو اس بات کا بڑا افسوس ہے |
| الصابح فالغانم فالآیب | کہ حارث صبح کو لوٹ کر سلامت چلا گیا۔ |

+ ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفا و تاریخ الخلفا سیوطی۔

| | |
|---|---|
| والیہ لو لاقیتہ خالیا<br>لآب سیفانا مع الغالب | بخدا اگر میں اس سے تنہا ملتا تو بیشک ہم دونوں کی تلواریں غالب کے ساتھ جاتیں۔ یعنی اس کی تلوار چھین لیتا۔ |
| انا ابن زیابۃ ان تدعنی<br>آتاك والظن علی الکاذب | میں زیابہ کا بیٹا ہوں اگر تو مجھ کو (لڑائی کے واسطے) بلاوے گا تو میں تیرے پاس آؤں گا اور تردد کا انجام جھوٹے کے حق میں برا ہوتا ہے۔ |

ایک دوسرا شاعر مفاخرت کے طور پر کہتا ہے کہ

| | |
|---|---|
| رویدا بنی شیبان بعض وعیدکم<br>تلاقوا غدا خیلی علی سفوان | اے بنی شیبان اپنی دھمکیاں کسی قدر کم کرو۔ کیوں اب سفوان پر کل تم سے میرے گھوڑوں کی مٹھ بھیڑ ہوگی |
| علیها الکماۃ الغر من آل مازن<br>لیوث طعان عند کل طعان | ان گھوڑوں پر مشہور و نامی بہادر لوگ آل مازن کے سوار ہوں گے جو ہر قسم کی نیزہ بازی میں مثل شیروں کے حملہ آور ہیں۔ |
| تلاقوهم فتعرفوا کیف صبرهم<br>علی ما جنت فیهم ید الحدثان | ان سے ملوگے تو جانوگے کہ یہ لوگ حوادث اور مصائب دہر پر کیسا صبر کرتے ہیں۔ |
| مقادیم وصالون فی الروع خطوهم<br>بکل رقیق الشفرتین یمانی | وہ لوگ لڑائی میں سب سے آگے رہنے والے ہیں اور خوف کی جگہ میں اپنے قدم ہر دو دھاری یمانی تلوار سے ملانے والے ہیں۔ |
| اذا استنجدوا لم یسالوا من دعاهم<br>لایۃ حرب ام بای مکان | جب ان سے کوئی مدد مانگتا ہے تو مدد خواہ سے نہیں پوچھتے کہ کس لڑائی کے لئے مدد مانگتا ہے اور ہم کو کہاں لے جاویگا یعنی نہایت بیدھڑک ہیں۔ |

غرض اس طرح کی منافرت اور مفاخرت کا عرب میں اس وقت عام رواج تھا اور

حضرت عمرؓ قریش کی طرف سے اس کام کے واسطے منتخب کئے جاتے تھے لیکن ہم اس سے لازمی طور پر نتیجہ مشکل سے نکال سکتے ہیں کہ حضرت عمر شاعر تھے یا خواندہ اور تعلیم پائے ہوئے تھے۔ کیونکہ منافرت اور مفاخرت مقفیٰ اور مسجع اور معمولی نثر میں بھی کی جاتی تھی اور بڑے بڑے مشہور شاعر بھی ناخواندہ اور ان پڑھ تھے۔ مثلاً طرفہ جو جاہلیت کا ایک مشہور اور ممتاز شاعر ہے ناخواندہ تھا مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کام کو انجام دینے کے واسطے حضرت عمرؓ کی لیاقت اور دلیری اور وقار کے لوگ قائل تھے اور اسی طرح سفیر ہونے کے واسطے جو خاص اوصاف درکار ہیں وہ بھی حضرت عمرؓ میں موجود تھے۔ حضرت عمرؓ لکھ پڑھ سکتے تھے یہ امر بخوبی ثابت ہے۔ اور شعر بھی کہتے تھے ۔

حضرت عمر کے حالات جاہلیت کی نسبت اب سوا اسکے کچھ کہنے کو نہیں رہا کہ ہم ایک نظر اُس سادہ مزاج۔ سادہ معاش۔ خود پسند اور خودسر قوم پر ڈالیں جس میں اُنہوں نے ستائیس برس کی عمر تک پرورش پائی تھی اور جن کے عادات اور خیالات کے حصہ دار ہونے میں وہ کسی سے کم نہیں تھے اور جو کہ عنقریب خداوند تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت سے بہرہ یاب ہونے والے تھے ۔

یہ وہ عجوبہ روزگار قوم تھی جو ہمیشہ آزاد اور اپنی آزادی پر فخر و ناز کرنے والی رہی ہے کسی غیر قوم کی اطاعت کا جوا اس نے اپنے کندھوں پر نہیں اُٹھایا اور کوئی غیر قوم اُن پر فرماں روا نہیں ہوئی تھی۔ کوئی خاص قوم یا خاص شہر گو کسی تاری ظالم (جبابرہ سدیہ) یا رومی حاکم کے سامنے چند روز کے واسطے عارضی طور پر جھک گیا ہو ورنہ عرب کی کل قوموں نے بڑے بڑے صاحب جلال اور با شان و شکوہ بادشاہوں کے غاشیۂ اطاعت کو کندھے پر نہ اُٹھنے دیا ہزاروں برس آزاد رہے۔ فراعنۂ مصر اور شاہان شام کی سعی اس کی فتح میں بے حاصل رہی۔ کیخسرو ایرانی اور اسکندر یونانی سے بچا رہا۔ روم کی سلطنت کا علم ساری دنیا میں بلند ہوا مگر یہ سرزمین محفوظ رہی۔ ٹارس۔ پومپی۔ ٹریجن وغیرہ کی فوجیں سر ٹپک کر بیٹھ رہیں مگر ملک عرب کو نہ زیر کر سکیں ۔

بدو عرب کی معاشرت ایک چرواہے کے طریقۂ معاشرت سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ خیمہ اور چراگاہ صرف یہی دو چیزیں اُس کو اپنے اور اپنے دُنبوں اور بکریوں کے ریوڑ کے واسطے درکار تھیں۔ البتہ شہروں

اور قصبوں میں رہنے والے کسی قدر مہذب زندگانی کے فوائد سے متمتع ہوتے تھے اُنکا وقت کاشتکاری میں کھجوروں اور درختوں کے بونے میں جنکے پھلوں سے اوقات بسری ہو اور مختلف انواع کی دستکاری اور مختلف اشیا کی تجارت اور سوداگری میں صرف ہوتا تھا ؛

مہمان نوازی ہمسایہ کی خبرگیری اور پناہ گیر کی حفاظت قیدیوں کا چھوڑانا محتاج اور بےکس کی مدد کرنا جس کی طرف کھڑے ہو گئے اُس کا ساتھ دینا - وعدوں کو پورا کرنا - ان عادات کی بہت تعریف کی جاتی تھی اور افضل اور قابل ستائش سمجھے جاتے تھے اور اپر فخر بھی کرتے تھے مگر خاص فخر کی چیزیں حسب نسب کی بڑائی - جنگجوئی - بہادری - اپنے قبیلہ کے مقتول کا انتقام لینا گھوڑے کی سواری میں مشاق اور ہوشیار ہونا اور اس قسم کی چیزیں تھیں - مثلاً ایک شاعر (سمول) کے فخریہ شعروں میں سے چند یہ ہیں :-

| | |
|---|---|
| تعیرنا انا قلیل عدیدنا | وہ طعن کرتا ہے کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے - |
| فقلت لها ان الکرام قلیل | میں نے اُس کو جواب دیا کہ ہاں اہل کرم تھوڑے ہوتے ہیں - |
| وما ضرنا انا قلیل وجارنا | اور ہم کو اُس نے ضرر نہیں دیا کہ ہم تھوڑے ہیں جب کہ ہمارا ہمسایہ |
| عزیز وجار الاکثرین ذلیل | صاحب عزت ہے حالانکہ ہمسایہ اکثروں کا ذلیل ہوتا ہے - |
| لنا جبل یحتله من نجیره | ہمارا ایک پہاڑ ہے اُس میں وہی داخل ہوتا ہے جسکو ہم پناہ دیتے ہیں |
| منیف یرد الطرف وهو کلیل | بہت استوار ہے نظر کو خیرہ کر کے ہٹا دیتا ہے - |
| وانا لقوم ما نری القتل سبة | اور ہم بیشک ایسی قوم ہیں کہ ہم قتل کو گالی نہیں سمجھتے - |
| اذا ما راته عامر وسلول | جب اُس کو عامر اور سلول نے عار سمجھا - |
| یقرب حب الموت اجالنا لنا | ہمارا موت کو محبوب رکھنا ہماری عمریں نزدیک کرتا ہے اور اول عمریں |
| وتکرهه اجالهم وتطول | اس موت کو مکروہ جانتی ہیں اور دراز ہوتی ہیں - |
| وما مات منا سید حتف انفه | اور ہم میں سے کوئی سردار یوں ہی (یعنی بے قتل ہوئے) نہیں مرا |
| ولا طل منا حیث کان قتیل | اور نہ ہم میں سے کوئی مقتول کہیں ہو باطل ہو گیا ہے (یعنی ہم |

| | |
|---|---|
| | اُس کا انتقام لیتے ہیں ) |
| تسیل علی حد الظبات نفوسنا | ہماری روحیں یا خون تلوار کی دھاروں پر رواں ہوتی ہیں۔ |
| ولیست علی غیر الظبات تسیل | اور تلواروں کے سوا اور پر رواں نہیں ہوتیں۔ |
| صفونا فلم نکدر واخلص سرنا | ہم (نسب میں) صاف ہیں پس ہم میں کوئی کدورت نہیں ہے اور |
| اناث اطابت حملنا وفحول۔ | ہماری پاک اصل کو اُن عورتوں نے کہ اُنہوں نے ہمارا حمل پاک رکھا اور اصیل مردوں نے خالص کر دیا۔ |
| علونا الی خیر الظہور وحطنا | ہم اچھی پشتوں کی طرف (نطفہ ہوکر) بلند رہے۔ |
| لوقت الی خیر البطون نزول | اور ہم کو ایک وقت معین پر نزول نے اچھے بطنوں کی طرف پہنچا دیا۔ |
| فنحن کما المزن ما فی نصابنا | سو ہم ابر کے پانی کی مانند (پاک وصاف) ہیں ہمارے گروہ میں |
| کہام ولا فینا یعد بخیل | کوئی ضعیف نہیں ہے اور نہ ہم میں کوئی بخیل گنا جاتا ہے اور اگر |
| وننکر ان شئنا علی الناس قولہم | ہم چاہیں تو لوگوں کی بات پر اعتراض کریں |
| ولا ینکرون القول حین نقول | اور جب ہم گویا ہوتے ہیں تو ہمارے قول پر اعتراض نہیں کر سکتے |
| اذا سید منا خلا قام سید | جب ہم میں کوئی سردار انتقال کر جاتا ہے تو ایسا سردار اُس کی |
| قؤول لما قال الکرام فعول | جگہ قائم ہوتا ہے۔ کہ کہتا ہے وہ جو شریفوں کا قول ہے اور وہی کرتا ہے۔ |
| وما اخمدت نار لنا دون طارق | اور ہماری آگ کسی رات کے آنے والے پر کبھی بجھی نہیں ہے۔ |
| ولا ذمنا فی النازلین نزیل | اور نہ مہمانوں میں سے کسی مہمان نے ہماری مذمت کی ہے۔ |
| وایامنا مشہورۃ فی عدونا | اور ہمارے واقعات ہمارے دشمنوں میں مشہور ہیں۔ |
| لہا غرر معلومۃ وحجول | اُن واقعات کے واسطے روشنی اور بیاض معلوم ہے۔ |
| واسیافنا فی کل غرب ومشرق | اور ہماری تلواریں تمام مغرب اور مشرق میں۔ |

| | |
|---|---|
| بھا من قراع الدارعین فلول | زرہ پوشوں پر شمشیر زنی سے دندانہ دار ہوگئی ہیں۔ |
| معودة الاتسل نصالھا | یہ عادت کی گئی ہے کہ تلوار کھینچکر پھر میان نہ کی جائے |
| فتغمد حتی یستباح قبیل | جب تک کوئی جماعت قتل نہ کی جائے۔ |

غرض لڑائی اور جنگ جوئی اُن کا رات دن کا مشغلہ تھا۔ جاہلیت کی لڑائیوں کی شمار کوئی سترہ سو بتاتا ہے کوئی بارہ سو۔ ان بے باک اور بے خوف عربوں کی معرکہ آرائیاں اور خونریزیاں بڑی مشہور ہیں۔ ایک ذراسی بات اُن کے درمیان آتش جنگ مشتعل کرنے اور سالہا سال باہم لڑتے رہنے کے واسطے کافی تھی مثلاً حرب بسوس جو بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ہوئی اُس کا سبب یہ تھا کہ کلیب ایک بڑا مشہور امیر عرب تھا اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ میری چراگاہ میں کوئی اونٹ چرنے نہ پائے ایک شخص قبیلہ جرم کا جساس کی پھوپھی بسوس نامی کے پاس اُترا تھا اُس کے ناقہ کا نام سراب تھا وہ چرتی ہوئی کلیب کی چراگاہ میں چلی گئی کلیب نے اُس پر تیر چلائے اور پھر اُس کے تھن کاٹ لئے۔ یہ اونٹنی لہولہان بڑبڑاتی ہوئی اپنے مالک کے پاس آئی۔ بسوس کو دیکھ کر بہت رنج ہوا کہ اُس کے مہمان کو تکلیف پہونچی۔ جساس نے جو اپنی پھوپھی کو غمگین پایا اور ماجرا سنا تو تمام قوم کو جمع کر کے کلیب کو جا گھیرا اور احاطہ میں پھرتے ہوئے پاکر جساس نے اُسکو ایک ایسا نیزہ مارا کہ وہ مرگیا۔ یہ جنگ کی آگ پچاس برس تک بھڑکی رہی جس کے شراروں میں ستر ہزار جانیں خاکستر ہوگئیں۔

اسی طرح جنگ داحس کی کیفیت یہ ہے کہ عرب کے ایک امیر قیس کے پاس دو گھوڑے داحس اور غبراء نامی تھے۔ حذیفہ بن بدر کے گھوڑوں کے ساتھ دوڑ ہوئی دو دو سو بچھیروں کی شرط بدی گئی۔ مگر دوڑ کے نتیجہ پر باہم تکرار ہوگیا اور لڑائی چھڑ گئی چالیس برس تک خونریزی کا ہنگامہ برپا رہا۔ قبیلہ کے قبیلہ کٹ گئے اور ہزارہا جانیں اُس ناچیز سے جھگڑے کی نذر ہوگئیں۔

اونٹ اور گھوڑا اُن کے دو وفادار اور خدمت گزار تھے اور وہ بھی اُن کے پورے قدردان اور عاشق زار تھے۔ اونٹ کا دودھ۔ دہی۔ گوشت۔ پشم۔ چمڑا۔ مینگنیاں۔ پیشاب۔ ہر چیز اُن کے کام آتی تھی پس یہ ریگستان کا جہاز صرف ریگستانی دشوار گذار راستوں ہی میں کام نہیں دیتا تھا بلکہ اُن کے

اسباب معیشت کا ایک بہت بڑا جزو تھا +

گھوڑے کی نسبت علم حیوانات کے عالم یہ رائے دیتے ہیں کہ وہ عرب کی پیدائش ہے وہیں کی آب وہوا اس شریف اور نجیب جانور کے لئے موزون کی گئی تھی گو اس کے قد وقامت کو وہ چنداں بلند نہیں کرتی ۔ مگر تیزی اور چستی وچالاکی اور شتاب روی وہ پیدا کرتی ہے کہ جس کا دُنیا میں جواب نہیں شریف نجیب گھوڑوں کی نسل کا باقی رکھنا عرب کا ایمان تھا ۔ اور جگہ انسان اپنی شرافت کو ایسا یاد نہیں رکھتا جیسا عرب اِن گھوڑوں کی نسل کی نجابت کو یاد رکھتا تھا ۔ نر کو فروخت کر دے مگر مادہ کو جان کے برابر رکھتا اور جُدا نہیں کرتا تھا ۔ جب کوئی نجیب گھوڑی بچھیرا دیتی تو اُس کی خوشی ایک بڑی شادی کی تقریب سے کم نہ ہوتی ۔ اولاد کے مانند اُن سے محبت کرتے اور اولاد ہی کی طرح اُس کی تعلیم وتربیت کرتے تھے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے تھے ۔ اُنکی تیزی اور دوڑ ہزاروں جانیں بچا دیتی تھی ۔ عرب اسی کے بھروسے پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا تھا ۔ اور وہ اُس کے اعتبار کو دھوکا نہیں دیتا تھا اور ہوا کی طرح لے کر اُڑ جاتا تھا اگر سوار پیٹھ سے گر جاتا تو وہ اُس کی مصیبت کا دوست اُس کے سنبھل کر پھر سوار ہونے تک اُس کے پاس کھڑا رہتا +

شعروشاعری نے حیرت انگیز ترقی کی تھی ۔ عرب شعر اور شاعری کا دلدادہ تھا کسی قوم میں اگر کوئی ہونہار شاعر پیدا ہوتا تھا تو مرد اور عورتیں سب ملکر خوشی کرتے اور شادیانے بجاتے تھے ۔ اپنے لائق شاعروں پر بھی فخر کیا جاتا تھا ۔ عکاظ کے بازار کے مشاعرے اور معلقہ مشہور ہیں ۔ اپنے اشعار میں وہ شجاعت ۔ دل کی اُمنگیں خونریزی ۔ شرافت نسب ۔ رفاقت ۔ وفا ۔ سخاوت ۔ فرحت مقام ۔ دریا کی روانی ۔ جنگلوں کی ویرانی ۔ پہاڑوں کی وحشتناکی ۔ جنگلوں کی سرسبزی ۔ حیوانات کی خوبی ساونٹ گھوڑوں کی تعریف عشق معشوق کی تعریف ہجر کی اداسی ۔ وصل کی مسرت اور اس قسم کے مضامین ہوا کرتے تھے ۔ فصاحت ۔ بلاغت ۔ لطافت ظرافت بھی فضیلت کے دائرے کی تکمیل کے لئے ضروری تھی ۔ ایک فصیح متکلم اور مقرر کو خطیب کا خطاب ملتا تھا +

بعض خوبیوں کے ساتھ عرب جاہلیت میں نہایت بداخلاقی اور فحش پھیلا ہوا تھا ۔ قصائد کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے اُن میں دولتمند امیروں کی لڑکیوں اور عورتوں اور

بتوں کا نام لے کر بیان کرتے تھے اور ہر طرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے اختیار میں ایک جن رہتا ہے اور جس قدر بڑا شاعر ہوتا ہے اُسی قدر زبردست جن اُس کے زیر حکم ہوتا ہے۔

بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور ہر طرح کی غیر مہذب نظم میں ازراہ بےشرمی اُسکو مشتہر کرتے تھے اور اُس پر فخر کرتے تھے۔

سب لوگ شراب اور نہایت قوی نشی عرقوں کے پینے سے بدرجہ غایت اُنس رکھتے تھے۔ اور مدہوشی کی حالت میں تمام لوگوں سے خراب اور معیوب باتیں سرزد ہوتی تھیں۔

قماربازی سب لوگوں کا بلا استثنا ایک ہر دل عزیز کھیل تھا اور کوئی خاص مقام قماربازی کا مشہور ہوتا تھا تو لوگ دور دراز مسافت طے کر کے وہاں جوا کھیلنے کو جایا کرتے تھے۔ سود خواری بھی عام طور سے نہایت درجہ مروج تھی۔

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں گانا بجانا اور ناچنا سکھایا جاتا تھا اور وہ حرام کاری کرنے کی مجاز تھیں۔ اس حرام کاری کی آمدنی اُن کے آقا اپنے تصرف میں لاتے تھے۔

رہزنی اور غارت گری اور قتل روزمرہ کی باتیں تھیں۔ انسانوں کا خون بلا خوف و تاسف ہر روز ہوا کرتا تھا۔ لڑائی میں جو عورتیں قید ہوتی تھیں اُن کو فتحمند لونڈیاں بنا لیتے تھے۔

ٹوٹکوں اور شگون لینے میں اُن کا نہایت مضبوط اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت اُن پر نازل ہوتی تھی۔ تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے اور اُن کو دفع مصیبت کی غرض سے پھینکتے تھے۔ جانوروں کے اُڑنے اور بولنے سے نیک اور بدشگون لیا کرتے تھے۔

خون کے انتقام میں دیت لینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون سے نہ لیا جائے تو ایک چھوٹا پردار کیڑا مقتول کے سر میں سے نکل کر آسمان میں چیختا پھرتا ہے اس عجیب کیڑے کو "ہامہ" اور "صدی" کہتے تھے۔

ہر شخص کے مرنے کے بعد دستور تھا کہ اُس کے اونٹ کو اُس کی قبر سے باندھ دیتے تھے یہاں تک

کر بھوک اور پیاس کے مارے وہ مرجاتا تھا اور اُس اونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے۔ کسی کے مرنے پر برس روز تک سوگ کرتے اور اُس کو رویا کرتے تھے۔

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ہمراہ ہوتی تھیں اور ہر طرح اُنکی مدد کرتی تھیں۔ اُن کے شوہر جب لڑائی میں مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں "آگے بڑھو آگے بڑھو اے ہمارے جری بہادر خاوندو۔ اگر تم کوتاہی کروگے اور تم دشمن سے نہ بچاؤگے تو ہم تمہاری بیویاں نہ ہوں گی"۔

قحط اور گرانی کے زمانہ میں اپنے اونٹوں کو مجروح کرکے اُن کا خون پیا کرتے تھے۔ خشک سالی میں مینہ برسانے کا ٹوٹکا اس طرح پر کرتے تھے کہ پہاڑوں میں ایک گائے کو لے جاتے تھے اور اُس کی دم میں سوکھی ہوئی گھاس اور کانٹے اور چھڑیاں باندھ کر اُس میں آگ لگا دیتے تھے اور گائے کو پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تھے۔

باوجودیکہ کوئی شخص اپنے غلاموں کو آزاد کردیتا تھا تو بھی اُس کی ملکیت کا استحقاق اُس کو باقی رہتا تھا اور اُس استحقاق کو فروخت کردینے کا بھی مجاز تھا اور مشتری اور غلاموں پر اپنی ملکیت قایم کرتا تھا اور اس طرح یہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔

عورتیں کسی جانور کا دودھ نہیں دوہتی تھیں اور اگر کسی خاندان کی عورتوں کو دودھ دوہتے دیکھ پاتے تھے تو اُس خاندان کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے اور وہ خاندان لوگوں کی آنکھوں میں دفعتہً حقیر ہوجاتا تھا۔

مجرم کو فوجداری کی سزا میں جلتی ہوئی ریت پر بٹھا دیتے تھے۔ مردہ جانوروں کا گوشت کھاتے تھے اور اُس کو بہت لذیذ غذا سمجھتے تھے۔ جو اونٹنی یا بھیڑ بکری دس دفعہ بچہ جن لیتی تھی اُس کو چھوڑ دیتے تھے اور وہ چھوٹی پھرا کرتی تھی اور جب وہ مرجاتی تھی تو اُس کا گوشت مرد کھاتے تھے اور عورتوں کو اُس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی۔ اگر اونٹنی یا بھیڑ بکری پانچویں دفعہ مادہ بچہ جنتی تھی تو اُس کے کان کاٹ کر اُس کو چھوڑ دیتے تھے اور اُس کو بحیرہ کہتے تھے اور اُس کا گوشت کھانا اور دودھ پینا منع تھا۔ کسی کام کے ہوجانے پر اونٹوں کو بطور سانڈ چھوڑ دینے کی منت مانتے تھے اور جب

وہ کام ہو جاتا تھا تو اونٹ کو بطور سانڈھ کے چھوڑ دیتے تھے وہ جہاں چاہتا پھرا کرتا تھا - اگر کوئی اونٹنی دس بچے اور بکری سات بچے دے چکتی تھی تو عورتوں کو اُس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی اور صرف مرد ہی اُس کا گوشت کھا سکتے تھے - اگر کسی بکری کے مادہ بچہ ہوتا تھا تو مالک اُس کو اپنے لئے رہنے دیتا تھا اور اگر نر پیدا ہوتا تھا تو بتوں پر بطور نذر کے چڑھایا جاتا تھا اور اگر دو بچے ایک نر اور ایک مادہ پیدا ہوتے تھے تو مالک دونوں کو اپنے لئے رکھتا تھا اور وہ " وصیلہ " کہلاتے تھے - جو اونٹ دس بچوں کا باپ ہو چکتا تھا وہ چھوڑ دیا جاتا تھا اور جہاں وہ چاہتا تھا پھرا کرتا تھا اور وہ بنام " حامی " موسوم ہوتا تھا ۔

قسم لینے کا نہایت سنجیدہ قاعدہ یہ تھا کہ آگ جلا کر اُس میں نمک اور گندھک پیس کر ڈالتے تھے یہ آگ " ہولہ " کہلاتی تھی اور اُس کے جلانے والا " مہول " کہلاتا - قسم کے مستحکم کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے چابک کمان اور جوتی رکھ دیتے تھے اور اِس طرح کرنے سے قسم پختہ ہو جاتی تھی - اقرار اور وعدہ کے مستحکم کرنے کو اپنے بزرگوں اور بتوں کی قسم کھاتے تھے ۔

ہر شخص گو وہ اجنبی ہو دوسرے شخص کے گھر میں بلا طلب اجازت چلے آنے کا مجاز تھا - کسی رشتہ دار کے گھر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا ۔

خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی بعضوں پر کام کرنے کے حکم دینے کی اور بعضوں پر اُس کام سے منع کرنے کی علامت تھی ہر شخص پیشتر اُس سے کہ کوئی کام کرے اُن تیروں سے استخارہ کرتا تھا اور اُسی کے بموجب کام کرتا تھا - اُن تیروں کو " ازلام " کہتے تھے ۔

تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا مختلف قبائل کے مختلف بت تھے جن کے نام اور شکلیں جدا جدا تھیں - مثلاً ھبل ایک بہت بڑا بت آدمی کی شکل کا جو شام سے لایا گیا تھا اور مینہ برسانے والا یقین کیا جاتا تھا خانہ کعبہ کے اوپر رکھا ہوا تھا - وہ قبیلہ بنی کلب کا بت تھا - سواع جو عورت کی شکل کا بت قبیلہ بنی مذحج کا تھا - یغوث قبیلہ بنی مراد کا شیر کی شکل کا بت تھا علیٰ ہذا القیاس

یعوق - نسر - عزیٰ - لات - منات - ود اور نوجوان عورتوں کا بت جو اس کا طواف کرتی تھیں ، اساف نائلہ - عبعب - مختلف بت تھے - کعبہ میں حضرت ابراہیمؑ کی مورت بنی ہوئی تھی جس کے ہاتھ میں استخارہ کے تیر تھے - حضرت مریمؑ کی بھی ایک مورت تھی جس کی گود میں حضرت عیسیٰؑ تھے - ان بت پرست باشندوں کے درمیان ایک فرقہ "صابئی" مذہب کا تھا جو ثوابت اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا +

عورتیں نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں - مردوں کو جس قدر چاہیں عورتیں کر لینے کا اختیار تھا - طلاق دے کر پھر عورت کو اپنی زوجیت میں لے آنے کا اختیار تھا - سب سے خراب رسم لڑکیوں کو بے رحمی سے مار ڈالنا یا اُن کو زندہ دفن کر دینے کی تھی - لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے مگر باپ اپنے بیٹے یا متبنیٰ کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا - شوہر کے مرنے کے بعد اُس کا سوتیلا بیٹا اگر وہ نہ ہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا اور وہ شخص جو اس طرح چادر ڈالتا تھا اُس سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا +

عورتیں بے حجاب عام مجمعوں میں آتی تھیں اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی حیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں - عورتیں مصنوعی بال سر پر لگا کرتی تھیں اور اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تھیں +

دیوؤں اور خبیث ارواحوں - خیالی اور وہمی اور فرضی صورتوں اور نیک و بد جنّات کو مانتے تھے اور اُن کی مختلف شکلیں مقرر کر رکھی تھیں † +

غرض جاہلیت کے یہ خیالات یہ عادات اور اطوار اور عقائد اور رسوم تھے جن میں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی ابتدائی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ بسر کیا تھا انہیں حالات کو ہماری زبان کے یگانہ شاعر نے سب سے مؤثر الفاظ میں یوں بیان کیا ہے :-

† یہ حالات خطبات احمدیہ مصنفہ سر سید احمد خان صاحب اور بعض دوسری معتبر کتابوں سے لکھے گئے ہیں - مولف

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا
کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا
بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیلؑ ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے ابلیگا چشمہ ہدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نامِ حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلہ قبیلہ کا بت اک جدا تھا
کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پہ فدا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صدہا قبیلہ بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی
صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی

قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی — تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک انکی جہالت کا تھا وہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا — کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے کا جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا — کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یوں ہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جا کر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جُوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی — شراب اُن کی گھُٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی — غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی

بہت اِس طرح اُن کو گذری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت — بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا — دعائے خلیل اور نوید مسیحا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دِل میں سب کے لگا دی — اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے — کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

# دوسرا باب

## اسلام کی ابتدائی حالت۔ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا۔ ہجرت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے پہلے تین برسوں میں عرب سے بت پرستی چھوڑانے کی کوششیں پوشیدہ طور پر کیں۔ مگر آخر کار آپ نے علانیہ تلقین کرنا شروع کیا اور بت پرستی کی مذمت کرنی شروع کی۔ قریش اور قبائل عرب اس سے آگ کی طرح غصہ سے بھڑک اٹھے اور آنحضرتؐ کو اس سے روکنے اور باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ایک نہ ماننے کے لائق بات کو آنحضرتؐ نے نہ مانا تو قریش نے آنحضرت کو کعبہ سے جہاں آپ موعظت فرمایا کرتے تھے نکال دیا[†]۔ آنحضرتؐ جسقدر اعلاء کلمۃ الحق اور بتوں کے عیوب کے اظہار میں اصرار فرماتے تھے اُسی قدر قریش آپ سے زیادہ دشمنی اور مخالفت کرنے پر آمادہ ہوتے جاتے تھے۔ اُن کے اس بڑھتے ہوئے طیش اور غصہ نے آخر کار آنحضرت صلعم اور اُن مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو اسلام لائے تھے ایذا پہونچانے کا ایک سلسلہ قائم کر دیا آنحضرت کی نسبت مُنہ در مُنہ دشنام دہی کرنا اور تذلیل کرنا یہ تو ایک عام بات تھی جو روزمرہ ہوتی تھی مُعززین قریش کمینہ لوگوں کو اور اپنے غلاموں کو اشارہ کرتے تھے اور وہ اس طرح سے آنحضرتؐ کو ایذا پہونچاتے تھے۔ ایک دفعہ اسی طرح اُن کمینہ لوگوں اور قریش کے غلاموں نے آنحضرت صلعم کو گھیر لیا اور گالیاں دیں اور سخت و سُست الفاظ کہہ کر غُل مچانی شروع کی۔ بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور ایسی ہلچل ہوئی کہ آنحضرت صلعم کو ایک احاطہ میں پناہ لینی پڑی[††]۔ ابولہب ہمیشہ آنحضرت صلعم کے دروازے پر نجاست اور نجس اور بدبودار چیزیں ڈلوا دیتا تھا[‡]۔ ام جمیل ابولہب کی بیوی (حمالۃ الحطب) اُس رستہ پر

---

† سپرٹ آف اسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی ‡‡ از ابن ہشام۔ تفسیر القرآن جلد چہارم مصنفہ سر سید احمد خان۔

‡ از تاریخ ابن الاثیر جلد ۲۔ تفسیر القرآن جلد چہارم۔

جہاں سے آنحضرت صلعم کی آمد و رفت ہوتی تھی اور جہاں آپ عبادت اور مراقبہ کرنے کو تشریف لے جاتے تھے کانٹے بچھا دیتی تھی[1]۔ راہ چلنے کی حالت میں آنحضرت صلعم کے سر مبارک پر لوگ مٹی کوڑا کرکٹ ڈال دیتے تھے[2]۔ قریش نے باہم پختہ عہد کر لیا تھا کہ کوئی شخص آنحضرت صلعم کے پاس نہ جائے اُن کے پاس نہ بیٹھے اور اُن کی بات نہ سنے۔ ایک دفعہ عقبہ جاکر آنحضرت کے پاس بیٹھا اور کچھ کلام سُنا اس کی خبر اُبی کو پہونچی جو اُس کا بڑا دوست تھا وہ اُس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو آنحضرت کے پاس جاکر بیٹھا تھا اور اُن کی باتیں سنی تھیں تیری صورت مجھ کو دیکھنی اور تجھ سے بات کرنی حرام ہے اور میں اپنی قسم کو اور زیادہ سخت کروں گا اگر تو اب گیا اور اُن کے پاس بیٹھا۔ کیا تجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ اُن کے مُنہ پر تھوک دیتا چنانچہ اُس خدا کے دشمن نے ایسا ہی کیا[3]۔ آنحضرت صلعم جہاں جاتے تھے وہاں وہ بھی پہونچتے تھے اور جب آپ اور آپ کے اصحاب نماز میں مصروف ہوتے تھے اُس وقت پتھر مارتے تھے اور جب آپ کھانا کھاتے تھے اُسوقت غلاظت پھینکتے تھے اور کعبہ کے قریب آپ کو نماز پڑھنے نہیں دیتے تھے[4]۔

جو لوگ مسلمان ہوگئے تھے اُن پر بھی نہایت ظلم ہوتا تھا اور سخت ایذا پہونچائی جاتی تھی جہاں بیکس مسلمانوں کو دیکھتے تھے پکڑ لیتے تھے قید کرتے تھے مارتے تھے بھوکا پیاسا رکھتے تھے جلتی ریت میں ڈالتے تھے آگ سے جلا کر ایذا پہونچاتے تھے[5]۔ حضرت بلال کو عین دوپہر میں سورج کی تپش کے وقت امیہ بن خلف کبھی مُنہ کے بل اور کبھی پیٹ کے بل جلتی ریت پر ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تیرے ساتھ اسی طرح کئے جاؤں گا جبتک کہ تو مر جائے یا محمد صلعم کے ساتھ کفر کرے[6]۔ ایک دفعہ اُنھوں نے عمار بن یاسر کو اور اس کے باپ اور ماں کو جو مسلمان ہوگئے تھے پکڑ لیا اور دھوپ میں جلتی ریت پر ڈال دیا اتفاقاً آنحضرت صلعم اُس طرف سے گذرے اور اُن سے کہا کہ اے یاسر کے

---

[1] از ابن ہشام تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی صفحہ ۴۴ و تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۵ [2] از ابن ہشام تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۵ [3] از ابن ہشام صفحہ ۲۳۴ و تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۷ [4] تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام صفحہ ۴۵ [5] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ - از تاریخ ابن اثیر [6] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ - از تاریخ ابن اثیر۔

خاندان کے لوگو صبر کرو تمہاری جگہ جنت میں ہے۔ حضرت یاسر اسی سختی میں مر گئے اور ان کی بیوی سمیہ کو ابوجہل نے اُس مظلومہ کی شرمگاہ میں ہتھیار مار کر مار ڈالا اور اُس کے بعد حضرت عمار کو سخت ایذا پہونچائی کبھی دھوپ میں ڈالتا تھا کبھی آگ سے گرم کیا ہوا پتھر اُن کے سینہ پر رکھواتا تھا کبھی اُن کو پانی میں ڈال کر ڈبواتا تھا آخر کار اُن سے کہا کہ ہم تجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ تو محمد کو دشنام نہ دے اور لات کی تعریف نہ کرے[۱ و ۲]۔ خباب ابن ارت کو کافروں نے پکڑ لیا اور نہایت سخت ایذا پہونچائی اُس کو ننگا کر کے مُنہ کے بل گرم جلتی ریت پر لٹاتے تھے اور پھر پتھر کے ٹکڑوں کو آگ سے گرم کر کے اُس پر لٹاتے تھے اور اُس کا سر مروڑ کے اُلٹا پھیر دیتے تھے[۲]۔ فکیہ کو امیہ بن خلف نے ایذائیں پہونچا پہونچا کر آخر گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ زنیرہ مسلمان عورت کو ابوجہل نے اندھا کر دیا۔ غرض تمام مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب اور طرح طرح کی ایذائیں پہونچائی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ ایذا رسانی کا جاری تھا۔ پس جو حال کہ ابتدا میں اسلام کا تھا اور جس مصیبت میں مسلمان گرفتار تھے وہ اس قسم کے واقعات سے ظاہر ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے مسلمان مورخوں نے حضرت عمر کے ایام جاہلیت کے حالات کو صرف چھوڑ ہی نہیں دیا بلکہ غیر ضروری رعایت اُن سے کرنا چاہی ہے۔ اس قسم کی روایتیں موجود ہیں کہ حضرت عمر نے اسلام لانے سے پہلے کبھی مسلمانوں کو یا آنحضرت[۳] کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہونچائی[۴] مگر ابن اثیر کی ایک روایت سے صحیح حال معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک دن حضرت عمر نے اپنے مسلمان ہونے سے پہلے لبینہ ایک مسلمان عورت کو پکڑ لیا اور اُس کو ایذا پہونچائی اور مارنا شروع کیا۔ جب تھک جاتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے تجھے چھوڑا نہیں ہے میں تھک گیا ہوں اس لئے ٹھہر گیا ہوں اُس نے جواب دیا کہ اسی طرح خدا تیرے ساتھ بھی کرے گا اگر تو مسلمان نہوا[۵]۔ یہی مخالفت حضرت عمر کی اپنی بہن فاطمہ کے اسلام لانے کی خبر سُنکر اور طیش کھا کر اُس کے گھر جانے اور اُن کو

[۱ و ۲] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ - از تاریخ ابن اثیر۔ [۳] مدارج النبوۃ از مواہب لدنیہ۔ [۴] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۸۔ [۵] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۔

مارنے کے مشہور واقعہ سے ظاہر ہے۔ ہوشمند مورخین کو بھی اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضرت عمر اسلام لانے سے پہلے " مسلمانوں کو ایذا اور عذاب پہونچانے میں متہم اور مشہور تھے اسلام کے وہ سخت مخالف اور پیغمبر کے غایت درجہ دشمن اور رقیب[+] تھے " انگریزی مورخین سب اس قول پر متفق ہیں کہ حضرت عمر پہلے اس نئے دین کے نہایت مخالف اور دشمن تھے[++]۔ اور اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کے ساتھ سختی اور تشدد کرنے میں بدنام تھے[#] ؂

غرض جیسا کہ حضرت عمر کی سخت اور درشت طبیعت سے جبکہ وہ لوگ اپنی دلیری اور شجاعت اور تہور اور ہٹ اور لڑاکا پن ثابت کرنے کے واسطے اسی قسم کے موقعوں کے متلاشی رہتے تھے توقع کرنی چاہئے۔ وہ جاہلیت میں اسلام کے بے طرح مخالف تھے۔ بعض روایات میں خود حضرت عمر کا یہ قول بھی ملا ہے کہ میں رسول اللہ کے زمانہ میں اُن پر اشد الناس تھا[#]۔ حضرت عمر جس طرح کہ عزت اور وجاہت اور رعب میں ابو جہل سے کم نہ تھے اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں سے سختی کرنے میں بھی اُس سے کم نہ تھے۔ کیوں کہ جناب رسول اللہؐ دونوں میں سے ایک کے مسلمان ہو جانے کی دعا خدا سے کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے خدا سے دعا مانگی کہ خدایا عمر ابن ہشام (ابو جہل) یا عمر ابن الخطاب سے اسلام کو عزت (یا مدد) دے۔ حضرت عائشہ اور ابن عمر کی روایت میں آنحضرت کا صرف حضرت عمرؓ کے لئے دعا مانگنا بیان ہوا ہے۔ جس سے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ آنحضرت کو حضرت عمر کی طبیعت سے ہدایت قبول کرنے کی زیادہ توقع تھی۔ حضرت عمر کی بہن اور بہنوئی پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور اُن کے بھائی اور ابو البکیر کے چار بیٹے جو خطاب کے خاندان سے رشتہ میں ملتے تھے سب سے اول اسلام لانے والوں میں تھے ؂

حضرت عمر کے اسلام لانے کی نسبت جو روایتیں ہیں گو وہ جزیات تک صحیح نہوں مگر ہر ایک سے

+ سپرٹ اوف اسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی صفحہ ۱۱۲ ++ کتاب اسلام مصنفہ سٹابرٹ صفحہ ۸۳ - # لیف اوف محمد مصنفہ سر ولیم میور # تاریخ الخلفا سیوطی صفحہ ۷۶ ؂

بجاے خود حضرت عمر کا اسلام کا مخالف اور معاند ہونا ثابت ہے۔ اس باب میں مختلف روایتیں ہیں اور اگرچہ اُن میں سے صرف وہی ایک روایت جو مشہور اور مسلم ہے قابل اعتبار ہو اور دوسری روایتوں کو حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کی نسبت صحیح نہ سمجھا جاے لیکن اُن میں جو واقعات بیان ہوے ہیں اغلب ہے کہ وہ صحیح ہوں اور حضرت عمر کی طبیعت پر اثر ڈالنے اور قبول اسلام کے واسطے تیار کرنے کا باعث ہوئی ہیں۔ خود حضرت عمر سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ میں رسول اللہ کو مسجد جانے سے روکنے کے واسطے نکلا مگر وہ پیش دستی کر کے مجھ سے پہلے مسجد میں پہونچ گئے میں اُنکے پیچھے کھڑا ہو گیا اُنہوں نے سورۂ الحاقہ شروع کر دی میں تالیف قرآن سے تعجب کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ کی قسم جیسا قریش کہتے ہیں یہ شاعر ہے تب اُنہوں نے یہ آیت "انہ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تومنون" پڑھی اس سے میرے دل میں اسلام نے گھر کر لیا+۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر کے اسلام لانے کی ابتدا یہ تھی کہ ایک رات وہ اپنی بہن مخاص کو مار کر گھر سے نکلکر کعبہ میں چلے گئے وہاں حضرت صلعم کو دیکھا کہ ایک چادر اوڑھے ہوے آئے اور حجر اسود کے پاس گئے اور کچھ عرصہ تک نماز میں مشغول رہکر وہاں سے لوٹ جانے لگے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ جو کچھ اُس وقت میں نے اُن سے سنا اُس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ جناب رسول اللہ جب باہر نکلے تو میں اُن کے پیچھے ہو لیا۔ آنحضرت نے کہا کہ کون ہے میں نے کہا کہ عمر۔ تو فرمانے لگے کہ اے عمر تو مجھے نہ دن کو چھوڑتا ہے نہ رات کو۔ میں ڈر گیا کہ مجھے بد دعا نہ دیں اور کلمۂ شہادت پڑھا++۔

بخاری کی ایک اور روایت سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عمر کی طبیعت پر اسلام لانے سے پہلے کچھ نہ کچھ اثر اسلام کی طرف سے موجود تھا۔ حضرت عمر خود ایک واقعہ اپنے خواب کا بیان کرتے ہیں کہ قبل نبوت ایک دن میں حطیم (یا ہیتم) کے پاس سوتا تھا۔ دیکھتا ہوں (خواب میں) کہ ایک شخص ایک بچھڑا لایا اور اُس کو ذبح کیا۔ اور پھر کسی نے چیخ کر ایسی سخت آواز سے کہ پہلے میں نے کبھی نہیں سُنی تھی جلیح کا نام لے کر کہا کہ اے جلیح یہ شخص جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے نیک مرد اور خوش کلام ہے

+ تاریخ الخلفا سیوطی۔ ++ تاریخ الخلفا سیوطی۔

لوگ اُدھر جھپٹے۔ میں نے کہا کہ جب تک اس کا حال معلوم نہ ہو پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ دوبارہ اُس نے اسی طرح آواز دی پھر میں بیدار ہو گیا۔ اس کے بعد بہت مدت نہ گذری تھی کہ آنحضرت نبی مشہور ہو گئے[1] گو اس کی کچھ اصلیت ہو کہ حضرت عمر اسلام لانے سے پہلے صداقت اسلام کی نسبت کوئی خفیہ اور غیر محسوس اثر دل میں رکھتے تھے مگر ایسا اثر اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اور توہین و تذلیل کرنے سے روک نہیں سکتا تھا کیونکہ اپنے آبائی دین کی غیرت اور حمیت کی صورت میں اور قوم اور جماعت کے دباؤ اور اپنے قبیلے کے مذہب کے ساتھ فخریہ چسپیدگی اور دلبستگی سے جو جوش پیدا ہوتے تھے اُن کا مقابلہ کوئی ایسا پوشیدہ خیال نہیں کر سکتا تھا۔

قریش کا غضب و غصہ جس قدر اپنی نہایت اور انتہا کو پہونچتا جاتا تھا اسی قدر حضرت عمر کے اسلام لانے کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ ابوجہل حضرت حمزہ سے زک اُٹھا کر اور بھی بھڑک گیا تھا اور اُسکی آخری تدبیر جس میں وہ رات دن غلطاں و پیچاں رہتا تھا سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ آنحضرت صلعم کی توہین سے اپنے غضب کی آگ کو بجھانے کے درپے تھا۔ چنانچہ ابوجہل نے ایک دن معززین قریش کی جماعت میں علانیہ اعلان کیا کہ جو کوئی آنحضرت صلعم کو قتل کرے اور اُن کا سر میرے پاس لائے اُس کو سو اونٹ اور چالیس ہزار درہم اور ایک دوسرے قول کے مطابق ہزار اونٹ اور بہت سے دینار و درہم دوں گا۔ حضرت عمر نے اس کام کو غنیمت کہا کر اپنے ذمہ لیا اور تلوار گلے میں حمائل کئے ہوئے گھر سے نکلے[2] بعض روایات میں صرف اسی قدر ہے کہ حضرت عمر گھر سے نکلے اور ایک مسلمان شخص بنی زہرہ سے (نعیم بن عبداللہ) راستہ میں ملا اور اُن سے پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں حضرت عمر نے جواب دیا کہ محمد صلعم کو قتل کرنے۔ اُس نے کہا کہ بنی ہاشم اور بنی زہرہ کے انتقام کا تم کو خوف نہیں ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ معلوم

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء [2] اکثر مورخوں نے روایت کے اس حصہ کو شاید ضعیف سمجھ کر چھوڑ دیا ہے اور بعض نے بیان کیا ہے مگر مولوی سید امیر علی صاحب نے سپرٹ آف اسلام میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے ایک انگریز مصنف (رابرٹ) مصنف کتاب اسلام صفحہ ۴۲ حضرت عمر کا حضرت حمزہ سے ابوجہل کا بدلہ لینے کے واسطے روانہ ہونا لکھتا ہے۔ اسی طرح کا کثیر اختلاف موجود ہے اور جس حالت میں ہمارے پاس تنقیح روایات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اگر کل نہیں تو بعض روایات کا بیان کرنا لازم اور ضروری ہے۔ مولف۔

ہوتا ہے تو بھی صابی ہوگیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ پہلے تم اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو کہ وہ بھی صابی ہوگئے ہیں اور تیرا دین چھوڑ دیا ہے[1]۔ ایک اور روایت حضرت عمر ہی سے ہے کہ ایک دن میں گھر سے نکلا تو ایک مخزومی مجھے راستہ میں ملا میں نے اُس سے کہا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین سے برگشتہ ہوکر دین محمد کا پیرو بنا ہے۔ اُس نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہے تو جن پر تیرا زیادہ حق ہے اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے یعنی تیری بہن اور بہنوئی مسلمان ہوگئے ہیں ؂

اسی قسم کی ایک اور روایت ہے کہ ایک دن دوپہر کو میں کہیں راستہ پر چلا جارہا تھا۔ تو ایک شخص نے مجھے ٹوکا اور کہا کہ اے عمر بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو فخر کرتا ہے کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں اور تیری بہن مسلمان ہوگئی ہے ؂

بعض روایات میں صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر نے اپنی بہن فاطمہ اور اُس کے خاوند سعید بن زید کے مسلمان ہوجانے کی خبر سنی[2] اور غصہ کھا کر اُس کے گھر گئے۔ اور بعض نے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمر ایک دن اپنی بہن کے گھر کی طرف آئے[3]۔ دروازہ بند پایا اور قرآن مجید کے پڑھنے کی آواز سنی۔ دروازہ کھلوایا اور کہا لاؤ جو کچھ تم پڑھتے تھے اُنہوں نے انکار کیا (بعض روایتوں میں ایک صحابی حضرت خباب کا موجود ہونا اور ڈر سے چھپ جانا لکھا ہے) حضرت عمر نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اس قدر مارا کہ خون بہنے لگا۔ آخر اُن کی بہن نے کہا کہ جو کچھ تیرے دل میں آئے تو کر ہم تو مسلمان ہوچکے ہیں اور دین محمد اختیار کرچکے ہیں۔ حضرت عمر کا دل بھی اُن دیکھ کر پسیجا اور سورۃ طٰہٰ اُن سے لیکر پڑھی یا ان سے سنی ایک روایت میں آیت سبح للہ ما فی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم الخ پڑھی مگر معتبر یہی ہے کہ حضرت عمر نے سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت اُن سے سُنی ؂

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ طٰہٰ۔ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ تنزیلا ممن خلق الارض والسمٰوات العلیٰ الرحمٰن علی العرش استویٰ لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض وما بینہما

[1] تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ۔ [2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا۔ مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت میں حضرت عمرؓ کے بہنوئی کا نام سعد بن زید بن عمرو بن نفیل لکھا ہے اور طبری فارسی نسخہ میں حضرت عمر کی اس بہن کا نام حفصہ اور بہنوئی کا نام طلحہ لکھا ہے مگر فاطمہ اور سعید ہی درست نام ہیں۔ [3] طبری فارسی نسخہ۔

وما تحت الثریٰ وان تجہر بالقول فانہ یعلم السر واخفی اللہ لا الٰہ الا ہو لہ الاسماء الحسنیٰ اس آیت کا سننا تھا کہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت پر غش ہوکر حضرت عمر کے دل کو یقین ہوگیا کہ بیشک سچا کلام خدا کا ہے اور اس پر ایمان لے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں حاضر ہونے کا قصد کیا تاکہ مشرف باسلام ہوں اور اس فیض رحمت آلٰہی سے بہرہ یاب ہونے کا اقرار کریں۔ آنحضرت اس وقت ارقم کے گھر میں جو مکہ کے اسفل میں تھا تشریف رکھتے تھے+ اور قریش کی شر سے محفوظ رہنے کے واسطے چند روز سے وہیں تھے۔ حضرت عمر نے وہاں پہونچکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اصحاب رسول اللہ میں جو اس وقت وہاں موجود تھے اور حضرت عمر کے اس ارادے سے واقف تھے تہلکہ پڑگیا مگر حضرت حمزہ نے جو خود بھی دلیری اور شجاعت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اُٹھکر دروازہ کھولا۔ حضرت عمر کا ارادہ معلوم ہونے پر اصحاب رسول اللہ بے انتہا مسرور ہوئے اور صدا سے تکبیر بلند ہوئی۔ آنحضرت نے حضرت عمر کو گلے سے لگایا اور آغوش رحمت میں دبایا۔ اور حضرت عمر نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد انک محمد الرسول اللہ پکارکر کہا۔ آنحضرت نے حضرت عمر کے سینہ پر تین دفعہ ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اے خدا ان کے سینہ میں جو آلودگی ہے اُسکو اسلام سے بدل دے++۔ اسی اثنا میں جب نماز کا وقت ہوا اور آنحضرت نماز کے واسطے اُٹھے تو حضرت عمر نے کہا کہ یا حضرت بتوں کی عبادت تو کفار خانہ کعبہ میں جو خانہ خدا ہے علانیہ کریں اور آپ خدا کی عبادت چھپ کر۔ یہ گوارا نہیں ہے۔ خانہ کعبہ کو چلئے اور وہاں آشکارا نماز ادا کیجئے۔ پس آنحضرت صلعم اصحاب کرام کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف عازم ہوئے۔ کفار حضرت عمر کو خلاف توقع اس حال میں دیکھ کر حیران ہوئے حضرت عمر نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور لڑ جھگڑ کر کفار کو خانہ کعبہ کی نواحی سے دور کیا۔ آنحضرت صلعم نے مع اصحاب کے کعبہ کا طواف کیا اور ظاہرا خدا کی عبادت کی+++۔ اُس وقت یہ آیہ کریمہ یا ایہا النبی حسبک اللہ

+ طبری فارسی نسخہ میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت اُسوقت حضرت خدیجہ کے گھر میں تھے اور حضرت عمر اپنی بہن کے ساتھ وہاں گئے اور بعض روایات کے بموجب خباب صحابی کو ساتھ لیکر ارقم کے گھر گئے۔ بہرحال ارقم کے گھر میں حضرت عمر کا جانا اور پیغمبر صلعم کا وہاں ہونا معتبر ہے۔ مولف ++ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا +++ مناہج النبوۃ۔ روضۃ الاحباب طبری فارسی نسخہ۔ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا۔ تاریخ الخلفا سیوطی۔

ومن اتبعک من المؤمنین نازل ہوئی ۔

حضرت عمر چھٹے سال نبوت کے ماہ ذالحج میں جبکہ اُن کی عمر چھبیس (اور ایک روایت میں ستائیس) برس کی تھی چالیس مرد اور گیارہ یا پندرہ عورتوں کے بعد اور حضرت حمزہ عم رسول اللہ کے مسلمان ہونے سے تین دن بعد اسلام لائے ۔

ہمارے ایک مشہور اور فاضل عالم[1] حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کو مختصر عبارت میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ " اس وقت میں نئے دین کو ایک قیمتی معاون حضرت عمر کی ذات میں حاصل ہوا جن کی دانشمندی اور قابلیت نے اُن کو اسلام کی آیندہ جمہوری سلطنت کا ایک عضو اور جزو ضروری بنا دیا ۔ دین محمدی کی جو خدمات وہ بجا لائے ہیں اُنہوں نے اُن کے نام کو تاریخ کے صفحوں پر کندہ کر دیا ہے وہ عدی بن کعب کے خاندان کے معزز اور ممتاز ممبر اور خطاب کے بیٹے اور اس سے پہلے اسلام کے سخت مخالف اور پیغمبر صلعم کی معاندت کے سبب سے مشہور تھے اُن کا اسلام لانا قرآن مجید کی ایک سورہ کے اُن کے دل پر جادو کا سا اثر پیدا کرنے کا نتیجہ بیان ہوا ہے جو اُنہوں نے اپنی بہن کے گھر میں سُنا جہاں وہ غضب اور طیش میں آ کر قتل کرنے کے ارادے سے گئے تھے ۔ اُن الفاظ سے متاثر ہو کر جو اُنہوں نے سُنے ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے جس سے وہ پیغمبر کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے وہ سیدھے پیغمبر صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے جس سے اصحاب رسول اللہ کی جماعت میں ایک تہلکہ برپا ہو گیا ۔ حضرت عمر نے اپنے آقا کے ہاتھ چومے اور سچے دین میں داخل ہونے کی درخواست کی ۔ مسلمانوں نے حضرت عمر کے رحمت الٰہی میں شریک ہونے پر دل سے خداوند کریم کا شکر کیا ۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ اسلام کا ایک رکن ہو گئے ۔ اب اسلام کو گلی کوچوں میں اپنا سر چھپانے اور پوشیدہ رہنے اور چھپ کر خدا کی عبادت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی اور ان نئے اسلام قبول کرنے والوں نے اُن کو علانیہ طور پر عبادت کرنے کی جرأت دلائی ۔ حضرت عمر کے اسلام لانے کی خبر سُنکر قریش پر بجلی گر گئی اور معاملہ کے نازک ہو جانیکو جان گئے ۔

[1] مولوی سید امیر علی صاحب رضوی مصنف کتاب سپرٹ آوف اسلام و سیرۃ محمدی صفحہ ۱۱۲ -

سر ولیم میور حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ[۱] "حضرت عمر نے چھٹے سال نبوت کے اختتام پر اسلام قبول کیا - اُن کی بہن فاطمہ اور اُس کا خاوند سعید بن زید پہلے اسلام لا چکے تھے مگر قریش کے خوف سے اپنے دین کو ظاہر نہیں کرتے تھے ایکدن جب حضرت عمر بغض مسلمانوں کو دھمکا رہے تھے ایک دوست نے اُن سے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو اور اُن کی بہن اور بہنوئی کے نیا دین قبول کرنے کی طرف اشارہ کیا - اس سے اُن کا غصہ بھڑک اُٹھا اور فوراً اپنی بہن کے گھر کو روانہ ہوئے وہ اُس وقت خباب سے قرآن کی بیسویں سورۃ سن رہی تھی جو ایک تحریری نسخہ سے پڑھ رہا تھا - یہ مخالف (حضرت عمر) نزدیک ہوئے اور پڑھنے کی نیچی آواز کو سُنا - اُن کے پاؤں کی آہٹ پاکر خباب ایک کوٹھڑی میں چھپ گئے - حضرت عمر نے داخل ہوتے ہی غصہ سے کہا کہ یہ کیا آواز تھی جو میں نے سُنی ہے - اُنہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں - حضرت عمر نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں میں نے سُن لیا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے دین سے برگشتہ ہو گئے ہو اس پر اُن کے بہنوئی نے کہا کہ کیا تمہارے دین کے سوا کسی دوسرے دین میں سچائی نہیں ہو سکتی؟ - اس سوال سے حضرت عمر کا شبہ مبدل بہ یقین ہو گیا اور غصہ کھا کر سعید پر جھپٹے اور اُس کو لاتوں سے مارا - اُن کی بہن چھوڑانے کے واسطے دوڑیں - اسی کشاکش میں اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا اور جوش میں آکر اُس نے کہدیا کہ بیشک ہم نے دین اسلام قبول کیا ہے اور خدائے واحد اور اُس کے نبی پر ایمان لائے ہیں - جو تیرے دل میں آئے تو ہمارے ساتھ کر لے - حضرت عمر نے جب اُس کا چہرہ خون سے بھرا ہوا دیکھا اُن کا دل نرم ہو گیا اور کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے وہ مجھے دکھاؤ مگر اُن کی بہن نے کہا کہ لایمسہ الا المطہرون جب تک تم پاک نہ ہو گے تم اُسے نہیں دیکھ سکتے - حضرت عمر اُٹھے اور غسل کیا اور کاغذ لے کر پڑھنے لگے (کیونکہ وہ پڑھ سکتے تھے) جب تھوڑا سا پڑھ لیا تو کہنے لگے کہ یہ کلام کیا عمدہ اور بزرگ ہے - یہ سُنکر خباب بھی اندر سے نکل آئے اور کہنے لگے کہ اے عمر مجھے یقین ہے کہ خدا نے اپنے نبی کی دعا قبول فرما کر تجھے اپنے واسطے منتخب کر لیا ہے کل ہی آنحضرت نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ "خدایا اسلام

[۱] لیف اوف محمد مصنفہ سر ولیم میور صفحہ ۹۵ -

ابوجہل سے یا عمرؓ سے مضبوط کر۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے آنحضرت کے پاس لے چلو کہ میں اپنے قبول اسلام کا اُن پر اظہار کروں۔ اُن کو ارقمؓ کے گھر میں لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت حمزہؓ اور دوسرے اصحاب نے دروازے کے شگاف سے دیکھا کہ عمرؓ ہیں اور چونک کر پیچھے ہٹ گئے لیکن آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اُسے اندر آنے دو اور خود آگے بڑھ کر اُس سے ملے اور اُس کے دامن اور تلوار کی پیٹی کو پکڑ کر فرمانے لگے کہ تو مسلمانوں کے ستانے سے کب باز آوے گا جب خدا تجھ پر غضب نازل کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں کلمہ "اشہد انک رسول اللہ" کہا۔ آنحضرت نہایت خوش ہوئے اور باآواز بلند "اللہ اکبر" زبان مبارک سے فرمایا[۵۱]۔

ایک انگریز مصنف لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا آنحضرت کے ہاتھ پر یکایک اسلام لانا ایسا ہی تھا جیسا کہ پال (پولوس رسول) کا حضرت مسیح کے ہاتھ پر۔ ایک شیعہ عالم نے اپنی کتاب حملہ حیدری[۵۲] میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے تمام واقعات کو عمدہ منظوم عبارت میں بیان کیا ہے:-

عمرؓ بعد ازاں از پس چند گاہ — درآمد بدین رسول اِلٰہ
چناں بُد کہ بوجہل ازاں سرزنش — بکیفتے شد عداوت منش
کہ جز قتل پیغمبر ذوالجلال — بنودش دگر ہیچ فکر و خیال
یکے روز گفت با اشقیا — کہ آرد کسے گر سر مصطفےٰ
ہزار اشتر از خود بہ بخشم بہ او — دو گوناں سیہ دیدہ و سرخ مو
ز دیباے مصری و بردِ یمن — دگر سیم و زر بخشمش چند من
عمر چوں شنید آں سخن گفتنش — بجنبید عرقِ طمع در تنش
بہ او گفت سوگند اگر مے خوری — کہ از گفتۂ خویشتن نگذری
من امروز خدمت رسانم بجا — بیارم بہ پیشت سر مصطفےٰ
گرفت از ابوجہل اول قسم — پس انگہ زدہ در رہ کیں قدم

[۵۱] از تھینات مصنفہ آرمینن آمترس صفحہ ۴۔ [۵۲] آیات بینات مصنفہ مولوی سید مہدی علی صاحب

بآں کار چون رفت بیروں عمر — یکے گفت با او نداری خبر
کہ ہمشیرہ ات نیز با جفتِ خویش — گرفت ست دینِ محمدؐ بہ پیش
برآشفت اباحفص زیں گفت وگو — بگفتا بریزم کنوں خونِ او
سوئے خانۂ خواہرِ خویش رفت — چو آمد بہ نزدیک تر پیش رفت
بیامد بہ پیشِ درو ایستاد — صدائے شنید و بآں گوش داد
شنید آں کہ مے خواند مردِ نکو — کلامے کہ نشنیدہ بُد مثلِ او
وزو مے گرفتند یاد آں کلام — ہماں خواہر و جفتِ او بالتمام
عمر زد در و خواہرش باز کرد — چو آمد درون شور آغاز کرد
در افتاد با جفتِ خواہر بہ جنگ — گرفتش ز حلق و بیفشرد تنگ
در آویخت داماد ہم با عمرؓ — گرفتند خصمانہ ہم را بہ بر
بجستند گہ روئے ہم گاہ پشت — لگد گہ زدندے بہم گاہ مشت
ز ہم پوست کندند گہ گاہ مو — گہے ایں بہ زیر آمدے گاہ او
ازو چون عمر بود پُر زور تر — فگندش بزیر و نشست از زبر
گلویش بہ تنگی فشرد آں چناں — کہ نزدیک شد تا شود قبضِ جاں
بیامد دواں خواہرش نوحہ گر — بگفتش چہ خواہی ز ما اے عمرؓ
اگر شاد گردی ز ما ور ملول — نمودیم دینِ محمدؐ قبول
کنوں گر کشی سر بداریم پیش — ولے بر نگردیم از دینِ خویش
چو بشنید ازو ایں حکایت عمر — بدانست کو بر نگردد دگر
بگفتش چہ دیدی تو از مصطفیٰ — کہ گشتی بدینش چنیں مبتلا
بگفتا کلامِ خدائے جلیل — کہ آرد بہ او حضرتِ جبرئیل
شنیدم دگر دید بر ما یقین — کہ ہست ایں کلامِ جہاں آفرین

عمر گفت ازاں قول معجز اساس — اگر یاد داری بخواں بے ہراس
برو خواہرش آیۂ چند خواند — عمر گوش چوں کرد حیراں بماند
دلش زاں شنیدن بسے نرم شد — بہ سودائے اسلام سرگرم شد
عمر گفت دیگر بخواں زیں کلام — بہ گفتا دگر نیست زیں مے بجام
ولے ہست اُستاد ما در نہفت — کہ گردید پنہاں چو نامت شنفت
قسم گر خوری کو نیابد زیاں — بیاریم پیشت کہ خواند ازاں
چو بگرفت سوگند ازو خواہرش — بیاورد اُستاد خود را برش
بُد از اہل اسلام نامش خباب — بیاید بہ نزدِ عمر بے حجاب
برو خواند آیاتِ پروردگار — ابا حفص اسلام کرد اختیار
چو آیات معجز بیاں را شنید — ہمش قولِ کاہن بخاطر رسید
باسلام شد رغبتش بیشتر — کہ آں ہم شود راست چوں ایں خبر
وزاں پس بگشتند باہم رواں — بہ نزدِ خدائے رسولِ جہاں
بدولت سرائے پیمبر شدند — چو در بستہ بُد حلقہ بر در زدند
یکے آمد و دید از پشتِ در — کہ استادہ با تیغ بر در عمر
بہ نزدِ نبی رفت و احوال گفت — بماندند اصحاب اندر شگفت
چنیں گفت پس عم خیر البشر — کہ غم نیست بروے کشائید در
گر از راہِ صدق آمدہ مرحبا — وگر باشد اورا بخاطر دغا
بہ تیغے کہ دارد حمائل عمر — تنش را سبکسار سازم ز سر
چو در باز کردند بر روے او — در آمد عمر با لبِ عذر گو
گرفتش بہ بر سرورِ انبیا — نشاندش بجائے کہ بودش سزا
بگفتند اصحاب ہم تہنیت — وزاں بیش تر یافت دیں تقویت

پس اصحاب دیں را شد ایں مدعا　　کہ از خدمت سرور انبیا
بہ سوے حرم آشکارا روند　　نماز جماعت بجا آورند
رسید ایں سخن چوں بعرض رسولؐ　　ز خیر البشر یافت عزّ قبول
رواں شد بتائید دیان دین　　چو سوے حرم سید المرسلین
بہ پہلو رواں حمزہؓ نامدار　　بہ پیشش علیؓ صاحب ذوالفقار
ہمی رفت در پیش حیدر عمرؓ　　حمائل ہماں تیغ کیں بر کمر
بگرد آمدہ جمع یاراں تمام　　برفتند زینساں بہ بیت الحرام
چو دیدند کفار زاں گونہ حال　　نمودند با ہم بسے قیل وقال
یکے رفت زاں ہا بہ نزد عمرؓ　　بدو گفت ایں چیست اے بدگہر
نہ زانساں تو رفتی کہ باز آمدی　　بہ کیں رفتی و با نیاز آمدی
عمرؓ کرد اسلام خود آشکار　　پس آنگہ بہ او گفت اے نابکار
ہر آں کز شما جنبد از جاے خویش　　بہ بیند سر خویش بر پاے خویش
چو کفار دریافتند از سخن　　کہ در دل چہ دارند آں انجمن
نہادند پا در رہ امتناع　　نمودند با اہل ملت نزاع
چو دیدند آں صحبت اصحاب دین　　ہمہ دست بردند بر تیغ کین
ازاں حال کفار پس پا شدند　　دلیران دیں مسجد آرا شدند
بہ پیش اندر آمد رسول خدا　　نمودند یاراں بہ او اقتدا
نبی گفت تکبیر چون در حرم　　فتادند اصنام بر روے ہم
ز تائید ایزد بہ مسجد نماز　　ادا کرد و آمد سوئے خانہ باز

حضرت عمرؓ کو قوی اور ذی رُعب آدمی تھے اور ایک ایسے بے دھڑک، اور بے خوف طبیعت پائی تھی کہ کسی خوف وخطرے کا خیال اُن کے پاس نہیں آسکتا تھا۔ مگر یہ ناممکن تھا کہ اسلام

لانے کے بعد کفار کی جاہلانہ اور متعصبانہ چھیڑ چھاڑ سے بچے رہتے ایک عام بدانگیختگی اور جوش غضب کے روبرو ایک شخص کی قوت اور رعب کہاں تک ٹھہر سکتے ہیں۔ ضرور ہے کہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کی قلیل جماعت کے شریک حال ہوکر خطرہ اور اندیشہ میں رہیں اور اُن کے ہاتھ سے کم وبیش ایذا اُٹھائیں۔ مگر صبر اور تحمل جو اس جنداکی جماعت کا شیوہ تھا اسی کو اختیار کرنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو جمیل بن معمر الجمحی کے کان میں یہ خبر ڈالی گئی جو خبر کے مشتہر کرنے میں ایک عام اشتہار کا کام دینے میں مشہور تھا۔ حضرت عمرؓ نے خود جمیل کو اپنے اسلام لانے کے سانحہ سے مطلع کیا وہ اس خبر کو سنتے ہی اُٹھ بھاگا۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے ہولئے اور عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں بھی اپنے باپ کے پیچھے ہولیا۔ مسجد کے دروازے پر جہاں قریش کعبہ کے گرد اپنی نشست گاہوں میں بیٹھے ہوئے تھے جا کھڑا ہوا اور بآواز بلند پکار پکار کر کہنے لگا کہ عمرؓ صابی ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے میں نے تو دین اسلام قبول کیا ہے۔ قریش جمع ہوکر آ گئے اور باہم لڑائی شروع ہوگئی۔ دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی حتیٰ کہ حضرت عمرؓ تھک گئے اور قریش کو کہتے تھے کہ خدا کی قسم اگر ہم تین سو مسلمان ہوتے تو مکہ تمہارا ہوتا یا تم کو ہمارے لئے چھوڑ دینا پڑتا۔ اسی تکرار میں تھے کہ قریش کا ایک بوڑھا آدمی (عاص بن وائل) آیا اور قریب کھڑا ہوکر پوچھنے لگا کہ کیا ماجرا ہے۔ قریش نے کہا کہ عمر صابی ہوگیا۔ اس نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے پر ایک امر کو اختیار کیا ہے تم کو اس سے کیا مطلب ہے کیا تم امید رکھتے ہو کہ بنی عدی اپنا آدمی تمہارے حوالہ کر دیں گے اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ قریش علیحدہ ہوگئے۔ ایک دوسری روایت اسی مضمون کی ابن عمرؓ سے بیان کی گئی ہے جو اس گذشتہ واقعہ سے زیادہ قرین صحت وقیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خبر جب مشہور ہوئی۔ تو لوگ اُن کے گھر کے گرد آکر جمع ہوگئے اور غل کرنے لگے کہ عمرؓ صابی ہوگیا۔ میں کوٹھے پر سے کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور یہ ماجرا سن کر کہنے لگا کہ اگر وہ صابی ہوگیا ہے تو کیا ہوا

---

لہ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔

میں اُس کو پناہ دیتا ہوں لوگ یہ سُن کر منتشر ہو گئے - اور وہ مردِ بزرگ عاص بن وائل تھا[1] اس قسم کی اور روایتیں بھی موجود ہیں کہ ابوجہل نے حضرت عمرؓ پر تشدد کئے اور اُن سے لڑائیاں لڑا کیا مگر وہ اُس کے بس میں نہ آسکے اور آخر زبون ہوا - حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ میں ہمیشہ لوگوں سے لڑا کرتا وہ مجھ کو مارتے تھے اور میں اُن کو مارتا تھا - یہاں تک کہ خدا نے اسلام کو قوی کر دیا[1] حضرت عمرؓ کے قریش سے لڑ جھگڑ کر بیت اللہ میں نماز پڑھنے میں کامیاب ہونے کے واقعہ کو اکثر اہل سیر بیان کرتے ہیں ؎

غرض حضرت عمر کے اسلام لانے سے آنحضرت صلعم کی ایک بڑی خواہش پوری ہوئی اور اسلام اور مسلمانوں کو نہایت قوت اور تقویت حاصل ہو گئی اور اس حسن اتفاق سے کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر قریباً ایک ہی وقت میں اسلام لائے یہ قوت اور شوکت دوبالا ہو گئی - قریش اور کفار کی کمریں ٹوٹ گئیں اور دل بیٹھ گئے - حضرت ابن عباس کے اس قول کی صحت کی تصدیق کی جاتی ہے کہ "جب حضرت عمر اسلام لائے تو مشرکین نے کہا کہ آج کے دن ہماری قوم نصفا نصف ہو گئی[2]" - ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ "جب سے حضرت عمرؓ اسلام لائے ہم صاحب عزت ہو گئے" ابن اسحاق کا قول ہے کہ "حضرت عمر جب اسلام لائے اور وہ نہایت قوی اور ایسے بے خوف اور باسیاست اور ذی رُعب شخص تھے کہ کوئی آدمی اُن کی کسی چیز کی طرف اُن کی غیبت میں بھی نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا اور ساتھ ہی حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے جناب رسول اللہ کو بہت سہولیت اور آرام اور اطمینان نصیب ہوا" عبداللہ ابن مسعود کا قول ہے کہ "حضرت عمر خطاب کے اسلام لانے سے پہلے ہم کو یہ یارا نہیں تھا کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھیں جب وہ اسلام لائے قریش کے ساتھ لڑے یہاں تک کہ ہم اُن کے ساتھ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے میں کامیاب ہو سکے" انہیں کا قول ہے کہ حضرت عمر کا اسلام لانا اسلام کی فتح تھی[3] - اس کے بعد مسلمانی ظاہر ہوئی اور آں حضرت صلعم اپنے

---

[1] ازالۃ الخفا - [2] مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت - [3] تاریخ الخلفا سیوطی - [4] یہ سب روایتیں ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا میں بقیہ رواۃ وغیرہ موجود ہیں ؎

اصحاب کے ساتھ آشکارا نماز ادا کرتے تھے اور مشرکان قریش غم و غصہ کھاتے تھے[1] اسلام کو اب گلی کوچوں میں چھپنے اور پوشیدہ رہنے اور خفیہ طور پر خدائے واحد کی عبادت کرنے اور خوف زدہ پھرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔ حضرت عمر کے اسلام قبول کرنے سے گویا قریش پر بجلی گر گئی اور جان گئے کہ اب صورت معاملہ کی نازک ہو گئی ہے[2]۔ ایک انگریز مؤرخ[3] حضرت حمزہ رضؓ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو بیان کر کے لکھتا ہے کہ "اسی زمانہ ۶۱۶ء میں ایک اور شخص عمر ابن الخطاب نے اسلام قبول کیا جس کے عظیم قد و قامت اور ہیبت اور بے انتہا جسمانی قوت اور بہادرانہ اور شجاعانہ دلیری نے اُس کو حضرت حمزہ کا ایک موزون ساتھی اور جوڑ بنا دیا" اس کے بعد حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کو بیان کر کے لکھتا ہے کہ "اس قسم کے لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے محمد صلعم کی حالت کو نہایت تقویت حاصل ہوئی۔ کوئی شخص پیغمبر کے نزدیک جانے اور اُن کو ایذا پہونچانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ عمر اور حمزہ ان دونوں خوفناک دلیران جنگ اور مردان میدان کی نگاہوں سے لوگ خوف کھاتے تھے جو اپنے دشمنوں کی طرف ایسے دو شیروں کی طرح دیکھتے تھے جن سے کہ اُن کے بچے چھین لئے گئے ہوں۔ نیز اب مسلمان چھپکر اپنے گھروں میں عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی جانچی ہوئی طاقت اور مقابلہ کرنے والی صورت کے ساتھ کعبہ میں جمع ہوتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔ قریش پر خوف اور بے چینی طاری ہو گئی تھی" سر ولیم میور حضرت عمر کے اسلام لانے کے واقعہ کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ "قبول اسلام کے وقت اگرچہ حضرت عمر کا سن صرف چھبیس برس کا تھا مگر اُنکی شمولیت کا اسلام پر اتنا بڑا اثر اور ایسا فوری اثر ہوا کہ گویا مکہ میں علانیہ اور بلا خوف اسلام کے ظاہر ہونے کی وہی تاریخ ہے۔ محمد صلعم ارقم کے گھر سے نکل آئے مسلمان علانیہ طور پر عبادت کرنے لگے اور اُن کے دل بڑھ گئے درانحالیکہ قریش پر خوف اور بے چینی طاری ہو گئی[4]"۔

القصہ ہر ایک مورخ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر اس بات کا قائل ہے کہ حضرت عمر کے اسلام

---

[1] تاریخ طبری فارسی نسخہ صفحہ ۲۸۰ [2] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۱۳ [3] شاربرٹ مصنف کتاب اسلام اینڈ اٹس فونڈر۔

[4] لیف اوف محمد صفحہ ۹۷۔

قبول کرنے نے اسلام اور مسلمانوں کی شوکت اور ہمت کو بڑھا دیا اور مصیبت و تکلیف کو گھٹا دیا۔ درحقیقت اس بات سے جس کی طرف سر ولیم میور نے اشارہ کیا ہے حضرت عمرؓ کی بے انتہا عزت اور رعب اور دباؤ اور شان و شوکت معلوم ہوتی ہے کہ صرف چھبیس برس کی عمر میں اُن کی ایک ذات اس قدر وزن اور قیمت رکھتی تھی کہ قریش نے اُن کے علیحدہ ہونے کو اپنی قوم اور قوت کا آدھا ہو جانا تسلیم کیا اور مسلمانوں کو جو اُس جہالت اور کفر کے ریگستان میں چند چمکتے ہوئے مگر بے پناہ ذروں کی مانند تھے قریش اور کفار کی ایذا دہی سے مخلصی ملگئی۔ حضرت عمر کا یہ رعب اور ہیبت اور عزت جس قدر اُن کی ذاتی شجاعت اور بید ھڑک دلیری کے سبب سے تھی اُسی قدر اُن کی آبائی بزرگی اور نسبی فضیلت اور قوم اور قبیلہ کی قوت اور شوکت کے سبب سے بھی تھی۔"

حضرت عمر کو فاروق کا خطاب دیا گیا اور اُس شاہنشاہ دو جہان سرور کائنات افضل الانبیاء خدا کے برگزیدہ رسول صلعم نے یہ خطاب عنایت کیا۔ پس اس کی بزرگی آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔ اکثر مورخین کا بیان ہے کہ یہ خطاب حضرت عمر کو اُس وقت جب کہ وہ اسلام لائے اور اسلام مکہ میں ظاہر ہوا اور علانیہ خدائے واحد کی عبادت کی گئی اور اُن کے اسلام لانے سے گویا حق اور باطل میں تمیز اور تفریق ہو گئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا تھا۔ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن حضرت عمر سے "فاروق" نام پانے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرکے یہ کہا کہ "اُس وقت میں نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہاں حق پر ہیں۔ تو میں نے کہا کہ پھر حق کو کیوں چھپایا جائے تو ہم ارقم کے گھر سے دو صفیں باندھے ہوئے نکلے ایک میں میں تھا اور ایک میں حمزہ تھے یہاں تک کہ مسجد میں پہونچ گئے قریش نے جب میری اور حمزہ کی طرف دیکھا تو اُن کو بہت رنج ہوا اور آنحضرت نے اُس دن سے میرا نام فاروق رکھا کیونکہ اسلام ظاہر ہوا اور حق اور باطل میں تفریق ہو گئی۔[1]" مگر بہت سے مورخوں نے اس خطاب کے حاصل کرنے اور حضرت عمر کو یہ نام دیے جانے کو ایک اور زمانہ اور ایک اور واقعہ سے منسوب کیا ہے جو یہ ہے کہ ایک دفعہ

---

[1] تاریخ الخلفا سیوطی۔

ایک یہودی اور ایک مسلمان کے درمیان تنازعہ ہوگیا۔ ایک نے کہا کعب ابن اشرف یہودی کو منصف مقرر کریں اور دوسرے نے آنحضرت صلعم کو منصف بدا۔ آخر جناب رسول اللہ سے فیصلہ کرانے پر دونوں راضی ہوئے اور مقدمہ انفصال کے واسطے آنحضرت کے سامنے لے گئے آنحضرت نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا۔ مگر وہ مسلمان راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ دوبارہ حضرت عمر کے پاس مقدمہ لے چلیں۔ جب دونوں حضرت عمر کے پاس آئے تو تنازعہ کی کیفیت بیان کرکے یہودی نے حضرت عمر سے یہ بھی بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدمہ کا فیصلہ دے چکے ہیں مگر اُسکے مخالف نے اُسے منظور نہیں کیا۔ مسلمان شخص نے یہودی کے اس بیان کی تصدیق کی جسکو سنکر حضرت عمر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ تھوڑی دیر ٹھہرو میں اس کا فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ وہ آکر اپنی تلوار لے گئے اور ایک ہاتھ سے مسلمان کا سر اُس کے تن سے جدا کردیا اور باآواز بلند کہا کہ "اُس شخص کی یہ سزا ہے جو خدا اور اُس کے رسول کے فیصلہ سے انحراف کرے"۔ اس فعل سے حضرت عمر کو "فاروق" کا نام دیا گیا اُس منافق مسلمان کے سر کو تن سے جدا کرنے اور حق اور باطل میں تمیز کرنے دونوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے[1]۔

اگر سچ پوچھو تو اُس نسبت کے خیال سے جو حضرت عمر کے حالات حضرت رسالتمآب صلعم اور بعد ازاں اُن کے زمانۂ خلافت کے حاصل ہوسکنے اور بیان کئے جانے کی ہے حضرت عمر کا اسلام لانا گویا اُن کا پیدا ہونا اور عدم کفر سے وجود اسلام میں آنا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل رحمت میں بسر کرنا اور تربیت پانا گویا اُن کی طفولیت کا زمانہ ہے۔ اگرچہ ہونہار اولاد کی طرح ہم اُن کو آن حضرت صلعم کے ساتھ ایک شریک اور مشیر کی مانند پاتے ہیں۔ اس صورت میں اُن کی خلافت کے زمانہ کو اُن کے عہد شباب اور پیری سے موسوم کرنا چاہئے۔

حضرت عمر اور حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے جس قدر اسلام کو اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی اُسی قدر کفار اور قریش زیادہ برافروختہ اور برانگیختہ ہوگئے[2]۔ ایک اور وجہ[3] رنجش کی

[1] جلال الدین بیضاوی۔ ہسٹری آف سر سینس مصنفہ اوکلی۔ وقرآن انگریزی ترجمہ سیل حاشیہ صفحہ ۱۰۱ [2] ازالۃ الخفا بروایت ابن مسعود۔

برانگیختگی اور غصہ سے بھڑک اُٹھنے کی یہ ہوئی کہ جو مسلمان قریش کے ظلم سے بچنے کے واسطے ہجرت اولیٰ کر کے حبش کو چلے گئے تھے اور نجاشی عیسائی بادشاہ حبش کے پاس جا کر پناہ لی تھی قریش نے نجاشی کے پاس اپنے سفیر بھیجکر اُن پناہ گیر مسلمانوں کو واپس طلب کیا تھا - مگر نجاشی بادشاہ نے انکار کیا اور سفیروں کو بے نیل مرام کوٹا دیا[1] قریش مسلمانوں کو ایذا دینے اور ستانے میں اور زیادہ سختی اور تندی سے کوشش کرنے لگے جس پر آنحضرت نے مہاجرین حبشہ کو آرام و آسائش میں پاکر دوسری دفعہ اور مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور بعض کے نزدیک حضرت عمرؓ نے بھی اس جماعت کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی ہے[2] اگر یہ صحیح ہو تو حضرت عمر کی طبیعت کے لحاظ سے اس بات کا تسلیم کرنا مشکل ہوگا کہ اُنھوں نے اپنی جان کے خوف یا اپنی ذات کے آرام کے لئے ہجرت کی ہو ممکن ہے کہ کوئی دوسرا سبب مثلاً مہاجرین کی حفاظت وغیرہ اس کی وجہ ہو جیسا کہ اُن کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے حبشہ سے مکہ معظمہ میں واپس آجانے کی روایت[3] سے قیاس کیا جاسکتا ہے - بہرحال آنحضرت اور مسلمانوں پر جو مکہ میں تھے کچھ زیادہ دن اطمینان اور آرام کے نگذرنے پائے کیونکہ حضرت عمر اور حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے جو آسودگی مسلمانوں کے حال میں پیدا ہوئی تھی اور جس قدر تقویت اُن کی جماعت کو پہونچی تھی اُسی قدر حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب عم رسول اللہ کے انتقال سے جن کے رُعب و داب سے کسی قدر آنحضرت کو امن تھا ضعف پہنچ گیا[4] آنحضرت جب طائف میں جا کر بنی ثقیف کو خدا کے کلام کی طرف راغب

[illegible]

[illegible]

اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت اور ہدایت فرمائی - پہلی ہجرت حبشہ کی طرف سنہ ۵ نبوی میں ہوئی تھی دوسری سنہ ۶ نبوی میں یہ تیسری ہجرت مدینہ کی طرف سنہ ۱۳ نبوی میں ہوئی جس میں حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت حمزہ اور اکثر اصحاب آنحضرت صلعم مکہ سے مدینہ کو

---

۱؎ ازالۃ الخفا بروایت ابن مسعود و مناہج النبوۃ وغیرہ ۲؎ تفسیر القرآن از سرسید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۵۲ -

۳؎ تفسیر القرآن سرسید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۵۲ ۴؎ سپرٹ آف اسلام مؤلفہ مولوی سید امیر علی صاحب -

چلے گئے۔[۱] آنحضرت صلعم کے پاس کہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؑ کے سوا خاص اصحاب میں سے کوئی نہ رہا جنہوں نے کہ آخر سنہ ۱۳ نبوی مطابق سنہ ۶۲۲ء میں آنحضرت کے ساتھ ہجرت کی ۞

حضرت عمر کے ہجرت کرنے کو بعض مورخین[۲] نے ایک واقعہ سے مخصوص کیا ہے کہ کسی نے سوائے حضرت عمر کے علانیہ ہجرت نہیں کی جب وہ مکہ سے چلنے کے واسطے تیار اور آمادہ ہوئے تو اپنی تلوار گلے میں لٹکا کر اور کمان کندھے پر رکھکر ہاتھ میں تیر لئے ہوئے کعبہ میں آئے جہاں کہ اکابر قریش جمع ہوئے بیٹھے تھے اور سات دفعہ طواف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور کہا کہ اُن کا بُرا ہو جو پتھروں کو اپنا خدا سمجھیں اور پھر کہا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اُس کی جورو بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں وہ میرے پیچھے آئے اور ویرانہ میں مجھ سے ملے۔ مگر کسی کو اُن کے پیچھے جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ گو اس قسم کی روایات کی صحت میں بحث کی جا سکتی ہے مگر جاہے اس جیسے کہ اُن سے انکار کرنے کے واسطے قرائن موجود ہوں ویسے ہی اُن کی صحت پر یقین کرنے کے واسطے قیاسات موجود ہوتے ہیں ۞

ایک اور روایت جس کی صحت اور درستی میں اور اس امر میں کہ حضرت عمر ہی کی نسبت ہو کچھ شبہ ہوتا ہے مگر سر ولیم میور[۳] نے اس کو حضرت عمر ہی کے نام سے نقل کیا ہے اُسکا درج کرنا بے جا نہ ہوگا وہ اس امر کے بیان میں کہ بہت سے مسلمانوں کو جبر اور فریب سے ہجرت کرنے سے روکا گیا تمثیلاً بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے عیاش اور ہشام کے ساتھ مکہ سے باہر ایک مقام پر مل کر اکٹھے مدینہ کی طرف روانہ ہونے کی تجویز ٹھہرائی تھی ہشام کو اُس کے کنبے نے اس بات سے باز رکھا اور کچھ عرصہ تک بت پرستی پر مجبور کیا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ پس میں اور عیاش تنہا چلے گئے اور قبا تک سفر کیا جہاں ہم رفاعہ کے مہمان نواز گھر میں جا ٹھہرے۔ لیکن ابوجہل ہمارے پیچھے مدینہ پہنچا اور عیاش کو آ کر کہا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جبتک تیرا منہ نہ دیکھے گی سایہ میں نہ بیٹھے گی اور بالوں میں تیل اور کنگھی نہ لگاوے گی تب میں نے عیاش کو کہا کہ تجھکو دین سے برگشتہ کرنے کے واسطے یہ ایک

[۱] تفسیر القرآن از سر سید احمد خان صاحب جلد چہارم و مناہج النبوۃ [۲] تاریخ الخلفا سیوطی و معارج النبوۃ و مناہج النبوۃ صفحہ ۱۱۷ [۳] لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۳۷ ۞

چال ہے۔ تیری ماں اپنی قسم کو ملا توڑ ڈالے گی خبردار مدینہ کے پاس سے مت جائیو لیکن اُس نے نہ مانا اور کہا کہ میں دین سے نہیں پھر سکتا۔ اپنی ماں کی قسم توڑوا کر اور اپنا اسباب لے کر جلد چلا آؤں گا تب میں نے اُس کو ایک تیز رفتار اونٹ دیا اور کہا کہ اگر فریب کا شبہ معلوم ہو تو اس کی تیزی سے اپنے آپ کو بچائیو۔ لیکن جب وہ راستہ میں ایک جگہ اُترا تو اُس کے ہمراہیوں نے اُسے پکڑ کر رسیوں سے جکڑ لیا اور اسی طرح مکہ لے گئے اور روک لیا۔ عیاش اُس وقت تک مکہ میں بت پرستی کرتا رہا۔ جب تک کہ مدینہ میں یہ آیہ شریف نازل ہوئی قل یعباد الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم اور حضرت عمر نے اُس کو لکھ کر عیاش کے پاس بھیجا جس سے وہ دلیری کر کے مکہ سے مدینہ کی طرف چلا آیا“

سب سے پہلے مدینہ میں مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم مسلمانوں میں سے پہونچے ہیں۔ جو لوگوں کو دین سکھلاتے تھے اُن کے بعد حضرت عمر صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اور ایک روایت میں بیس اصحاب کے ساتھ پہونچے۔ اُن کا جانا آنحضرت کی تشریف آوری کے واسطے گویا مقدمہ تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضؓ کا قول ہے کہ ”حضرت عمرؓ کا ہجرت کرنا اسلام کے واسطے نصرت تھا“[1]

حضرت عمر اور جو اصحاب آنحضرت سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ پہونچ گئے تھے اُن کے پاس آنحضرت کی تشریف آوری تک سوا اس کے اور کیا کام تھا کہ اہل مدینہ کو دین اسلام کی تلقین اور تعلیم کریں۔ مگر آں حضرت کی طرف سے جو مکہ میں کفار اور دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے اُن کے اصحاب کو فکر دامن گیر رہتی تھی خصوصاً آنحضرت کے مدینہ پہونچنے سے پہلے تین چار روز آنحضرت نے غار میں گذارے مدینہ کے اصحاب نہایت تشویش اور تردد میں رہے کیوں کہ مکہ سے آنحضرت صلعم کے چلے آنے کی خبر اُن کو پہونچ گئی تھی۔ لیکن یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ آنحضرت صلعم تین روز تک غار میں پنہاں رہے ہیں۔ ہر روز مہاجرین یعنی مسلمان اہل مکہ اور انصار یعنی مسلمانان

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا۔

اہل مدینہ شہر سے تھوڑی دور فاصلہ پر آکر آنحضرت کا انتظار کیا کرتے تھے مگر آپ کے نہ آنے سے تردد اور تشویش کے ساتھ لوٹ جاتے تھے[۱] آخر جمعہ کے ایک مبارک دن کو آنحضرت قبہ سے ہوتے ہوئے یثرب یعنی مدینۃ النبی یا مدینہ میں پہونچے وہ دن مسلمانوں کے واسطے عید کا دن تھا اور اسی لئے وہ مبارک دن ہمیشہ کے لئے عید المسلمین کا دن قرار پایا +

اسلام کا جو سب سے بڑا کرشمہ ربانی تھا اہل مدینہ اُس سے فیض یاب ہونے میں پیچھے نہیں تھے بنی اوس اور بنی خزرج جو مشہور قبیلہ ایک دوسرے کے رقیب اور دشمن تھے اپنی پرانی اور خونریز لڑائیوں کو اسلام کے برادرانہ لطف و محبت کے جذبہ میں بھول گئے۔ مہاجرین (اہل مکہ) اور انصار (اہل مدینہ) میں جو رشتہ اخوت اسلام نے قائم کیا تھا اور قدیم تفرقہ جو عرب کے خمیر میں تھا اُس کو مٹا دیا تھا آنحضرت نے اس برادری اور باہمی محبت اور الفت اور یگانگت کے خیالات کو اُن کے درمیان زیادہ پختہ اور مضبوط کرنے کے واسطے ایک صیغہ اخوت اُن میں قائم کیا اور دو دو آدمیوں کے درمیان عقد مواخات باندھا۔ حضرت عمر کا عقد مواخات حضرت ابوبکر کے ساتھ باندھا گیا[۲] +

مدینہ میں آنحضرت کا پہلا کام ایک مسجد تعمیر کرنے کا تھا جو مسجد قبا کے نام سے موسوم ہوئی آنحضرت نے اُس کی تعمیر میں خود دست مبارک سے کام کیا اور حضرت عمر نے دوسرے خاص اصحاب سمیت پتھر اور مٹی ڈھو کر جمع کی[۳] اور ایک سادہ قطع کی مسجد تیار ہوگئی جو اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی مسجد ہونے سے ممتاز ہے اور ایک دوسرے درجہ کا شرف اُس کو یہ حاصل ہے کہ حضرت عمر اُس میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے اور کوڑا کرکٹ اور تنکے اکٹھے کرتے اور مسجد کو صاف کرتے تھے[۴] +

اس وقت سے حضرت عمر ہر دم اور ہر لحظہ اور ہر ساعت آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے اور

---

[۱] لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور۔ صفحہ ۱۷۷۔ [۲] منہاج النبوت ترجمہ مدارج النبوت [۳] منہاج النبوت
[۴] منہاج النبوت +

آپ کے کاموں اور سرگزشتوں میں ممد اور مشیر رہے اور اُن کے اور دوسرے صحابہ خاص کے حالات آنحضرت کے حالات سے گویا ملے جلے ہوئے ہیں لیکن یہ ایک غیر ضروری کام اور باعث طوالت ہوگا کہ آنحضرت کے حالات کو جن کی بابت بیشمار مستقل کتابیں موجود ہیں حضرت عمرؓ کے حالات کی تکمیل کا باعث خیال کرکے زیادہ تر بیان کیا جائے۔ پس ہم سوائے اُن خاص واقعات کے جو حضرت عمرؓ کی نسبت کسی خاص دلچسپی یا کیفیت کے ظاہر کرنے کے واسطے بیان ہوگئے ہیں بیان نہیں کریں گے البتہ واقعات کے قابل فہم ہوجانے کی ضرورت سے جہاں دوسرے تاریخی واقعات کے بیان کرنے کی ضرورت ہوگی وہ بیان کرنے پڑیں گے +

قریش اور کفار مکہ کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن کے قاتل ہاتھوں سے بچ کر سلامت نکل جانے اور اُن کے مہلک ارادوں کے پورا ہونے کی زک اُٹھانے سے غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی اس پر مدینہ میں آنحضرت صلعم کی کامیابی اور دین اسلام کی روز افزوں ترقی اور بڑی بڑی جماعتوں کے مشرف باسلام ہونے کی خبروں نے اُن کے ساتھ وہ کام کیا جو ہوا آگ کے ساتھ کرتی ہے۔ اس کے سوائے اُن کو مسلمانوں کی جماعت اور جمعیت کی ترقی سے ایک اَور خدشہ دامن گیر ہوا کہ مکہ کی جو بہت بڑی تجارت ملک شام کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور اس سفر کے راستے مدینہ کے قرب میں واقع تھے اگر درمیان میں مسلمانوں کی جماعت زیادہ مضبوط اور قوی ہوگئی تو اُن کے تجارتی قافلوں کے واسطے امن اور سلامتی مخدوش ہوجاوے گی اگرچہ آں حضرت کی طرف سے جن کو وہی قوم "امین" کا خطاب دے کر ابھی بھولی نہیں تھی اس قسم کا خوف و اندیشہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی مگر اُن کی اپنی طبائع اور سلوک کے لحاظ سے جو اُن کے پاس ایسے امور کی نسبت فیصلہ کرنے کے معیار تھے اس قسم کا خطرہ اُن کے دلوں میں پیدا ہونا ضروری تھا۔ پس اُنہوں نے مدینہ بھی آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کو چین اور اطمینان سے زیادہ دنوں تک نہ بیٹھنے دیا اور اُن غریب الوطن مسافروں اور اُن کے پناہ دہندوں کو اپنی جان اور مال کی حفاظت کے واسطے طوعاً و کرہاً تلوار اُٹھانے کے واسطے

مجبور کیا۔ دو ہی سال میں قریش نے پے در پے حملے کئے مگر صلح و صفائی پر ٹل گئے۔ آخر کار اسی دوسرے سال کے آخر پر قریش کے ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے کوچ کرنے کی خبریں مدینہ میں پہونچیں۔ آنحضرت اور مسلمانوں کو ایک اور مشکل یہ درپیش تھی کہ مدینہ میں رہ کر وہ دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اُنھوں نے اُس شہر میں مسافروں اور مہاجرین کی طرح جا کر پناہ لی تھی اور گو بعض قبائل اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے مگر شہر کے مالک نصارے تھے اور اُن کو کفار مکہ اور قریش کے ساتھ ہمدردی ہونی ضروری تھی اور اگر اُن سے ہمدردی نہ کرتے تو کم سے کم مسلمانوں کو اپنے شہر میں پناہ دینے کو اپنے لئے ایک مصیبت ضرور خیال کرتے کہ اُن کے ساتھ ہی ساتھ اُن کے دشمنوں کے حملہ نے اُن کے شہر کے امن و آسایش کو برباد کر دیا۔ پس نہ تو شہر مسلمانوں کا تھا کہ اُس میں محصور ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کرتے نہ تمام باشندوں کو اُن سے ہمدردی تھی کہ اُن کی طرف سے بے خطر اور بے اندیشہ ہو کر دشمنوں سے لڑائی کرتے۔ پس آنحضرت نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ قریش کے اس حملہ کے دفع کرنے کے واسطے خدا پر توکل کر کے مدینہ سے باہر جا کر دشمنوں سے لڑیں اور مکہ کی طرف روانہ ہونے کے واسطے آمادہ کیا۔ اسی اثنا میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ کے شام سے مکہ کی طرف بسرداری ابی سفیان گذرنے والا ہونے کی خبر پہونچی۔ اور گو بعض اصحاب کو قافلے کے لوٹنے کا خیال ہو مگر یہ امر آنحضرت کے ارادہ اور منشا کے بالکل خلاف تھا اُنھوں نے مکہ کی طرف کوچ کیا جدھر سے غنیم کے لشکر کے آنے کی خبر تھی نہ کہ شام کی طرف جدھر سے قافلہ آرہا تھا[1] جب آنحضرتؐ مقام بدر کے قریب پہونچے جو

[1] مسلمان مورخوں نے جیسی کہ اُن کی عادت ہے آنکھیں بند کر کے اس قسم کی روایتیں بیان کی ہیں کہ آنحضرت قافلہ کے لوٹنے کے ارادہ سے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے اور مخالفین کو بانی اسلام کے پاک ارادوں پر نکتہ چینی کرنے اور حرف رکھنے کا موقع دیا ہے مگر قرآن مجید کی آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت بارادہ جنگ کے روانہ ہوئے تھے اور نیز تاریخ سے بھی ایک منصف اور عقلمند شخص بھی امر بخوبی ثابت اور مستنبط کر سکتا ہے۔ نہ تو آنحضرت مدینہ سے قافلہ لوٹنے کے واسطے نکلے تھے نہ ابوجہل اس قافلہ کی حفاظت کے واسطے آیا تھا کیونکہ اس صورت میں جب قافلہ صحیح و سلامت چلا گیا تو اُسکو لوٹ جانا چاہیے تھا مگر وہ بھی بارادۂ جنگ آرہا تھا اور نہ لوٹا اس بحث کو مفصل دیکھنا ہو تو تفسیر القرآن از سر سید احمد خان صاحب جلد چہارم کے شروع میں دیکھو۔ مؤلف ۔

مدینہ سے تین منزل پر بحر احمر کے کنارے کے پاس واقع ہے اور اس نام کے ایک چشمہ کے سبب سے مشہور تھا تو بعض اصحاب نے یہ رائے دی کہ قریش کا مقابلہ اور مدافعت اور اُن سے لڑائی کرنے کے ارادہ کو ترک کر کے قافلے کو لوٹنے کے واسطے تدبیر اور تعاقب کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ رائے سنکر نہایت برآشفتہ ہوئے[۵۱] مگر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اس رائے کی مخالفت کی۔ اور کہا کہ یہ قریش بڑے مغرور اور معزز اور غالب ہیں۔ نہ اُنھوں نے اب تک اسلام قبول کیا اور نہ آیندہ اسلام قبول کریں گے اور آپ سے اور مسلمانوں سے جنگ وجدل کرنے سے باز نہ آویں گے اور ناچار اُن سے لڑائی اور مقابلہ کرنا پڑے گا۔ پس آپ بھی اُن سے جنگ کرنے کے ارادے میں مستعد رہیں۔ حضرت عمرؓ کی اس رائے سے آنحضرت نہایت خوش ہوئے[۵۲] اور بڑھتے ہوئے بدر کے مقام پر پہونچ گئے جو اسلامی تاریخ میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان حق اور باطل میں فیصلہ کرنے اور پہلے جنگ کا مقام ہونے کے واسطے مشہور ہونے والا تھا۔ آخر کار قریش کے حملہ آور لشکر سے سامنا ہوا اور آنحضرت صلعم نے اتمام حجت کے واسطے حضرت عمرؓ کو قریش کے پاس یہ پیغام پہونچانے کے واسطے بھیجا کہ میں تم سے جنگ کرنا اور لڑنا ہرگز پسند نہیں کرتا اور مناسب یہ ہے کہ تم یہیں سے اپنے وطن کو پھر جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے یہ پیغام نبی کریمؐ کا قریش کے پاس پہونچا دیا۔ مگر قریش کب ماننے والے تھے۔ حکیم بن حزام نے اگرچہ آنحضرت صلعم کے اس فرمودہ کی بہت تعریف کی مگر ابوجہل نے حقارت سے جواب دیا کہ اب تم ہمارے قابو میں ہو ہم بدلہ لئے بغیر تمہیں کب چھوڑتے ہیں[۵۳] غرض لڑائی اٹل تھی اور ہوئی۔ خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور دشمنوں کا مال اسباب اور قیدی اُن کے ہاتھ آئے ؎

ایسی بڑی جنگ کی صورت میں یہ سب سے پہلا موقع مسلمانوں کے امتحان اور آزمائش کا تھا۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش میں اُن کے خویش واقربا جو کفر کی حالت میں تھے موجود تھے

---

۵۱ لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور و مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۱۰۹ ۔ ۵۲ مغازی الواقدی ترجمہ اردو مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۴۳ و مناہج النبوت صفحہ ۱۸۹ ۔ ۵۳ مغازی واقدی صفحہ ۴۳ ؎

حضرت عمر نے بدر میں اول سے آخر تک اپنے جوش اور محبت اسلامی کا جس نے قرابت اور خویشاوندی کے تمام خیالات کو اُن کے دل سے محو کر دیا تھا ایسا ثبوت دیا کہ وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے اُنہوں نے اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۵۱۔ اور کوئی خون کا رشتہ جو درحقیقت فرزندان اسلام کے نئے اخوت کے پیوندوں کے سامنے کمزور ہو کر ٹوٹ چکا تھا خونخوار تلوار کے اُٹھانے سے مانع نہ ہو سکا ✤

حضرت عمر کے رُعب کا ثبوت پیش کرنا ایک غیر ضروری کام ہے۔ مگر تاہم واقعات کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ قریش مکہ جو مدینہ پر چڑھائی کر کے آئے تھے اُن میں بنی ہاشم کو وہ جبراً اور زبردستی نکالکر ساتھ لائے تھے وہ اس بات پر رضامند نہ تھے کہ آنحضرت صلعم کے مقابلہ میں جو گویا اپنا ہی مقابلہ تھا ہتھیار اُٹھائیں مگر ابوجہل نے اُن کو سخت جوش دلاکر اور تنگ کر کے اس مہم میں شریک کیا تھا آنحضرت صلعم کو یہ حال معلوم تھا اور آنحضرت کے چچا عباس بھی انہیں میں تھے۔ آنحضرت صلعم نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے حکم دیا تھا کہ جو شخص عباس اور ابوالبختری بن ہشام کو ملے اُن کو قتل نہ کرے کیونکہ وہ اپنی رضامندی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ مگر ابوحذیفہ رضٰ بن عتبہ نے اس حکم پر بگڑ کر کہا کہ کیا ہم اپنے خویش واقربا کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں ؟ واللہ اگر میں اُس سے ملا تو اُس کو قتل کرنے سے نہ رکوں گا۔ آنحضرت صلعم نے جب یہ سُنا تو حضرت عمر سے کہا کہ اے اباحفص کیا رسول اللہ کا چچا تلوار سے قتل کیا جاوے گا ؟ حضرت عمر نے ارادہ کر لیا تھا کہ حذیفہ کی اس گستاخی کی سزا اُس کی جان کا مول ہو۔ مگر وہ اپنی اس حرکت پر نادم ہوا اور اسی ندامت نے آخر کار یمامہ کے دن اُس کا سر شہادت کے شوق میں خوشی سے دشمن کی تلوار کے آگے رکھدیا۵۲۔ اس روایت میں آنحضرت نے حضرت عمر کو اباحفص کی کنیت سے پکارا حضرت عمر کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا موقع ہے کہ آنحضرت نے مجھے اس نام سے پکارا ✤

حضرت عمر کی شجاعت اور قوت ہی ایسے موقعوں پر ایک کارآمد چیز نہیں تھی بلکہ اُن کی احتیاط

۵۱ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ مغازی واقدی وغیرہ۔ ۵۲ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء و مناہج النبوت۔

اور دور اندیشی بہت کام آئی تھی وہ ہر طرف نگاہ رکھتے تھے اور جنگ آزمودہ سردار کی طرح وقت اور موقع کی ضروریات مسلمانوں کو سمجھا دیتے تھے ۔ جنگ بدر ہی میں عاصم بن ابی عوف یہ پکارتا ہوا بڑھا آتا تھا کہ آنحضرت کو قتل کر دوں گا ۔ اگر وہ بچ گئے تو پھر ہم نہ بچیں گے ۔ ابو وجانہ سے اُس کا مقابلہ ہو گیا اور تلوار چلنے لگی ۔ آخر ابو وجانہ نے اس کو قتل کر ڈالا اور اُس کا ساز و سامان اُتارنے میں مصروف ہو گیا حضرت عمر نے دیکھ کر اُس کو منع کیا اور کہا کہ جب تک دشمن پر فتح کامل نہ حاصل ہو اس اسباب کی فکر چھوڑ دے اور میں شاہد ہوں کو تو ہی اس اسباب کا مستحق ہے[۱]۔

بدر کی لڑائی میں قریش کے لشکر میں سے ستر آدمی بطور قیدی کے گرفتار ہو گئے تھے اُنکی نسبت یہ بحث درپیش ہوئی کہ ان سے کیا سلوک کرنا چاہئے ۔ تمام مورخین نے جس طرح پر اس واقعہ کو بیان کیا ہے اُس کا ماحصل یہ ہے کہ اِن قیدیوں کی نسبت جب آنحضرت نے اصحاب سے مشورہ طلب کیا تو حضرت عمر نے اُن کے قتل کرنے کی رائے دی اور حضرت ابوبکر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی آنحضرت نے ابوبکر کی رائے کو پسند کیا اور فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا ۔ مگر خداوند تعالےٰ نے اس بات کو ناپسند کیا اور یہ آیت نازل ہوئی ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز الحکیم ۔ لولا کتٰب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم ۔ ترجمہ ۔ نہیں ہے نبی کے لئے کہ ہوں اُس کے لئے قیدی یہاں تک کہ گھمسان کر دیں زمین میں یعنے ملک میں تم چاہتے ہو مال دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو اور اللہ غالب ہے حکمت والا ۔ اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے پہلے سے بیشک تم کو پہونچتا اُس میں جو تم نے لیا عذاب بہت بڑا۔" مورخین اور مفسرین اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ خدا نے فدیہ لینے کو ناپسند کیا اور حضرت عمر کی رائے کو جو اُن سب کو قتل کرنے کی تھی پسند فرمایا اور حضرت عمر کی اس رائے کو حضرت عمر کے موافقات میں یعنی جو رائیں اُن کی منشار حق اور احکام آلہی کے موافق ہوئی ہیں شمار کرتے ہیں لیکن یہ ایک عام غلطی ہے جو ان آیات کی تفسیر اور اس واقعہ کی تشریح میں داخل ہو گئی ہے ۔

---

[۱] مغازی واقدی صفحہ ۶۴

صحیح تفسیر اور اصلیت واقعہ کی جو ایک بزرگ مفسر نے اپنی تفسیر میں[1] بیان کی ہے حسب ذیل ہے :-

"بدر کی لڑائی میں قریش مکہ کے تمام لشکر سے جو اُن کے ساتھ آیا تھا لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ایک گروہ سے جو لڑنے کو نکلا تھا لڑائی ہوئی تھی جیسا کہ آیت واذ یریکموھم اذالقیتم فی سے ثابت ہوتا ہے۔ اُس گروہ کو جو مقابلہ میں آیا تھا شکست ہوئی اور تمام لشکر قریش مکہ ایسا پریشان ہو گیا تھا کہ کسی کو پھر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی اور مسلمانوں نے اُن کا تعاقب بھی نہیں کیا۔ جیسا کہ خدا نے اسی سورۃ میں فرمایا ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح وان تنتھوا فھو خیر لکم مگر قریش مکہ کے لشکر میں سے ستر آدمی بطور قیدی کے گرفتار ہو گئے تھے۔ ان قیدیوں کی نسبت آنحضرت صلعم نے صحابہ رض سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ حضرت عمر اور سعد ابن معاذ نے رائے دی کہ سب کو قتل کرنا چاہئے۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے چنانچہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ فدیہ لینے پر خدا نے اپنی ناراضی ظاہر کی کیوں کہ وہ لوگ بغیر لڑنے کے پکڑے گئے تھے اور اسی لئے لڑائی کے قیدی جن سے فدیہ لیا جا سکتا نہیں تھے۔ اسی پر خدا کی ناراضی ہوئی اور خدا نے فرمایا کان لنبی ان یکون لہ اسرٰی الخ" جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اُن کے قتل نہ کرنے پر خدا کی ناراضی ہوئی تھی کسی طرح پر صحیح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے جب اُن کا قیدی جنگ ہونا ہی نہیں قرار دیا تو اُن کے قتل نہ کرنے پر کیوں کر ناراضی ہو سکتی تھی؟"

اب یہ بات کہ حضرت عمر کی رائے ایسی سختی کرنے کی کیوں تھی ہم پھر بیان کرینگے حضرت عمر کی ایک ہی رائے اس قسم کی نہیں ہے بلکہ ایسی ہی اور بہت سی رائیں ہیں ہم سب کو بیان کر لینے کے بعد بحث کریں گے کہ اُن میں بھی ایک مخفی حکمت اور مصلحت تھی *

فتح بدر کے بعد ایک اور واقعہ ہوا جو حضرت عمر کی محتاط اور سخت طبیعت کی مثال ہے۔ عمیر بن وہب جو قریش میں سے ایک جنگ جو اور دلیر شخص تھا اپنے بھائی کو جو قیدیوں میں گرفتار تھا چھڑا لینے کے واسطے آیا۔ مسجد کے دروازے پر جب اُس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا تو حضرت

[1] تفسیر القرآن از سید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۱۴۰۔

عمرؓ کی نظر اُس پر پڑی گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے دیکھ کر اَور بھی زیادہ خیال ہوا۔ اور کہا کہ یہ دشمن خدا وہی ہے جو بدر کے دن قوم کو بھڑکاتا اور اُکساتا تھا۔ وہ جھپٹ کر آنحضرت صلعم کے پاس گئے اور بیان کیا کہ عمیر بن وہب اِس حال میں آیا ہے۔ آنحضرت نے اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ نے آکر اُس کی تلوار کا تسمہ جو گلے میں پڑا ہوا تھا پکڑ لیا اور آنحضرت صلعم کے پاس لے چلے اور کہا کہ اس کی شر سے آنحضرت صلعم کی حفاظت کرنی چاہئے کیوں کہ اس کا جانا مامون نہیں ہے آنحضرت صلعم نے اس کو اس طرح لاتے دیکھ کر فرمایا کہ اے عمر اسے چھوڑ دو اور عمیر کو پاس بلا لیا۔[1] گو آنحضرت خدائے بزرگ کے قادر و باور ہاتھوں کو اپنے حفظ و امن کا ذمہ وار سمجھ کر ایسے امور کی بہت کم پروا کرتے تھے۔ مگر حضرت عمر اور اُن کے اصحاب کے لئے آنحضرت صلعم کی نسبت ایک ذرا سا خوف کا خیال بھی احتیاط ضروری کرنے کے واسطے کافی تھا۔ خدا کی جس نعمت کو اُنھوں نے اپنی جان و مال اور دنیا کی عزیز سے عزیز چیزوں کے بدلے خریدا تھا اُس کی حفاظت سے بڑھ کر کس چیز کا خیال ہو سکتا تھا۔ اسلام کے آسمان کے تارے اس بزرگ اور روشن ستارے (حضرت عمرؓ) اور اُس آفتاب عالمتاب حضرت سرورِ کائنات کے درمیان جو روحانی رشتہ اور تعلق تھا وہ تیسرے سال ہجرت (اور ایک روایت میں دوسرے سال) میں ایک جسمانی پیوند سے اور زیادہ مستحکم ہو گیا۔ حضرت عمر کی بیٹی حفصہ جو خنیس بن حذافہ سہمی کی بیوی اور بیوہ ہو گئی تھیں آنحضرت نے نکاح فرمایا۔

ماہ شوال ۳ سنہ ہجری میں دوسرا مشہور جنگ احد مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوا۔ قریش نے جنگ بدر میں جو شکست پائی تھی اُس کا بدلہ لینے کی آگ اُن کے دلوں میں بھڑک رہی تھی۔ پس ابو سفیان مکہ سے تین ہزار لڑنے والوں کے ساتھ لڑنے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے واسطے روانہ ہوا۔ خلاصہ واقعات کا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم بھی اس حملہ کی خبر سُن کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور احد کے پاس قیام کیا۔ نہایت سخت لڑائی ہوئی مسلمانوں کی فتح کامل ہونے کو تھی کہ

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا بروایت عروہ بن زبیر و مغازی واقدی صفحہ ۹۳۔

لوگ لوٹنے میں مشغول ہوئے اور فتح کی شکست ہوگئی۔ آنحضرت صلعم کے چار دانت پتھر کے صدمے سے ٹوٹ گئے اور مشہور ہوگیا کہ آنحضرت صلعم شہید ہوگئے اس پر بہت لوگ بھاگ نکلے جب معلوم ہوا کہ آنحضرت[۵۱] صحیح وسالم ہیں تب سب لوگ ایک محفوظ جگہ میں اکٹھے ہوگئے۔ دوسرے دن قریش مکہ نے وہاں سے کوچ کیا اور مکہ کو چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدا کو دفن کیا اور مدینہ میں چلے آگئے۔

اس جنگ میں بھی جو حضرت حمزہ اور بہت سے اصحاب رسول اللہ کے شہید ہونے اور مسلمانوں کو شکست ہونے کے سبب سے بدنام ہے حضرت عمر نے کارزار کے سخت معرکہ میں کچھ کم دلیری اور شجاعت نہیں ظاہر کی۔ قریش کی ایک جماعت سے جب وہ پہاڑ پر چڑھ کر غلبہ حاصل کرنا چاہتی تھی حضرت عمر نے چند مسلمانوں کے ساتھ بڑھ کر نہایت سخت مقاتلہ کیا اور لڑ کر پہاڑ سے گرا دیا۔ اگر لوگ لوٹنے میں مصروف نہ ہوجاتے تو مسلمانوں کی فتح کامل ہو چکی تھی۔ خالد بن ولید نے جب مسلمانوں کو اس طرح مصروف دیکھا تو موقع پاکر اپنے سواروں کے ساتھ پچھلی طرف سے اُن پر آن پڑا اور مسلمان درمیان میں گھر گئے۔ اور لڑائی کی صورت تبدیل ہوگئی۔ آنحضرت صلعم کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ سخت زخمی ہوئے[۵۲] مگر اس پر بھی وہ لڑنے اور مقابلہ کرنے میں استوار رہے۔ لیکن جب آنحضرت صلعم کے شہید ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو اُن کی کمریں ٹوٹ گئیں اور حضرت عمر مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ دل شکستہ اور مایوس ہو کر بیٹھ گئے[۵۳] اور بہت لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے۔ لیکن جب اس نامبارک خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو خاص اصحاب آنحضرت کے گرد جمع ہوئے اور کفار سے بچانے میں مصروف ہوگئے۔ ابن قمیہ نے قریش میں جاکر مشہور کر دیا تھا کہ میں محمد صلعم کو قتل کر آیا ہوں۔ ابوسفیان اس خبر کی تصدیق کرنے کے واسطے بلندی پر کھڑا ہوگیا اور مسلمانوں کو پکار کر کہا کہ پیغمبر تمہارے زندہ ہیں۔

۵۱ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بروایت ابن اسحاق - ۵۲ سپرٹ اوف اسلام صفحہ (۱۵۶)

۵۳ مغازی واقدی صفحہ ۲۰۷

یا شہید ہو گئے مسلمانوں میں سے کسی نے جواب نہ دیا تو اُس نے پھر کہا کہ ابن قحافہ (حضرت ابوبکر) تم میں ہیں یا نہیں۔ پھر کہا کہ ابن خطاب (حضرت عمر) تم میں ہیں یا نہیں[1]۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو قریش کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ یہ سب مارے گئے اگر کوئی ہوتا تو جواب دیتا اور خوشی میں آکر اپنے بت ہبل کی ثنا کرنے لگا اور کہا "اعل ہبل (اے ہبل بلند ہو جا) آج بدر کے دن کا بدلا لیا گیا" حضرت عمرؓ سے اب نہ رہا گیا اور آنحضرت کی اجازت سے جو جواب دینے سے روکتے تھے باآواز بلند کہا "اللہ اعلیٰ واجل تم ہمارے مساوی نہیں ہو سکتے کہ تمہارے قتیل دوزخ میں ہیں اور ہمارے جنت میں[2]" حضرت عمرؓ کی آواز سن کر ابوسفیان کے کان کھڑے ہو گئے اور اُن سے کہا کہ میرے نزدیک آیئے۔ حضرت عمر آنحضرت صلعم سے اجازت لے کر نزدیک گئے۔ تو اُس نے آں حضرت کی نسبت دریافت کیا کہ ہم نے کیا اُن کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ وہ بفضل الٰہی زندہ اور تیری باتیں سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا یہی درست ہے کیوں کہ ابن قمیہ سے تو میرے نزدیک سچا ہے[3]۔ مسلمانوں کا اگرچہ لڑائی میں بہت نقصان ہوا مگر قریش کی جمعیت ابتدا ہی میں ٹوٹ چکی تھی فتح کے بعد بھی وہاں ٹھہرنے کی تاب نہ لا سکے اور مکہ کی طرف کوچ کر گئے۔ آنحضرت مدینہ چلے آئے۔ مسلمانوں کی اس شکست کے سبب سے یہود کو ایک موقع مسلمانوں کو بہکانے کا مل گیا کہ اگر تم مسلمان نہ ہوتے تو یہ تکلیف کیوں اٹھاتے۔ حضرت عمرؓ اسکو سنکر بھڑکے اور آنحضرت سے اجازت چاہی کہ ان یہود و منافقین کو قتل کر ڈالیں مگر آنحضرت ایسے امر کی کب اجازت دینے لگے تھے۔

یہودیوں کی ایک قوم بنی نضیر اور آں حضرت کے درمیان باہمی حسن سلوک کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ لیکن عبداللہ بن ابی کی سازشوں سے جو بڑا سخت منافق اور منافقین کا سرگروہ تھا اُنکا دل آنحضرت کی نسبت صاف نہیں تھا۔ بارہا اُن کی مخالفانہ اور منافقانہ حرکات سے اُن کے

---

[1] مناہج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۲۸۴ [2] ازالۃ الخفا بروایت ابن اسحاق و مناہج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۸۴۔

[3] ازالۃ الخفا بروایت ابن اسحاق و مغازی واقدی صفحہ ۲۱۱۔

دل کا بغض اور کینہ ظاہر ہو چکا تھا۔ آخر جب ایک دفعہ آنحضرت اُن کے پاس ایک خاص کام کے واسطے تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے تلے جا بیٹھے۔ بنی نضیر نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایسے وقت میں آنحضرت صلعم کو ایک بڑا پتھر دیوار پر سے اُن پر ڈال کر مار ڈالا جاوے۔ مگر آنحضرت وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ بد ارادہ یہودیوں کا پورا نہ ہوا۔ لیکن جب اُن کی یہ دغابازی تحقیق ہو گئی تو آنحضرت نے اُن کی آئندہ شرارتوں سے مامون اور محفوظ رہنے اور اُس خدشہ اور خطرہ سے نجات پانے کے واسطے اُن پر چڑھائی کی۔ بنی نضیر نے کچھ عرصہ محصور رہ کر آخر یہ بات ٹھہرائی کہ وہ لوگ مدینہ سے چلے جاویں گے۔ چنانچہ وہ اپنا مال و متاع لے کر مدینہ سے خیبر کو چلے گئے اُن کے املاک اور زمینیں جو وہ چھوڑ گئے آنحضرت نے انصار مدینہ کی رضامندی سے مہاجرین اور محتاج انصار میں تقسیم کر دیں [1] چنانچہ حضرت عمر کو بھی کچھ حصہ اُن کی جائداد کا مل گیا [2] جس سے حضرت عمر اور مہاجرین کی محتاجی جو اپنی تمام قسم کی ضروریات کے واسطے انصار کے دست نگر تھے رفع ہو گئی۔

ماہ شعبان سنہ ۵ھ میں بنی المصطلق سے لڑائی ہوئی جو ایک قبیلہ عرب کا تھا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلعم کو یہ خبر پہونچی کہ حارث بن ابی ضرار نے لڑائی کے ارادے پر لوگوں کو جمع کیا ہے آنحضرت نے اُن کے مقابلہ کے واسطے کوچ کیا اور مریسیع کے مقام پر جو اس نام کے ایک چشمہ کے سبب سے مشہور تھا دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ حضرت عمر مقدمۃ الجیش یعنی فوج ہراول کے سردار تھے ایک بڑی کامیابی اُن کو یہ ہوئی کہ کفار کا ایک جاسوس گرفتار کیا اور اُن کا سب حال اُس سے دریافت کر لیا۔ اور کفار کو ہیبت زدہ کرنے کے واسطے اسے قتل کر ڈالا۔ خاص لڑائی کے وقت حضرت عمر اس امر کی منادی کرنے پر مامور ہوئے کہ جو شخص اسلام لاوے گا اور کلمۂ اسلام کہے گا تعرض سے امن میں رہے گا [3] آخر لڑائی ہو کر بنی مصطلق کو شکست ہوئی۔

[1] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۹۳۔ [2] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۲۶۔ [3] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء۔

اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اس فتح کے بعد چند روز تک مسلمانوں کا لشکر چشمہ مریسیع پر مقیم رہا۔ اسی اثنا میں ایک دن حضرت عمر کے خادم جہجاہ غفاری اور ایک اعرابی یا انصار کے درمیان کچھ تکرار ہوئی۔ جہجاہ نے ایک تھپڑ اُس کو مار دیا۔ اُس نے شور و غل کرکے اہل مدینہ کو اپنی امداد کے واسطے جمع کر لیا۔ مہاجرین بھی اکٹھے ہو گئے اور باہم سخت کلامی یا کہ تلواروں پر ہاتھ بڑھانے تک نوبت پہونچ گئی[۱]۔ انصار درحقیقت عبداللہ بن ابی کے بھڑکائے ہوئے تھے اپنی غلطی کا اقرار کرکے طالب معافی ہوئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی اپنے منافقانہ چلن میں مشہور ہو چکا تھا اور کئی دفعہ مسلمانوں پر پشت سے سخت چوٹیں کر چکا تھا۔ احد کے دن تین سو آدمیوں کو بہکا کر آں حضرت کے لشکر سے علیحدہ کر لے گیا تھا اور لشکر کی جمعیت کو ضعیف کر دیا تھا[۲]۔ بنی نضیر کو بھڑکا کر مسلمانوں سے لڑائی رہا تھا[۳]۔ اب بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے سے اُس کا مطلب غنیمت کے لالچ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس خفیف تکرار میں جو دو غیر معروف آدمیوں میں ہو پڑا تھا اُس کو انصار کو برانگیختہ کرنے کا موقع مل گیا اور ذرا سی بات کا طومار عظیم بنا دیا اور انصار کو جوش دلانے کے واسطے یہاں تک کہہ گذرا کہ "یہ مصیبت تم نے آپ ہی غیروں کو بلا کر اور اپنے شہر میں بسا کر ہم پر ڈالی ہے اب مدینہ میں چل کر جو زبردست ہوگا وہ اپنے سے ضعیف اور ذلیل کو نکال دے گا[۴]"۔

زید بن ارقم نے یہ الفاظ اُس کے سُن پائے تھے اور آنحضرت صلعم کے گوش گذار کر دیے۔ حضرت عمر سُن کر جوش میں آ گئے اور اُس منافقین کے سرگروہ کے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر عبداللہ اور دوسرے لوگوں نے عذر خواہی کی اور آنحضرت نے اپنی معمولی طبع کریم اور رحیم سے اُس کو معاف کر دیا اور حضرت عمر کو اپنے ارادے سے باز رہنے کو فرمایا[۵]۔ عبداللہ بن ابی

---

۱ لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۷ ۲ سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۵۴ - ۳ سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۶۶

۴ لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۸ ۵ ازالۃ الخفا ولیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور۔

کے بیٹے عبداللہ نے جو راسخ العقیدہ اور صادق الایمان تھا اپنے باپ کو اس حرکت پر ملامت کی اور پھر آنحضرت کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی کی شکایت گذرنے پر اُس کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ ارادہ سنجیدہ ہو تو مجھے حکم ہو میں اُس کا سر کاٹ لاؤں کیونکہ خزرج جانتے ہیں کہ اُن میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ سے بھلائی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اگر میرے سوا کسی دوسرے نے میرے باپ کو قتل کیا تو مجھے اُس کے قاتل کو زندہ زندہ دیکھنے کی برداشت نہ ہوگی اور میں ایک کافر کے بدلے کسی مومن کو قتل کرنے سے دوزخ کا مستوجب ہو جاؤں گا +

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نہیں ہم اُس کے ساتھ احسان کریں گے اور جب تک ہمارے ساتھ رہے گا اُس کی صحبت کو اچھا سمجھیں گے[1] آں حضرت کے اس احسان اور کرم نے خود عبداللہ کی قوم کو اُس سے بدظن اور بدعقیدہ کر دیا۔ اور وہی اُس کو کافی عتاب اور سرزنش کرتے تھے اور بے عزتی اور بے حرمتی سے پیش آتے تھے۔ آنحضرت نے یہ کیفیت سُنکر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمر تیری کیا رائے ہے جس روز تو نے اُس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اگر تو اُس کو قتل کر دیتا تو اس وقت مجھے کتنا رنج اور پریشانی ہوتی (یعنی مسلمانوں کے درمیان فساد ہوتا۔ حالانکہ اسی طرح اُس کو کافی سزا مل گئی ہے) حضرت عمر نے کہا خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ میری بات سے رسول اللہ کی بات بڑی برکت والی ہے[2]۔ اسی واقعہ کے بعد سورہ منٰفقون مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ ہم اس قسم کے واقعات سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آں حضرت کے ظل رحمت میں حضرت عمر کس طرح تربیت حاصل کر رہے تھے جو آئندہ اسی ذات پاک کی برکتوں کو بہت عرصہ تک دنیا میں بالواسطہ جاری رکھنے کا ذریعہ ہونے والی تھی +

ماہ ذیقعد سنہ ۵ھ میں خندق کی لڑائی ہوئی بنی نضیر کے یہودی جو جلاوطن کئے گئے تھے

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا و لیف آف محمد مولفۂ سر ولیم میور۔ [2] ازالۃ الخفا۔ و لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۸۔

بنی وائل کے ساتھ قریش مکہ کے پاس گئے اور اُن کو مدد دینے کا وعدہ کرکے مدینہ پر چڑھا لائے ابوسفیان قریش کا سردار تھا اور بنی غطفان کے لوگ بھی شریک تھے۔ آنحضرت صلعم نے اس خبر کو سن کر مدینہ سے باہر جا کر لڑنا مناسب نہ سمجھا اور مدینہ کے گرد خندق کھود کر مورچہ بندی کی۔ یہود بنی قریظہ بھی معاہدہ توڑ کر حملہ آوروں کے ساتھ شریک ہو گئے اور مدینہ اور مسلمانوں کی حالت نہایت خطرناک ہو گئی۔ حضرت عمر کی مساعی نے بہت کچھ کام دیا۔ خندق کی ایک طرف کی محافظت اُن کے ذمہ تھی۔ خوب جان توڑ کر لڑے اور حفاظت کے اعتبار کا حق ادا کیا بعد ازاں اسی مقام پر اُن کے نام پر وہاں مسجد بنا ہوتی ہے[1]۔ قریش اور کفار اور یہود ایک مہینہ تک محاصرہ کئے پڑے رہے اور لڑائیاں ہوتی رہیں۔ حضرت عمر نے ایک دن زبیر کی جماعت کے ساتھ کفار پر حملہ کیا اور جماعت کو متفرق کر دیا۔ اگرچہ اس سخت حملہ سے مسلمانوں کے جاں بر ہونے کا اور ایک شخص کے بچنے کی بھی توقع نہ تھی۔ مگر مسلمانوں کی جانبازیوں نے دشمن کو محاصرہ اٹھا کر ناکام واپس چلے جانے پر مجبور کیا۔

چھٹے سال ہجرت کے ذیقعد مہینہ میں آنحضرت صلعم نے مکہ میں جا کر حج وعمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور بغیر کسی لڑائی کے خیال کے اسباب ضروریات حج وعمرہ ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے جب آنحضرت حدیبیہ کے مقام پر پہونچے تو قریش کو اندیشہ ہوا اور مکہ میں آنے سے روکا۔ اور دونوں طرف سے پیغام جاری ہوئے۔ پہلا قاصد جو مسلمانوں کی طرف سے مکہ بھیجا گیا۔ قریش نے اُس کو پکڑ کر نہایت ایذا پہونچائی۔ اور آنحضرت کی سواری کے اونٹ کو لنگڑا کر دیا بلکہ جان کا اندیشہ ہوا[2] لیکن جب اُن کا پہلا جوش رفع ہو گیا تو آنحضرت صلعم نے حضرت عمر سے کہا کہ قریش مکہ کے پاس جا کر اُن کو فہمایش کرو کہ ہم جنگ وپیکار کا ارادہ نہیں رکھتے اور حج وعمرہ ادا کرنے میں ہمارے مزاحم نہ ہوں۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ آنحضرت پر بخوبی روشن ہے کہ قریش مجھ سے کس درجہ عداوت اور سخت دشمنی رکھتے ہیں اور مکہ میں بنی عدی (حضرت عمرؓ کا

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا۔ [2] لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۴۱۔

قبیلہ ) میں سے کوئی نہیں ہے جو میری حمایت کرے گا۔ پس حضرت عثمان کا بھیجنا مناسب ہوگا کیونکہ اُن کا قبیلہ مکہ میں نہایت قوی اور عزیز و اقارب موجود ہیں جو اُن کو کسی قسم کے تعرض سے محفوظ رکھیں گے[1] درحقیقت آنحضرت صلعم نے جو انتخاب حضرت عمر کا فرمایا تھا وہ اغراض سفارت اور پیغام رسانی کو کماحقہ اور بوجہ احسن ادا کرنے کے واسطے غالباً سب سے افضل تھا۔ لیکن قریش کی سخت عداوت جو حضرت عمر کے ساتھ تھی وہ اُن کو برانگیختہ کرکے ایک دوسرا مقدمہ درمیان میں کھڑا کر دیتی اور معاملہ درہم برہم ہوکر اصلی مقصود فوت ہو جاتا۔ حضرت عمر کا رُعب جو کچھ اب تھا وہ اُن کی اپنی ذات ہی تک محدود تھا کیونکہ قریش میں بنی عدی میں سے کہیں کوئی ذی اثر شخص موجود نہ تھا جو اُن کی حمایت کرتا۔ وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے سے کسی طرح ڈرنے اور ہٹنے والے نہیں تھے۔ مگر کسی نئے تکرار کے کھڑے ہو جانے سے مسلمانوں کے معاملے کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا۔ حضرت عثمان کا قبیلہ یعنی بنی امیہ اس وقت مکہ میں سب سے قوی اور زور آور اور ذی رُعب تھا۔ پہلے بھی بنی ہاشم کے ساتھ اگر کسی کو ہمسری اور برابری کا دعویٰ تھا تو بنی امیہ کو ہی تھا جو اپنے آپ کو بنی ہاشم کا برابر درجہ کا رقیب سمجھتے تھے[2] اور دولت اور اقتدار کے لحاظ سے تو گویا واقعی یہی حال تھا۔ اب بنی ہاشم کی بزرگیاں تو بہت کچھ آنحضرت کی ذات بابرکات کے ساتھ منتقل ہوگئی تھیں اور بنی امیہ ہی کا بول بالا ہو رہا تھا۔ خود ابوسفیان جو ہر امر میں سرگروہ اور سردار تھا حضرت عثمان کا چچیرا بھائی تھا۔ پس اس اعتبار سے انہیں کا انتخاب مناسب تھا جس کو آنحضرت نے بھی پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو قریش کے پاس بھیجا مگر وہ اُن کی خواہش پر بھی راضی نہ ہوئے بلکہ اُن کو بھی قید کر دیا۔ اسی اثنا میں یہ خبر مشہور ہوئی اور آنحضرت تک پہونچی کہ حضرت عثمان کو قریش نے قتل کر ڈالا۔ اس پر آنحضرت صلعم نے لڑنے کا ارادہ کیا اور سب لوگوں سے لڑنے اور مرنے مارنے پر بیعت لی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۷۱ - مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۲۹ - مغازی واقدی صفحہ ۳۰۶
[2] دیباچہ لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۲ -

اور بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے مگر بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل ہونے کی خبر غلط تھی۔ اس کے بعد قریش مکہ نے سہیل بن عمرو کو صلح کا پیغام دے کر بھیجا بہت گفت و شنود کے بعد آنحضرت قریش کی شرائط معاہدہ سے رضامند ہوئے کہ مسلمان اس سال حج و عمرہ نہ کریں اور واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال حج و عمرہ کرنے آئیں مگر تین روز سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہریں۔ دس برس تک لڑائی آپس میں موقوف رہے۔ اگر کوئی شخص قریش مکہ میں کا بلا اجازت اپنے ولی کے آنحضرت کے پاس چلا آئے تو آپ اس کو قریش مکہ کے پاس بھیج دیں گے۔ اگر آں حضرت کے ساتھی قریشیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں چلا جائے تو قریش واپس نہیں دیں گے۔ جب یہ شرائط طے ہوگئیں مگر ابھی عہد نامہ تحریر نہیں ہوا تھا کہ حضرت عمر مسلمانوں کے ایسے ضعف اور عاجزی کی شرطیں منظور کر لینے پر غیرت سے طیش کھا کر درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس جا کر شکایت کی اور کہا کیا آنحضرت رسول اللہ اور ہم مسلمان نہیں ہیں اور کیا یہ مشرک اور کافر نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں ہیں۔ تو کہنے لگے کہ پھر ہم کیوں اپنے اور دین کے واسطے ایسی پستی اور ضعف گوارا کریں۔ پھر آنحضرت کے پاس جا کر بھی یہی کہا۔ مگر آپ کے سمجھانے سے مان گئے بلکہ آنحضرت کے منشا کے خلاف چاہنے پر اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اس کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا عہد کیا۔[1] جب عہد نامہ لکھا گیا تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور چند اصحاب کے دستخط بطور شہادت کے اس پر ثبت ہوئے۔ حضرت عمر کو معاہدے کی جو شرط سب سے زیادہ ناپسند تھی وہ یہی تھی کہ مسلمان قریش کے آدمی کو ان کے حوالہ کر دیں مگر قریش مسلمانوں کے آدمی کو واپس نہ دیں گے۔ اس کا ایک اشتعال انگیز نتیجہ جس کی طرف سے وہ ڈرتے تھے اسی وقت پیدا ہوا کہ سہیل کا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور اس کے باپ نے اسے قید کر رکھا تھا کسی طرح بھاگ کر آنحضرت کے پاس آ پہونچا اور مسلمانوں سے پناہ طلب کی۔ مگر سہیل نے معاہدہ کی شرائط کی پابندی پر اصرار کیا۔ آنحضرت تو معاہدہ کی پابندی سے پھرنے والے نہ تھے اور

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا بروایت ابن اسحاق۔

اُس کو اُن کے حوالہ کرکے چلا آنا پڑا۔ حضرت عمر کا دل بہت کڑہا اور وہ خوش ہوتے اگر ابا جندل اُن کی تلوار لے کر اپنے باپ کو قتل کر ڈالتا[۱] اسی سفر کی واپسی کے اثنا میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کے واسطے خوش خبری اور فتح کا مژدہ اور آیت سکینہ جو حضرت عمر کے خیالات سے زیادہ متعلق ہونی چاہئے تھی نازل ہوئی اور حضرت عمر ہی سب سے اول اس خوشخبری سے مشرف ہوئے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبہم فانزل السکینۃ علیہم واثابہم فتحاً قریباً۔

رات کو چلتے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلعم سے کسی امر کی نسبت سوال کیا مگر آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا مکرر سہ کرر سوال کرنے پر بھی آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا وہ اپنے خدا کے ساتھ مشغول تھے۔ حضرت عمر ڈرے اور متاسف ہوئے کہ آنحضرت کو ناراض نہ کیا ہو اور اپنے اونٹ کو ہانک کر آگے نکل گئے۔ تھوڑی دیر میں پکارے جانے کی آواز سنی اور آنحضرت کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے جو ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے اور پھر "انا فتحنا لک فتحاً مبیناً" پڑھا[۲]۔

ماہ جمادی الآخر سنہ میں خیبر کا مشہور جنگ ہوا جو مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف ایک مشہور اور نہایت مضبوط اور متعدد قلعوں سے مستحکم شہر تھا۔ اہل خیبر جن میں وہ تمام یہودی جو مدینہ سے جلاوطن ہوئے تھے اور بنی غطفان اور بنی اسد وغیرہ مشہور قبیلہ اُن سے جا ملے تھے۔ اور مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرتے تھے۔ اپنے مضبوط قلعوں پر نازاں تھے جب اُن کی آمادگی جنگ نے زیادہ شہرت پائی تو آنحضرت صلعم نے اس فساد کو مٹانے کے واسطے خیبر کی طرف کوچ کیا ایک مہینہ تک لڑائی رہی۔ حضرت عمر فوج میمنہ کے سردار تھے[۳]۔ کئی چھوٹے چھوٹے قلعہ فتح ہو گئے اور بنی غطفان اور بنی اسد اہل خیبر سے جدا ہو گئے۔ ایک رات کو جب لشکر کی حفاظت اور خبرداری کرنے کی حضرت عمر کی باری تھی وہ ایک یہود کو پکڑ لائے اُس سے

[۱] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء و مناہج النبوت [۲] ازالۃ الخفاء بروایت ابا یزید بن اسلم [۳] ازالۃ الخفاء و مناہج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۷۸ ، ۲۰

آنحضرت نے خیبر کا بہت کچھ حال دریافت کر لیا جو ایک بڑی وجہ حصول فتح کا ہوا۔ سخت سے سخت لڑائیاں ہوئیں حضرت عمر سے کئی دفعہ مقابلہ ہوا مگر مسلمانوں کی کامیابی مشتبہ رہی آخر ایک دن جب حضرت علی علیہ السلام لشکر اسلام کے سردار اور علم بردار تھے گھمسان کی لڑائی ہوکر حصن الوطیح اور حصن السلالم جو نہایت مضبوط قلعے تھے فتح ہوگئے اور یہودیوں نے امن کی درخواست کرکے صلح کرلی ۔

اب ایک بڑا معرکہ فتح مکہ کا پیش آنے والا تھا ۔ قریش سے جو حدیبیہ پر صلح ہوکر باہم معاہدہ ہوگیا تھا اُس کو قریش نے توڑ ڈالا اور آنحضرت کے پاس اُن کے خلاف عہد ظلم اور تعدی کی شکایتیں پہونچیں ۔ تو آنحضرت نے لشکر کے جمع کرنے کا حکم دیا اور اُن کو اُن کی عہد شکنی کی سزا دینے پر آمادہ ہوئے ۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے بلا اجازت آنحضرت کے قریش کو آنحضرت کے اس ارادے کی خبر بھیجی ۔ حضرت عمر یہ سنکر جوش میں آگئے اور کہا کہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے اور آنحضرت سے اُس کی گردن مارنے کی اجازت چاہی ۔ مگر آنحضرت نے فرمایا کہ یہ اہل بدر سے ہے جن کے واسطے معافی ہے ۔ حضرت عمر اپنے اس ارادے سے باز رہے ۔ ابوسفیان نے آنحضرت کی اس تیاری کی خبر سنکر عہد نامہ کی تجدید کرنی چاہی ۔ حضرت عمر اس کے نہایت مخالف تھے[2] اور آنحضرت نے بھی اس درخواست کو منظور نہ فرمایا کیوں کہ ان کے خلاف عہد ظلم سے درگذر کرنا ناممکن تھا ۔

آنحضرت ماہ رمضان سنہ ۸ھ میں اپنے لشکر کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوئے حضرت عباس عم رسول اللہ راستہ میں آنحضرت کو آملے اور دین حق کا اقرار کیا اور اسلام لائے ۔ ابوسفیان نے جب دیکھا کہ قریش پر ضرور لشکر کشی ہوگی تو خود آنحضرت کے پاس حاضر ہونے کا ارادہ کیا ۔ اور مسلمانوں کے لشکر کثیر کو دیکھ کر اور بھی حواس باختہ ہوا ۔ مسلمانوں میں کوئی اُس کی شفاعت کی حامی نہیں بھرتا تھا ۔ حضرت عباس نے اُس کی سفارش کرنی منظور کی اور آنحضرت کے پاس لے کر چلے ۔ حضرت عمر کو اُسے اس حال میں دیکھ کر اور وہ تمام ایذائیں جو اس کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو پہونچی تھیں

---

[1] ازالة الخفا عن خلافة الخلفا ۔ [2] ازالة الخفا ۔ [3] ازالة الخفا ۔

یاد کر کے طیش آنا ضروری تھا اسے دیکھ کر للکارا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن خدا کا شکر ہے بغیر عہد و پیمان کے تجھ پر قابو مل گیا اور بھاگ کر رسول اللہ کی طرف چلے۔ حضرت عباس جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں بھی رسول اللہ کی طرف بھاگا اور چونکہ میں خچر پر سوار تھا۔ حضرت عمرؓ سے پہلے پہونچ گیا۔ حضرت عمر جب پہونچے تو کہا کہ یا رسول اللہ آج ابو سفیان پر بغیر کسی عہد و پیمان کے قابو مل گیا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ اس کی گردن ماروں[1] میں نے کہا (حضرت عباسؓ کہتے ہیں) یا رسول اللہ میں نے اس کو امان دی ہے۔ غرض نتیجہ تو یہ ہوا کہ ابو سفیان کچا پکا اسلام کا اقرار کر کے اور اپنی حفاظت اور امن کا اقرار لے کر مکہ کو واپس چلا گیا۔ اور مسلمانوں نے آخر مکہ کو فتح کر کے خدا کے اس سب سے پہلے گھر کا جس کو دنیا میں سب سے اول خدائے واحد کو پہچاننے اور پکارنے والے کے بزرگ اور مقدس اور مبارک ہاتھوں نے بنایا تھا اور جس کے صرف وہی مستحق تھے قبضہ حاصل کر لیا۔ آنحضرت کوہ صفا پر بھی رونق افروز ہوئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور شکرانہ نعمت بجا لائے اور اسی جگہ بیٹھ گئے۔ حضرت عمر آنحضرت کی خدمت میں کھڑے تھے اور قریش میں سے جو لوگ بیعت کرنے آتے تھے ان کو بیعت کراتے تھے اسی طرح مردوں اور بعد ازاں عورتوں نے بیعت کی[2]

اسی طرح حضرت عمر اور باقی مشہور لڑائیوں حنین اور طائف اور تبوک وغیرہ میں شریک تھے حنین میں فوج کی ابتری اور پریشانی کے وقت آنحضرت صلعم کے پہلو میں ثابت قدم کھڑے تھے تبوک کی لڑائی میں اپنا نصف مال سامان لشکر کے واسطے نذر کیا۔ سریہ ذات السلاسل میں عمرو بن عاص کی امداد کو بھیجے گئے۔ غرض اپنی خدمات میں ممتاز اور جلیل تھے۔ ایک سریہ ان کے نام سے مشہور ہوا[3] آنحضرت نے بعض دفعہ دوسرے سرداروں شلاً ابو عبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص حتیٰ کہ اسامہ بن زید کے ساتھ بلکہ ماتحت کر کے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو بھیجدیا۔ مسلمان مورخ بعض اوقات اس کو تعجب سے دیکھتے ہیں کہ اول تو اس سے

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا۔ [2] مناہج النبوۃ صفحہ ۵۰۲ [3] مناہج النبوۃ صفحہ ۵۲۶

اُن کی بزرگی اور امتیاز میں کچھ فرق نہیں آتا تھا - بلکہ اُن کی تجربہ کاری اور معاملہ فہمی سے فائدہ اُٹھانا مقصود ہوتا تھا - اور عجب نہیں کہ آنحضرت صلعم کا یہ بھی خیال ہو کہ جو مساوات اور برادری اسلام نے اس نعمتِ عظمیٰ کے خوش نصیب شرکا میں قائم کی تھی وہ سب کے دل میں تازہ رہے اور کوئی کسی قسم کا خیال اُس کو اُن کے دلوں سے محو نہ کر دے - آنحضرت نے حضرت عمرؓ کو مدینہ کے صدقات پر عامل بنا دیا تھا - خود اُن سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے مجھے عامل مقرر کیا اور مواجب دینا چاہا مگر میں نے عرض کیا کہ مجھ سے جو زیادہ محتاج ہو اُسکو بخشیں[1] - درحقیقت حضرت عمرؓ ایک ایسے کام کے واسطے جس میں کچھ سختی اور مضبوطی درکار ہو نہایت ہی موزون تھے - زکوٰۃ اور صدقات کا دینا لوگوں کو گراں گذرتا ہی تھا اور وصول کرنے کے واسطے ایک ذی رُعب شخص کی ضرورت تھی جو ایک ایسے ضروری کام میں مراعات اور تساہل کو عمل میں نہ لائے - حضرت عمرؓ جس مضبوطی کے ساتھ کام کرتے تھے وہ حضرت عباس اور خالد بن ولید اور ابن جمیل کے زکوٰۃ نہ دینے اور آنحضرت کے پاس شکایت گذرنے کے واقعہ سے بخوبی ظاہر ہے - خود آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ "میری امت میں سے ابوبکر میری امت پر زیادہ مہربان ہے اور اللہ کے کام میں عمر زیادہ قوی ہے[2]" - درحقیقت یہ حضرت عمرؓ کا ایک مخصوص وصف تھا *

حضرت عمرؓ کی نسبت اُس زمانہ کے مشہور واقعات جو آنحضرت صلعم کی رفاقت اور مصاحبت میں گذرے غالباً ناکافی نہیں لکھے گئے ہیں - ان تمام حالات سے صاف طور پر جو کچھ اُن کی نسبت مستنبط ہوتا ہے وہ اُن کی عزت اور رعب اور ہیبت اور شان و شوکت اور جلال - شجاعت اور دلیری اور بہادری اور قوت اور توانائی اور مصائب اور تکالیف کے ساتھ صبر اور رضامندی اور اپنے حال پر قناعت اور غیرت اور حمیت اور دین اسلام اور بانیٔ اسلام کی محبت اور مودت نہیں بلکہ ایک فدائیانہ عشق اور اسلام کی نصرت اور حمایت کا اور خدا کے احکام کی اطاعت اور رسول اللہ صلعم کے ارشاد کی تعمیل کا جوش اور اسی قسم کے اوصاف اور عادات ہیں اور ان کے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا [2] ازالۃ الخفا باب سلوک و تصوف حضرت عمر

ساتھ ہی ساتھ ایک خاص عادت اور خاصہ طبیعت وہ سختی اور درشتی ہے جو کسی دوسری خصلت سے کم ممتاز نہیں ہے شاید وہ کسی کو اُن کے تمام قابل رشک اور بے نظیر اوصاف سے جدا گانہ معلوم ہو مگر یہ ایک غلطی کا نتیجہ ہوگا۔ خوب یاد رکھنا چاہئیے اگر ہم اس کو سختی اور درشتی کہیں تو ساتھ ہی یہ کہنا پڑے گا کہ وہ انصاف سے متجاوز اور انصاف کے خلاف، اور اُن کے مستحکم عقیدے اور اعتقاد اور ضروری مصلحت کے مخالف نہیں تھی تمام واقعات پر غور کرنے سے یہی امر ظاہر ہوگا۔ درحقیقت ہم اُس کو سختی اور درشتی اس واسطے کہتے ہیں کہ اُس کے ساتھ ہی ہماری آنکھوں کے سامنے آنحضرت صلعم کے رحم اور کرم اور مروت اور کریمانہ رعایت اور بخشش کو پیش کیا جاتا ہے۔ ورنہ بجائے خود وہ رائیں اور ارادے حضرت عمر کے عین انصاف اور عدل ہوتے تھے۔ قیدیان بدر کے قتل کرنے کی جو رائے حضرت عمر نے دی تھی اُس کی نسبت سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "حضرت عمر نے جو مجسم سخت انصاف اور عدل تھے محمد صلعم کو اُن کے قتل کردینے کی رائے نہایت اصرار سے دی[۱]" وہ ایسے سخت برتاؤ اور سختی کی رائیں جو مبنی بر انصاف ہوتی تھیں اس لئے دیتے تھے کہ کفار کی جمعیت شکستہ ہو اُن کے دلوں میں اسلام کا رعب اور ہیبت پیدا ہو اور اسلام کی نصرت اور غلبہ ظاہر ہو اور ایسے بدکردار اور ظالم لوگوں کو اُن کی بدی اور شرارت کی جائز سزائیں ملتی دیکھ کر دوسرے لوگوں کو عبرت اور نصیحت ہو اور پھر کسی کو ایسے فعل کے کرنے کی جرأت نہ ہو۔

مسلمانوں کے ساتھ اگر اس قسم کے سلوک کی کوئی مثال ہے تو وہ بھی اُن کے عقیدے کے رو سے عین مصلحت اور دور اندیشی پر مبنی ہے مثلاً ابوہریرہ کی حدیث کا واقعہ کہ وہ ابوبکر۔ اور عمر ایک دن آنحضرت کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آنحضرت صلعم درمیان سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ اور آپ کے دیر کرنے کے سبب متردد ہوئے اور ابوہریرہ حضرت کو تلاش کرنے نکلے جب آنحضرت ملے تو ابوہریرہ سے کہا جو تجھے اس باغ کے پیچھے ملے اور لا الٰہ الا اللہ پر یقین رکھتا ہو اُسکو بشارت دے کہ وہ جنتی ہے۔ حضرت عمر اُن کو سب سے پہلے ملے اور اُن سے یہ امر بیان کیا۔ انھوں نے ایک

[۱] لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۴۰

دوتہڑا اُن کی چھاتی میں مارا اور لوٹا کر آنحضرت کے پاس لے گئے اور کہا کہ لوگ اس پر بھروسہ کرکے عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو مصلحت بینی سے خالی نہیں ہے درحقیقت حضرت عمر کی کسی اس قسم کی رائے کو غیر نظر سے دیکھنا گویا انصاف اور مصلحت بینی پر الزام لگانا ہے۔ علاوہ ازیں کے ایک بڑی حکمت اور مصلحت اس قسم کی منصفانہ مگر سخت برتاؤ کرنے کی رائیں دینے سے جن پر درحقیقت بہت کم عمل کیا گیا ہے آنحضرت صلعم کی طبع کریم اور رحیم کے سامنے اس معاملہ کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرنے کا موقع ملتا تھا اور اُس سے کوئی نقصان عائد نہیں ہوتا تھا۔ خود حضرت عمر نے ایک خطبہ میں جو اُن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے دن فرمایا یہ کہا کہ "میں سُنتا ہوں کہ لوگ میری شدت سے ہیبت میں آ گئے ہیں اور میری سختی سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی موجودگی اور ابوبکر کی حکومت میں عمر ہم پر سختی کرتا تھا۔ جس نے یہ کہا سچ کہا۔ میں جناب رسول اللہ کے ساتھ ایک غلام اور خدمتگار کے مانند تھا اُن کی نرمی اور مہربانی اس درجہ کی تھی کہ اس صفت میں اُن کو کوئی نہیں پہونچ سکتا۔ خدا نے اُن کے ناموں میں اُنکو رؤف اور رحیم بھی نام دیے تھے اور میں ننگی تلوار کی طرح تھا جسکو وہ درمیان میں رکھتے تھے یا کام میں لاتے تھے[1] الخ"۔

اگر یہ قول حضرت عمر کا نہ بھی ہو تاہم جس نے کہا ہے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی اور واقفیت سے کہا ہے۔

حضرت ابوبکر کی رائے سے بڑھکر کوئی عمدہ فیصلہ اس بارے میں نہیں ہو سکتا کہ جب اُنہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے حضرت عمر کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے امر میں مشورہ لیا تو اُنہوں نے اس ارادے کو پسند کرنے کے ساتھ ہی حضرت عمر کی درشتی طبیعت کی طرف اشارہ کیا جسکے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا کہ[2] "اُس کی سختی اس وجہ سے تھی کہ میں زیادہ نرمی اور رحم کرتا تھا میں نے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا حکایات سیاست فاروق رض [2] انلس آف خلافت مولفہ سر ولیم میور۔

غور سے دیکھا ہے کہ جب میں کسی کے ساتھ سختی کرتا تھا تو عمر اُسکی سفارش کرتا تھا اور اگر زیادہ نرمی کرنے لگتا تو وہ سختی کی طرف مائل ہوتا تھا جب وہ خود والی مو رہو گا تو اُس کی درشتی طبیعت جاتی رہے گی ؛

اور جب کہ ہم حضرت عمر کی خود مختار خلافت کے زمانہ میں اُن کی اس خاص طبیعت اور عادت میں ایک بہت بڑا تغیر اور انقلاب پاتے ہیں تو ان اقوال کی صحت پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتے اگر سچ پوچھو تو حضرت عمر کی نسبت اُن کی اس قسم کی طبیعت اور راؤں کو ایک منصفانہ اور مصلحت سختی قرار دینے کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلچسپ اور ناطق فیصلہ کے روبرو کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت فرمایا کرتے تھے جیسا کہ قیدیان بدر کے فیصلہ کے موقع پر فرمایا تھا کہ " ابو بکر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی مانند ہیں جو رحم کے وکیل تھے اور عمرؓ نوحؑ اور موسیٰؑ سے مشابہ ہیں جو انصاف کے وزیر تھے[1] "۔

بایں ہمہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر کی ابتدائی طبیعت کی شہرت اور پچھلے اتفاقات کے اثر اور حق گوئی سے جس کی نسبت خود آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ "عمر حق کہتا ہے اگرچہ کڑوا ہو اور حق کہنے سے اُس کا کوئی دوست نہیں رہا[2] " اُن کا رعب اور خوف اور ہیبت سب کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی آنحضرت صلعم بھی ایسے موقعوں پر اُنہیں کو یاد فرماتے تھے اور اس قسم کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً ایک دن امہات المومنین ازواج مطہرات آنحضرت صلعم کے ساتھ کسی بات پر جھگڑ رہی تھیں اور بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت عمر آنحضرت کی طرف گئے اور دروازے پر جا کر اندر آنے کا اذن طلب کیا حضرت عمر کی آواز سُنکر سب کی سب بھاگ کر پردے میں چلی گئیں۔ جب حضرت عمر اندر گئے تو آنحضرت کو مسکراتے ہوئے پایا۔ حضرت عمر نے کہا کہ خدا ہمیشہ آپ کو ہنستا ہوا دکھائے حضور کس بات پر ہنس رہے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں اس بات پر تعجب سے ہنس رہا ہوں کہ یہ عورتیں میرے سامنے تو شور کر رہی تھیں مگر جب تمہاری آواز سُنی

[1] لیف آف محمد مولفہ سر ولیم میور حاشیہ صفحہ ۲۴۰ و تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ۔ [2] تحفۃ المومنین۔

تو بھاگ کر پردہ میں چلی گئیں حضرت عمر نے اُن کو آواز دے کر کہا کہ اے اپنی دشمنوں تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلعم سے نہیں خوف کرتی ہو۔ آنحضرت نے کہا کہ ہاں تمہاری سختی کے سبب سے تم سے ڈرتی ہیں۔ اور تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے کہ جس راستہ تم جاتے ہو شیطان اُس راستہ سے نہیں گذرتا[۱]۔ اسی طرح ایک دن ایک حبشی لڑکی دف لئے ہوئے آنحضرت کے سامنے آئی اور کہا کہ میں نے منت مانی تھی کہ جب آپ سفر سے مع الخیر واپس آویں گے آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ چنانچہ وہ دف بجانے اور گانے لگی اسی اثنا میں حضرت ابوبکر حضرت علی اور حضرت عثمان آگئے اور وہ بدستور بجاتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عمر آئے تو اُن کو آتا دیکھ کر دف کو اپنے نیچے رکھ کر ڈر کے مارے خاموش اُس پر بیٹھ گئی۔ آنحضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ "اے عمر تجھ سے شیطان بھی ڈرتا ہے[۲]" اور بھی اس قسم کے واقعات ہیں کہ مثلاً ایک دن آنحضرت کے مکان کے قریب کچھ شور و غل کی آواز سنائی دی۔ آپ نے اُدھر دیکھا تو ایک عورت اُچھل کود رہی تھی اور لوگ اس کے گرد تماشہ دیکھنے کو جمع ہوئے تھے۔ آنحضرت نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ یہ تماشہ دیکھو اور وہ دیکھنے لگیں اتنے میں کہیں سے حضرت عمر آ گئے۔ تماشہ دیکھنے والے سب لوگ اُن کو دیکھ کر بھاگ گئے اور حضرت عائشہ بھی ہٹ گئیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر سے جن اور انس اور شیاطین سب ڈر کے مارے بھاگتے ہیں[۳]"۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عمر کا شیطان اُن کو خطا کا حکم کرنے سے ڈرتا ہے[۴]"۔

اس قسم کے تمام واقعات جو بیان ہوئے ہیں جن پر حضرت عمر نے ایسی ایذا دی ہیں جن کے مطابق آنحضرت صلعم نے عمل نہیں فرمایا بلکہ رحم اور رعایت کو عمل فرمایا ہے یہی وہ تمام واقعات ہیں جو خصوصیت سے مورخین اور راویوں نے بیان کر دیے ہیں۔ ورنہ اس زمانہ دراز کی رفاقت

---

[۱] بخاری و مسلم و مشکوٰۃ باب مناقب حضرت عمر [۲] ترمذی و مشکوٰۃ [۳] ترمذی مشکوٰۃ [۴] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک حضرت عمر۔

اور مصاحبت میں جب کہ وہ آنحضرت کے ساتھ ہمدم اور ہمساز تھے اور تمام امور اصلاح امت اور فلاح مسلمانان اور انتظام دُنیا میں صلاح کار اور شریک اور حصہ دار تھے۔ حضرت عمرؓ ایک مشیر با تدبیر اور دبیر دانشمند کے مانند تھے اُن کی رائے سب سے زیادہ صائب ہوتی تھی۔ آنحضرت کی حدیث میں ہے کہ "خدا نے حق کو عمر کے دل اور زبان پر جاری کیا ہے" اور فرمایا کرتے تھے کہ "عمر میرا مشیر ہے"[۱] حضرت علیؑ کا قول ہے کہ "عمر اگر کوئی بات کہتے تو قرآن اُس کی تصدیق میں نازل ہوتا"[۲] عبداللہ ابن عمر کا قول ہے کہ "اگر اصحاب رسول اللہ صلعم کسی امر میں مختلف الرائے ہوتے اور اختلاف حضرت عمر کے ساتھ ہوتا تو حضرت عمر کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوتا"[۳] حضرت علی کا ایک یہ قول بھی ہے کہ "ہماری بہنوں کی یہ رائے تھی کہ سکینہ عمر کی زبان پر بولتی ہے" یعنی اُن کی رائیں اور قول طمانیت اور تسلی بخش ہوتے ہیں۔ غرض حضرت عمر کی اعلیٰ صوابت رائے اور فضل دانشمندی اور عقل اور ذہانت اور حسن قوائے دماغی کا جو بجائے خود ملکہ نبوت کا ایک جزو ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اُنکی بہت سی رائیں احکام الٰہی اور منشائے ایزدی کے موافق ہوئی ہیں اور وہ حضرت عمرؓ کی "موافقات" کہلاتی ہیں شمار اُن کا بعضوں نے بیس تک بیان کیا ہے مگر زیادہ مشہور مقام ابراہیم کو مصلی بنانا۔ اور عورتوں کے پردے کا حکم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوئے ہیں[۴]۔ قیدیان بدر کے باب میں ہم حضرت عمرؓ کی رائے کو موافقات میں سے نہیں سمجھتے۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی

واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب

عبداللہ بن ابی بن سلول جو نہایت سخت منافق تھا جب مر گیا تو اُس کے بیٹے نے آنحضرت کو نماز جنازہ پڑھنے کے واسطے کہا۔ حضرت عمر مانع آئے اور کہا کہ ایسے منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے۔ آنحضرت نے نہ مانا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں

---

[۱] تحفۃ المحبین بروایت ابونعیم [۲] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک [۳] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف وسلوک [۴] ازالۃ الخفا باب موافقات وتاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ۔

اکڑ میں اچھل پڑا اور اُس کے منافقانہ اقوال اور افعال کو بہت زور سے بیان کیا۔ مگر آنحضرت صلے اسپر بھی مسکرا کر فرمایا کہ اے عمرہٹ جا لیکن میں باز نہ آیا۔ آخر آنحضرت نماز جنازہ پڑھنے کو تشریف لے گئے جب واپس آئے تو سورہ براۃ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں[1]۔ ولا تصل علی احد منہم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ وھم فاسقون ٭

حضرت عمر کہتے ہیں میں حیران تھا کہ اتنی جرأت اُس روز مجھ میں کیوں کر پیدا ہوئی ٭

شراب کی حرمت کا حکم حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوا ہے وہ حرمت شراب کے نہایت خواہاں تھے۔ اس کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الخمر والمیسر۔ الآیۃ۔ تو اسپر بھی اُنکی تشفی نہ ہوئی اور خدا سے دعا مانگتے رہے کہ خدایا شراب کے بارے میں ہمارے واسطے حکم شافی نازل کر۔ اُس کے بعد یہ آیت یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکارٰی الآیۃ۔ نازل ہوئی مگر اس پر بھی حضرت عمر کا اطمینان نہ ہوا اور آخر یہ آیت یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر۔ الآیۃ۔ نازل ہوئی حضرت عمر نے جب سُنی تو کہا کہ خدایا اب ہم اپنے مطلب کو پہونچ گئے اِسی طرح اذن لے کر کسی کے گھر میں داخل ہونے کا حکم حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوا ہے[2] ٭

جب یہ آیت نازل ہوئی ولقد خلقنا الانسان من طین اور حضرت عمر نے سُنی تو اُنکے مُنہ سے یہ نکل گیا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین آنحضرت نے سن کر یہ بھی فرمایا کہ "اے عمر تو قرآن میں زیادتی کرتا ہے"۔ مگر اس کے بعد یہی آیت نازل ہوئی۔ اِسی طرح آیت من کان عدوا لجبریل و میکال الخ میں حضرت عمر کے الفاظ کے ساتھ تطابق واقع ہوا ٭

اسی سے حضرت علیؓ کہا کرتے تھے کہ "ہم قرآن میں عمر کی رائے سے رائے اور کلام سے کلام پاتے تھے[3]"۔ اسی قسم کی اور روایتیں بھی ہیں جن سے حضرت عمر کی صائب رائے اور پختگی دماغ معلوم ہوتی ہے۔ دُنیوی امور میں بھی اُن کی رائے اور اُن کا مشورہ ایسا ہی پسندیدہ اور مناسب

---

[1] ازالۃ الخفا باب موافقات۔ [2] ازالۃ الخفا باب موافقات۔ [3] ازالۃ الخفا باب موافقات ٭

ہوتا تھا۔ جیسے کہ ایک دن ایک لڑائی کے موقع پر اصحاب رسول اللہ کے پاس کھانے پینے کی اشیا خرچ ہوگئیں اور جب بھوک سے بے تاب ہوئے تو آنحضرت صلعم کے پاس آکر اپنے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت مانگی۔ آنحضرتؐ کا ارادہ اجازت دیدینے کا تھا کہ حضرت عمر نے روکا اور کہا کہ یارسول اللہ اگر ہم اپنی سواریوں کو ذبح کرلیں گے تو بھوکے اور اس پر پیادے دشمن سے کیا لڑیں گے آنحضرت نے فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ بعض لوگوں کے پاس کھانے کو بالکل نہیں رہا اور بعض کے پاس تھوڑا بہت موجود ہے سب کو حکم دیا جائے کہ اپنا تھوڑا بہت بچا ہوا کھانا اور پانی لے کر جمع ہوں سب کو ایک جگہ اکٹھا کرکے شریک ہوکر کھالیں۔ چنانچہ آنحضرت نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمر کی یہ تدبیر ایسی کارگر ہوئی کہ کوئی شکایت باقی نہ رہی[۱] تمام چھوٹے بڑے امور میں جن میں آنحضرت وحی سے حکم اور ہدایت نہیں پاتے تھے حضرت عمرؓ سے مشورہ کرتے تھے جیسے کہ شام کی لڑائی کی نسبت آنحضرت نے حضرت عمر سے ایک دن دریافت کیا تھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اگر خدا کا حکم ہو تو آگے بڑھنا چاہئے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو تم سے صلاح لینے کی کیوں ضرورت ہوتی[۲] لیکن اگر سچ پوچھو تو حضرت عمر کی روشن خیالی اور خوبی رائے اور پختگی دماغ کے ثبوت میں اس قسم کی دلائل پیش کرنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہے جبکہ خود آنحضرت صلعم کا یہ مبارک قول موجود ہے کہ "دوسری امتوں میں محدث ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو عمر ہے[۳]" اور سب سے بڑھ کر آنحضرت کا یہ قول کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر خطاب ہوتا[۴]" یہی مطلب ایک دلچسپ پیرایہ میں آنحضرت نے اپنے ایک خواب کی تعبیر سے بیان فرمایا کہ "سوتے میں میرے پاس ایک دودھ کا پیالہ بھرا ہوا لایا گیا میں نے جب سیر ہوکر پی لیا تو بچا ہوا عمر خطاب کو دیدیا[۵]" آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر اور عمر میرے وزیر ہیں۔ جس امر میں وہ دونوں متفق

---

[۱] ازالۃ الخفا باب موافقات [۲] دی سارسینز مولفہ گلمین منہاج النبوۃ [۳] ازالۃ الخفا۔ [۴] ترمذی۔ مشکوۃ ازالۃ الخفا۔ [۵] بخاری۔ مسلم۔ مشکوۃ۔

ہوں گے میں مخالفت نہیں کروں گا۔"

حضرت عمرؓ کو جو قرب اور یگانگت اور بے تکلفی اور محبت آنحضرت صلعم کی ذات پاک کے ساتھ تھی وہ تمام واقعات سے بخوبی ظاہر ہو چکی ہے اور بھی واقعات اس قسم کے ہیں کہ مثلاً اکثر آپ گفتگو میں فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ نے فلاں کام کیا اور میں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ نے فلاں کام کیا۔ اور میں ابوبکرؓ اور عمرؓ فلاں جگہ گئے اور میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ یہ چاہتے ہیں[1]" ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ آنحضرت کے سامنے آئے تو دیکھ کر فرمانے لگے کہ "یہ دونوں بمنزلہ میری شنوائی اور بینائی کے ہیں[2]" حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلعم بے تکلف کچھ جسم کھولے ہوئے گھر میں بیٹھے تھے اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آ گئے اور اذن حاصل کر کے اسی حال میں چلے آئے اور پھر حضرت عمرؓ آئے اور وہ بھی اسی حالت میں چلے آئے بعد ازاں حضرت عثمانؓ آئے تو آنحضرت نے اپنے کپڑے درست کر لئے[3] انسؓ کا قول ہے کہ آنحضرت جب مسجد میں تشریف لاتے تھے تو صحابہ میں سے کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں۔ مگر ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں آنحضرت صلعم کی طرف دیکھتے تھے اور مسکراتے تھے اور آں حضرت ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے[4]۔ وحی کے لکھنے کی سب سے بڑی ذمہ داری کا کام صرف حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ کرتے تھے[5] بایں ہمہ آنحضرت صلعم کا ادب اور تعظیم اور اطاعت اور فرماں برداری جو ان کا ایمان تھا ان کے خمیر میں داخل تھا۔ بارہا حضرت عمرؓ آنحضرت کے ساتھ کسی امر میں اختلاف کرنے پر افسوس سے گھٹنوں بیٹھ کے روتے تھے[6]۔ ایک دن جب بنو تمیم نے آنحضرت سے عرض کیا کہ ان پر کوئی سردار مقرر کیا جائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں انتخاب میں اختلاف ہو گیا اور جھگڑتے ہوئے بلند آواز سے باتیں کرنے لگے۔ اسی پر جب یہ آیت یا ایها الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الخ نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے قسم کھائی کہ آنحضرت کے روبرو کبھی بلند آواز سے باتیں نہ کروں گا[7]۔ آنحضرت صلعم

---

[1] بخاری مسلم۔ مشکوٰۃ [2] ترمذی مشکوٰۃ [3] مسلم و مشکوٰۃ [4] ترمذی و مشکوٰۃ [5] ازالۃ الخفا [6] ازالۃ الخفا و مناہج النبوۃ [7] مناہج النبوۃ صفحہ ۲۴۲۔

اپنے اصحاب خاص کی عزت اور امتیاز اور اُن کو ہر وقت اپنے قریب رکھنے کے خیال سے اُن کو باہر کسی کام پر نہیں بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دور دراز ممالک میں قاصد بغرض تبلیغ پیغام حق بھیجنے تجویز کئے اور بھیجے تو لوگوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر اور عمر کو کیوں نہیں بھیجتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ دین کے کان اور آنکھ کے بمنزلہ ہیں اور میں اُن کا اتنا کم محتاج نہیں ہوں کہ علیٰحدہ کر دوں[1]۔ آنحضرت صلعم کی تکالیف دیکھ کر اُن کے دل کراہتے اور پیچ و تاب کھاتے تھے۔ مثلاً ایک دن جب آنحضرت اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہوئے تھے اور حضرت عمر نے کہا تھا کہ اگر آں حضرت خوش ہوں تو اپنی بیٹی حفصہؓ کی گردن مار دوں۔ حضرت عمر آں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ تہ بند باندھے بوریے پر پڑے ہیں اور بوریے کی تیلیاں جو جو بدن مبارک میں چبھی ہیں تو نشان پڑ گئے ہیں۔ پھر جو حضرت عمر کی نگاہ طاقوں پر پڑی تو دیکھا کہ ایک طاق میں کوئی آدھ سیر کے قریب جو ہیں ذرا سا پنیر دھرا ہے اور وہیں پاس پانی کا ایک مشکیزہ لٹک رہا ہے اور یہی کل سامان ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ "یہ تکلیف اور بے سامانی دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اختیار رو دیا[2]"۔

حضرت عمر کی اس سے بڑی خواہش کوئی نہ تھی کہ آنحضرت صلعم کے قدموں میں اُن کے سامنے شہید ہو جائیں۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے اُن کو "شہید" کے لقب سے ممتاز فرمایا تھا اور اکثر شہید کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ مثلاً جب آپ ایک دفعہ پتھر پر کھڑے ہوئے حضرت ابوبکر اور عمر ساتھ تھے پتھر ہلا تو آپ نے فرمایا کہ مت ہل۔ تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید کے سوا کوئی نہیں۔ اسی قسم کی اور بھی روایتیں ہیں۔

حضرت عمر اور ایسے ہی حضرت ابوبکر کے فضائل اور مناقب میں بیشمار حدیثیں کتب احادیث میں منقول اور مندرج ہیں۔ مگر ہم کو اکثر اُن میں سے وضعی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً رویا ر قلیب کی حدیث وغیرہ۔ بعض میں اُن میں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوا ہے کہ آنحضرت کے بعد حضرت ابوبکرؓ

[1] ازالۃ الخفا۔ [2] مناہج النبوۃ وغیرہ۔

اور اُن کے بعد حضرت عمر کا خلافت کے واسطے حق تھا۔ بعض میں حضرت ابوبکر کا اپنی خلافت میں آں حضرت کی کامل پیروی کے ساتھ عمل کرنا اور پھر حضرت عمر کا اُسی کام کو اُسی طرح بڑے پیمانہ پر کرنا بیان ہوا ہے۔ مگر یقینی یہ حدیثیں اُس وقت وضع کی گئی ہیں جبکہ ان کے ممدوح اور موضوع اِس دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ہماری رائے میں تو جیسے کہ ہم دیباچہ میں بیان کر چکے ہیں۔ ایسی کوششیں فضول اور بیکار تھیں اور ہم حیران ہیں کہ کیا ضرورت تھی اُن مستغنی الفضائل والمناقب بزرگان دین کی بزرگیاں ایسی صورت میں اور اس طریق سے بیان کرنے کی جو سرتاج اور فخر تھے اِس گروہ اور اُس جماعت کے جن کی نسبت خود خدا نے فرمایا۔

"کُنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ"

اور پھر فرمایا۔

فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا لاکفرن عنھم سیئاتھم ولادخلنھم جنات تجری من تحتھا الانھار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب۔

اور پھر فرمایا۔

والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعدلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا۔

اور پھر فرمایا۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ الخ۔

اور پھر فرمایا۔

والذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین اووا ونصروا اولٰئک ھم المؤمنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم۔

غرض جن کی تعریف خود باریتعالٰی نے فرمائی ہو اور اُن کے فضائل بیان کیے ہوں وہ کسی دوسرے کی حمایت اور سفارش کے کیا محتاج ہو سکتے ہیں؟

زعشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است - بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اَب ہم اُس زمانہ کے قریب پہونچتے جاتے ہیں جبکہ وہ آسمان رحمت الٰہی کے آفتاب اور فیض یزدانی کا سایہ رحمت اللعالمین (روحی فداک یارسول اللہ) اِس ناپایدار دنیا سے جس کو اُنھوں نے خداوند کریم کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں اور بخششوں سے مالا مال کردیا تھا رخصت ہونے والے تھے اور وہ بزرگ تنا سے جو اُس آفتاب عالمتاب کی روشنی سے روشن ہوئے تھے اپنی مبارک روشنیوں کے ساتھ اس دنیا میں فیض ربانی کی برکتوں کو جاری رکھنے کے واسطے اکیلے رہ جانے والے تھے ؛

آنحضرت صلعم نے دسویں سال ہجرت میں مکہ تشریف لے جانے اور حج ادا کرنے کا ارادہ کیا جو سب سے آخری حج ہونے کے سبب سے حجۃ الوداع کہا جانے والا تھا - حضرت عمرؓ حجۃ الوداع میں موجود تھے اور اُن تمام مواعظ سے فیضیاب ہوئے جو آنحضرت نے اپنی اُس بے نظیر تقریر میں جو دنیا میں یادگار ہے فرمائے حج سے واپس جاکر بہت زمانہ نہ گذرا تھا کہ آنحضرت صلعم بیمار پڑ گئے اور ضعف اور بیماری دن بدن بڑھتی گئی حضرت عمر پاس تھے اور اس کیفیت کو دیکھ کر دیوانہ ہوئے جاتے تھے - آخر دنیا کے واسطے وہ ماتم کا دن آن پہونچا اور آنحضرت صلعم اِس دنیا سے سدھارے - مدینہ میں وہ قیامت کا دن تھا - مگر حضرت عمر کا حال سب سے ابتر تھا - اُن کو آنحضرت کی نعش مبارک دیکھ کر بھی یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت انتقال فرما گئے ہیں دیوانہ وار لوگوں میں دوڑتے تھے اور اُن کو بھی اسی بات کا یقین دلاتے تھے کہ حضرت زندہ ہیں مغیرہ جو پاس کھڑا تھا اُس نے حضرت عمر کو اُن کی غلطی کا یقین دلانے کی بیفایدہ کوشش کی - اُنھوں نے اُسکو بھی جھڑک دیا اور کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے اور شیطان نے تجھے بہکا دیا ہے پیغمبر خدا وفات نہیں پائیں گے جب تک کہ ایک منافق اور کافر بھی باقی ہوگا - تمام لوگ جو آنحضرت کی وفات کی خبر سُنکر صحن مسجد میں جمع ہوئے تھے حضرت عمر کی مجنونانہ اور پر جوش بلند آواز اور کلمات سے اُنہیں کی طرف متوجہ ہوگئے اور اُن کو گھیر کر کھڑے ہوگئے - وہ اپنی اُسی دُھن میں

ویسی ہی تقریر کرتے گئے اور یہی کہتے گئے کہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں کہ حضرت وفات پا گئے ہیں۔ تم اس پر ہرگز یقین نہ کرنا حضرت موسیٰ کی طرح وہ اپنے خدا کے پاس گئے ہیں اور پھر واپس آئیں گے۔ جو کہے گا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں گے۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر اس پر الم خبر کو سن کر آئے اور حضرت عمر کی مجنونانہ باتیں سن کر پاس سے گذر گئے اور پھر واپس آکر مسجد میں لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جہاں حضرت عمر بدستور اپنے جوش اور از خود رفتگی میں لوگوں میں کھڑے ہوئے تقریر کر رہے تھے حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے عمر چپ ہو جاؤ اور خاموش بیٹھ جاؤ۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس ممانعت کی بھی کچھ پروانہ کی اور اپنی وہی باتیں کرتے رہے۔ حضرت ابوبکر نے مجمع کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آں حضرت وفات پا گئے ہیں اور خدا نے کیا اُن کو نہیں فرمایا تھا کہ "انك میت وانہم میتون" اور فرمایا ما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افان مت فہم الخالدون اور پھر یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول ۵ قد خلت من قبلہ الرسل افاین مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم الخ تا میت وانہم میتون۔

قرآن کے الفاظ کے حضرت عمر کے کانوں پر پڑنے سے گویا وہ نیند اور بے ہوشی سے بیدار ہو گئے اُن کا اپنا قول ہے کہ جب یہ آیات میں نے حضرت ابوبکر سے سنیں مجھ پر ہیبت طاری ہوئی اور اعضا پر لرزہ پڑ گیا۔ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے وفات پانے کا یقین ہو گیا اور میں گر گیا +

# تیسرا باب

## خلافت کے واسطے حضرت ابوبکر کا انتخاب - اندرونی خطرناک بغاوتیں
## خلافت میں حضرت عمرؓ کا دخل - آغاز فتوحات

اصحاب رسول اللہ صلعم ابھی آنحضرت کی تدفین اور تکفین کی فکر میں تھے اور اُس المناک جدائی کے صدمہ کو ایک دو ہی گھنٹے گذرے تھے اور اُس ماتمی دن کی ابھی شام بھی نہ ہوئی تھی حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ جو کہ بقول سر ولیم میور کے "یہی دو شخص تھے جن پر اسلام کی آیندہ قسمت کا مدار اور انحصار تھا"[١] وہیں مسجد میں موجود تھے - جب کہ ایک شخص بھاگا ہوا اُن کے پاس آیا اور آکر خبر دی کہ اعیانِ مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ اپنے میں سے ایک شخص کو اپنے لئے سردار منتخب کریں - درحقیقت مدینہ میں جو منافقانہ عنصر موجود تھا اُس نے قومی مساوات اور رقیبانہ حقوق کی آڑ میں اہل مدینہ کو اتنی جلدی اس امر پر برانگیختہ کر دیا کہ اپنے میں سے ایک سردار اپنے واسطے منتخب کریں - اور قریش اور مہاجرین اہل مکہ کے بار حکومت کو اپنے کندھوں سے اُتار دیں اور سعد بن عبادہ کو جو بنی خزرج کا سر گروہ تھا اُنہوں نے موسوم بھی کر دیا تھا - بقول سر ولیم میور کے "وقت نازک تھا - اور اسلام کا آیندہ اتفاق و اتحاد معرضِ خوف و خطر میں تھا"[٢] حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اس خبر کو سُنکر ایک لمحہ بھی ضایع نہ کیا اور موقع پر پہونچنے کے واسطے اُٹھ کھڑے ہوئے - ایک تیسرا رفیق عبیدہ بن جراح راستہ میں اُن کے ساتھ ہو لیا - انصار میں سے دو شخص جو اسی مجمع میں سے آرہے تھے راستہ میں ان اصحاب ثلٰثہ کو ملے اور دوستانہ طریق سے اُن کو اُس خطرے کی طرف جس میں وہ اپنے آپ کو ڈال رہے تھے مطلع کیا - مگر اُس

---

[١] کتاب انلس اوف ارلی خلافت Annals of Early Khilafat مولفہ سر ولیم میور صفحہ (٢) [٢] انلس اوف ارلی خلافت مولفہ سر ولیم میور صفحہ (٣)

بھاری خوف کے مقابلہ میں ایسے خطرے کا خیال اُن کو روک نہیں سکتا تھا انصار نے بھی سعد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی کہ یہ تینوں اصحاب سقیفہ میں پہونچ گئے[1] جب انصار نے اُن کو دیکھا تو کہنے لگے کہ تم مہاجر ہو اور تمہارا فخر بڑا ہے۔ لیکن ہم نے بھی بہت رنج اُٹھایا ہے اور چاہتے ہیں کہ اپنے میں سے ایک امیر مقرر کریں[2]۔ حضرت عمر جن کا چند ساعت پہلے کا جوش ابھی کم نہیں ہوا تھا چاہتے تھے کہ اس کے جواب میں تقریر کرنے کو کھڑے ہوں مگر حضرت ابوبکر نے اُن کی تند مزاجی اور سخت گوئی سے ڈر کر اُن کو روک دیا اور خود تقریر کرنی شروع کی اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے کہا کہ ہر ایک لفظ جو انصار نے اپنی تعریف میں کہا ہے وہ درست اور صحیح ہے لیکن نسبی شرافت اور رعب و دبدبہ میں قریش سب سے افضل ہیں اور سوائے اُن کے عرب کسی کی اطاعت میں سر نہ جھکائے گا اس پر انصار نے کہا کہ اچھا یوں ہونے دو کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے۔ حضرت عمر نے کہا دور ہو۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ دو امیر ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ انصار اور سعد کی طرف سے حباب مباحثہ کرنے کھڑا ہو گیا اور رنج اور غصہ کے الفاظ زبان پر لانے لگے۔ حضرت عمر اُس سے خفا ہوئے اور کہا کہ خدا تجھے غارت کرے اُس نے بھی ایسے ہی الفاظ کہے۔ حضرت ابوبکر گھبرائے کہ اس غصہ اور غضب سے معاملہ دگرگوں نہ ہو جائے اور آگے بڑھ کر انصار کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ دو آدمی تمہارے سامنے کھڑے ہیں (حضرت عمر اور ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا) اِن دونوں میں سے جسکو تم چاہتے ہو منتخب کر لو اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کرو حضرت عمر نے نہایت بلند آواز سے جس سے تمام مجلس گونج اُٹھی کہا کہ نہیں رسول اللہ تمہارے لئے پہلے ہی سے امامت کا حکم دے چکے ہیں تو ہی ہمارا امیر ہے اور مجھ سے افضل ہے حضرت ابوبکر نے اِس کے جواب میں کہا کہ "تو مجھ سے زیادہ قوی ہے"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ[3] تو رسول اللہ کے بعد خیر الناس یعنی سب آدمیوں سے

---

[1] اَنلس اوف ارلی خلافت مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۴ - و کتاب راٹیز اینڈ ڈی کلائن اوف خلافت (خلافت کا عروج اور زوال) مولفہ سر ولیم صفحہ ۴

[2] تاریخ طبری فارسی نسخہ صفحہ ۴۳۵

بہتر ہے۔" حضرت ابوبکر نے اس کے جواب میں کہا کہ "میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ عمرؓ سے اچھے کسی شخص پر آفتاب نہیں طلوع ہوا[1]۔" مگر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ لیکر اُسپر بیعت کی۔ اُن کی بلند آواز نے مسلمانوں کے دلوں کو گویا ہلا دیا تھا[2] اور حضرت ابوبکر کے فضائل یاد دلا دیے تھے اب اُن میں بھی ایک جنبش پیدا ہوئی اور بیعت کرنے کے واسطے بڑھنے لگے[3]۔ حباب نے بنی خزرج کو برگشتہ کرنے کی پھر کوشش کی مگر بنی اَوس کے بیعت کر لینے سے بنی خزرج بھی اُن کی تقلید کرنے پر مجبور ہوئے اور وہ پُرخطر ہنگامہ فرو ہوگیا ۔

اسی اثنا میں آنحضرت صلعم کے غسل اور تکفین سے فراغت ہو چکی تھی اور رات نے دن کے کاموں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اگلے دن صبح کو جب لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو حضرت ابوبکر اور عمرؓ اُن کی ملاقات کے واسطے نکلے۔ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر اُس عظیم مجمع کو خطاب کیا اور کہا کہ اے لوگو کل جو کچھ میں نے تم* سے کہا وہ صحیح نہیں تھا۔ اور وہ خدا کی کتاب اور اُس کے وعدہ کے خلاف تھا۔ میں تو اپنی اِس خواہش کے خیال سے کہتا تھا کہ پیغمبر خدا ابھی اَور زیادہ دنوں تک ہم میں رہتے اور اپنی زبان مبارک سے ہم کو نصیحت اور ہدایت کرتے۔ لیکن خدا نے اُن کو ہمارے پاس سے اپنے پاس بُلا لینا پسند کیا ہے۔ مگر خدا کا کلام جو خدا نے ہماری ہدایت کے واسطے اپنے رسول کو بخشا ہے وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اُس پر عمل کرو اُس کو اپنا ہادی بناؤ اور تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اور اب خدا نے تمہارے امور کے انتظام کو اُس شخص کے ہاتھوں میں سپرد کیا ہے جو ہم سب سے افضل اور بہتر ہے۔ جو خدا کے رسول کا رفیق اور اُس وقت کا جب کہ وہ غار میں تھے ایک ہی ساتھی ہے اُٹھو اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کرو[4]۔ پس لوگ سب طرف سے آنے لگے اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر عوام الناس نے بروز سہ شنبہ چودھویں ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری مطابق ۹ جون ۶۳۲ء کو

---

سلہ [1] انلس اوف ارلی خلافت مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۴ و ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفا باب مآثر حضرت صدیق۔

سلہ [2] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۴ سلہ [3] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۴۔

سلہ [4] لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۵۔

بیعت کی۔ بنی خزرج میں سے سعد نے بیعت نہیں کی تھی اور قریش میں سے حضرت علیؓ نے تامل سے بیعت کی۔ بعض کہتے ہیں چالیس روز بعد اور بقول بعض چھ ماہ بعد اور یہی عام روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی وفات پر جو آنحضرت صلعم سے چھ ماہ بعد واقع ہوئی حضرت علیؓ نے دل سے بیعت کا اظہار کیا سر ولیم میور اس روایت کو محض بے بنیاد خیال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علی کے بیعت نہ کرنے پر ان کے مکان کو آگ لگا دینے کی دھمکی دی ہو اور اسی طرح طلحہ اور زبیر کے بیعت نہ کرنے کی روایت کو نہیں مانتے ہیں[1]۔

آنحضرت کی تدفین سے فارغ ہو کر جس موقع پر کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے نہایت پُر درد و جوش کے ساتھ دعائیہ کلمات کہے[2] سب سے پہلے جس کام کا حضرت ابوبکر کو خیال آیا وہ اسامہ بن زید کو سرحد شام پر اس غزوہ کے واسطے بھیجنے کا تھا جو آنحضرت صلعم کے آخر وقت میں تجویز ہوا تھا اور جملہ اصحاب کو یعنی حضرت ابوبکر اور عمر کو بھی اس کے ساتھ جانے کا حکم ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے دوسرے روز علم اٹھایا اور اسامہ کے ہاتھ میں دیا اور لوگوں کو اسی طرح اس کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ مدینہ کو چاروں طرف سے خطرات دھمکیاں دے رہے تھے اور ایسے وقت میں اپنی تمام قوت کو شہر سے جدا کر دینا اور دور بھیج دینا اور شہر کو بے پناہ چھوڑ دینا نہایت پُر خطر تھا۔ اور اسامہ کے زیر حکم جنگ کرنا بھی لوگوں کو ناگوار تھا۔ لشکر جمع ہو کر تیار ہو گیا۔ مگر حضرت عمر کو انہوں نے کہا کہ ایسے نازک وقت کے اندیشہ اور ہمارے عذرات کو حضرت ابوبکر کے سامنے پیش کر کے اس ارادہ سے باز رہنے کی ان کو ترغیب دیں۔ حضرت عمر نے بہت اصرار سے کہا مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہ مانا۔ خطرے کے خیال اور اسامہ کی سرداری کے عذرات کا ایک ہی جواب تھا کہ آنحضرت صلعم کی تجویز کے سامنے وہ کچھ نہ سنیں۔ لشکر نے کوچ کیا۔ حضرت عمر بھی اس میں شریک تھے حضرت ابوبکر کو کم سے کم ان کا اپنے سے علیحدہ کرنا گراں گذرا۔ وہ بھی لشکر کو وداع کرنے ساتھ جا رہے تھے۔ اسامہ سے کہا کہ "اگر تمہاری رضا ہو تو عمر میرے ساتھ شہر کو لوٹ جائیں تاکہ ان سے

[1] انلس اوف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۲۔ [2] لیف آف محمد سر ولیم میور صفحہ ۵۱۰

قوت اور مشورہ حاصل کروں[1]"، اسامہ نے اجازت دیدی ۔

مدینہ کے لئے جو ایک بڑا خطرہ باقی تھا اُسوقت آن پہونچا ۔ خود آنحضرت صلعم کی حیات میں بدکاروں نے پیغمبری کا دعوی کرنے کا ایک نیا شوشہ نکال لیا ۔ اسود بن عیسیٰ کی اس بدکاری کی سزا نے ابھی یمن کے ہنگامہ کو فرو نہیں کیا تھا کہ آنحضرت صلعم کی وفات کی خبر نے ایسے مفسدوں کو اور زیادہ گرم کردیا ۔ مسیلمہ کذاب اور طلیحہ دو قوی غنیم اور کھلم کھلے مخالف تھے ۔ باقی عرب بگڑ بیٹھنے کی واسطے زکوۃ دینے سے انکار کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ رہا تھا ۔

عمال صدقات و زکوۃ خوف کے مارے بھاگے آتے تھے اور غدر اور بغاوت کی متوحش خبریں لا رہے تھے ۔

عمر بن العاص نے جسکو آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع سے جہاں سے مختلف اطراف کی طرف قاصد بھیجے تھے عمان کی طرف بھیجا تھا واپس آکر تمام وسط عرب کے بغاوت اور زکوۃ دینے سے انکار کرنے پر آمادہ ہونے کی خبریں سُناکر اور بھی متردد اور پریشان کردیا ۔ عمرو بن العاص مدینہ پہونچ کر اپنے دوستوں کی ایک جماعت میں یہ دل شکن اور ہوش ربا حالات بیان کر رہے تھے کہ حضرت عمر آن پہونچے ۔ اُن کے آنے پر سب خاموش ہوگئے مگر حضرت عمر تاڑ گئے اور کہنے لگے کہ "میں خیال کرتا ہوں کہ تم کو عراب کی طرف سے جو خطرہ ہوگیا ہے اُسکا ذکر کر رہے تھے" جب اُنھوں نے اقرار کیا کہ ہاں یہی ذکر کر رہے تھے تو حضرت عمر نے اُن کو قسم دی کہ ان خبروں کو مشہور کر کے لوگوں کو بددل نہ کریں ۔ اُن کے بھی دل بڑھائے اور کہا کہ "تم اس کا کچھ خوف مت کرو ۔ واللہ میں اُس سے نہیں ڈرتا ہوں جو تم عربوں کے ہاتھ سے اُٹھاؤ گے بلکہ اُس سے ڈرتا ہوں جو اعراب تمہارے ہاتھ سے اُٹھائیں گے ۔ اگر قریش کی جماعت تنہا ایک غار میں بھی گھسیگی تو اعرابی وہاں بھی اُن کی پیروی کرینگے اور پیچھے چلیں گے ۔ وہ ایک کم حیثیت بھیڑ رہے ہیں ۔ پس تم خدا سے ڈرو اور اُن کے خوف کو دل میں جگہ نہ دو[2]"۔

[1] انلس ۔ ارلی خلافت صفحہ ۹ ۔ [2] انلس اوف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۱۲ ۔

اب ان شورشوں اور ہنگاموں کی خبریں پے درپے مدینہ پہونچنے لگیں۔ حضرت ابوبکر کو گو اسامہ کو تمام لشکر کے ساتھ باہر بھیجدینے کا افسوس ہوتا ہوگا مگر اس کو اُنھوں نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور بڑی ثابت قدمی سے شہر کی حفاظت میں مصروف رہے باغی قومیں مدینہ کے گرد جمع ہوگئیں۔ طلیحہ کا بھائی فوج لیکر اُن کی مدد کو آن پہونچا۔ باغیوں نے حضرت ابوبکر سے زکوٰۃ معاف کردینے کی درخواست مان لینے پر صلح کرنی چاہی مگر حضرت ابوبکر رضہ نے نہایت درشتی سے اسکا جواب دیا۔ اعراب اس موقع پر شہر کی کمزوری کو تاڑ گئے تھے اور اُن کا حوصلہ اَور بھی بڑھ گیا تھا لیکن حضرت ابوبکر نے بھی خاص اصحاب کی مدد سے کوئی دقیقہ احتیاط اور حفاظت کا باقی نہ چھوڑا۔ شہر کے لوگوں کو ہر وقت مسلح رہنے اور پھرنے کا حکم دیا۔ پہلے دن کی لڑائی میں تو کچھ فیصلہ نہ ہوا بلکہ مسلمانوں کو کامیاب ہوکر پھر ہٹ جانا پڑا۔ دوسرے روز حضرت ابوبکر خود مقابلہ کو نکلے اور اس خطرے سے کامل نجات پاکر شہر کو لوٹے۔ اقوام عرب پر اس فتح کا عمدہ اثر ہوا اور اسامہ بھی لشکر کے ساتھ مدینہ میں واپس پہونچ گئے۔ اسامہ کو شہر کی حفاظت پر چھوڑ کر حضرت ابوبکر دوبارہ فوج لیکر ان باغی اقوام کو جو کچھ دور جا پڑی تھیں بھگانے اور منتشر کرنے کے واسطے خود نکل کھڑے ہوئے اور اُن کو اور اُن کی جمعیت کو شکست دیکر کے واپس آئے۔ باغی اقوام طلیحہ کے ساتھ جا کر مل گئیں طلیحہ اور مسیلمہ کی قسمت میں اسلامی دُنیا کے اُس بے نظیر سپہ سالار "خالد سیف اللہ" کے قوی اور زبردست اور ہیبت ناک ہاتھوں سے سزا پانا لکھا تھا۔ وہ اپنے کردار کی سزا کو پہونچے اور باقی بغاوتیں بھی دوسرے دلیر اور بہادر سرداران اسلام کے ہاتھوں فرو ہوگئیں اور ملک میں امن قایم ہوگیا۔ ان واقعات میں سے ایک بن نویرہ کا واقعہ بیان کرنے کے لائق ہے مالک قبیلہ بنی تمیم کا رئیس تھا۔ زکوٰۃ دینے سے انکار کرکے آمادۂ پیکار ہوگیا تھا۔ خالد بنی اسد اور دوسرے قبائل کو مغلوب کرکے بنی تمیم کی طرف بڑھا۔ اکثر قبائل نے آکر اطاعت قبول کرلی۔ مالک نے اپنی کمزوری معلوم کرلی تھی اور سجاحہ کے علحدہ ہوجانے سے جو ایک مشہور عورت پیغمبری کی مدعیہ اور لشکر کثیر کے ساتھ مالک کے ساتھ شریک تھی اور اب مسیلمہ کذاب سے شادی کرکے اُس کے ساتھ جا ملی تھی، مالک کا

دل چھوٹ گیا اور اطاعت کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ اُس کے اطوار مخالفانہ رہے تھے مگر خالد اُسکی طرف بڑھا جا رہا تھا گو حضرت ابوبکر کا کوئی حکم صریح اِس بارے میں نہ تھا اور اِسی سبب سے انصار اِس حملہ سے متفق نہ تھے۔ غرض خالد کے پہونچتے ہی مالک کی جمعیت شکستہ ہوگئی اور مالک اپنی بیوی اور چند آدمیوں کے ساتھ آسانی سے گرفتار کر کے مسلمانوں کے لشکر میں لایا گیا اُسنے اقرار کیا کہ میں مسلمان ہوں مگر اثنائے گفتگو میں خالد کے سلوک کی نسبت اُس کے مُنہ سے نکلگیا کہ "تمہارے صاحب (آنحضرت سے مراد ہے) نے کبھی ایسا حکم نہیں دیا تھا"۔

خالد نے بھڑک کر جواب دیا کہ "وہ ہمارے صاحب تھے اور تیرے صاحب نہ تھے"۔ بعض مورخین کے مطابق یہ ہے کہ اُسی وقت خالد کے اشارے سے ضرار نے مالک کی گردن اُڑادی[1] اور بعض کا قول ہے کہ صُبح تک اُن کو مہلت دی گئی اور حفاظت میں رکھے گئے۔ سردی کی رات تھی خالد نے حکم دیا کہ اُن کو "کپڑے اُڑھا دو"۔ مگر یہ ایک ذو معنی لفظ تھا۔ کنعانی زبان میں اُس کے معنی یہ تھے کہ "مار ڈالو"۔ ضرار نے جس کی محافظت میں یہ لوگ تھے سب کو معہ مالک کے تہ تیغ کر دیا۔ خالد شور و غل سُنکر وہاں پہونچا مگر اُن کا کام تمام ہو چکا تھا اُس نے سوائے اِس کے کچھ نہ کہا کہ خدا کی مرضی کو کون روک سکتا ہے[2]۔ مالک کی بیوی لیلی نہایت حسین اور جمیلہ عورت تھی۔ خالد نے وہیں اس سے نکاح کر لیا۔ یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ خلیفۂ وقت کے سامنے پیش نہ ہوتا۔ ابوقتادہ انصاری جس نے خالد کے روبرو بھی نہایت سختی سے مزاحمت اور شکایت کی تھی مالک کے بھائی متمم کو لے کر مدینہ پہونچا اور حضرت عمر کے روبرو قسم کھائی کہ مالک مسلمان تھا اور اُس کے لشکر میں سے اذان کی آواز سُنی گئی تھی اور زکوٰۃ دینے کو آمادہ تھا (حضرت ابوبکر نے یہی نشان مسلمان کا مقرر کیا تھا) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور اُن کی قطعی رائے یہی تھی کہ خالد نے ایک مسلمان کا خون ناحق کیا ہے اور اُس سے اِس خون کا بدلہ لیا جانا چاہئے مگر حضرت ابوبکر "سیف اللہ" کو نیام میں

[1] طبری فارسی نسخہ صفحہ ۴۴۴ - ہسٹری آف سرسینس مولفہ اوکلی۔ [2] انلس آف ارلی خلافت مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۳۴ -

کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے۔ تاہم خالد طلب ہوا اور مدینہ میں پہونچ کر سیدھا مسجد کی طرف حضرت ابوبکر کے پاس چلا۔ حضرت عمر اُس کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اُسکا گریبان پکڑ لیا اور کہا کہ اے دُشمن خدا تو نے کیوں ایک مسلمان کو قتل کیا اور اُس کی عورت سے نکاح کرلیا۔ خالد کا جواب خاموشی تھی۔ حضرت ابوبکر کے پاس پہونچ کر اُس نے تمام واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر کا اطمینان ہوگیا اور سوائے اس کے کہ مالک کی عورت کو میدان جنگ ہی میں نکاح کرلینے پر ملامت کی اور کچھ کہنا پسند نہ کیا۔ خالد کے لوٹتے ہوئے اُس کے منکر انہ کر وا سے حضرت عمر نے معلوم کرلیا کہ حضرت ابوبکر نے اُسکا عذر تسلیم کرلیا ہے متمم اپنے دعوی پر اڑا رہا اور اپنے بھائی کے واقعہ کو نہایت دردناک اشعار میں نظم کرکے سُناتا تھا۔ حضرت عمر نے کبھی خالد کی بیگناہی کو نمانا اور اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ لشکر کی سرداری سے اُسکو معزول کردیا جائے مگر حضرت ابوبکر ہمیشہ یہی جواب دیتے تھے کہ خالد کے حکم کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے سیف اللہ بیگناہ ہے ؎

مالک کا واقعہ نہ شاعروں کی قلم نے چھوڑا ہے نہ مورخوں کی نگاہ سے بعض نے تو یہانتک بیان کیا ہے کہ مالک نے اپنے قتل کا حکم پاکر خالد کی نگاہوں اور اپنی عورت کے حسن وجمال کی طرف دیکھا تو کہا کہ میری موت کا بھید اس میں ہے۔ اس کا حسن میری جان لے رہا ہے۔ خالد نے کہا کہ نہیں تیرا کفر تیری جان کا دشمن ہے۔ گو اس قسم کی روایتیں صحیح نہوں مگر خالد کے مالک کی عورت سے اُسی وقت نکاح کرلینے سے اُس کے قتل بے گناہ پر ایک ایسا قوی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مٹائے سے نہیں مٹ سکتا۔ کم سے کم ایسی بے دردی سے اس قسم کے آشوب ناک واقعات کے درمیان میں نکاح کا خیال کرنا ایک مسلمان سپہ سالار کے وقار اور روش کے خلاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی راے جو ابتدا میں خالد کو معزول کرنے کی نسبت قایم ہوچکی تھی آخر تک ویسی ہی رہی ؎

یمامہ کی لڑائی میں جو اس واقعہ کے بعد خالد اور مسیلمہ کذاب کے درمیان ہوئی تھی مسلمانوں کو اگرچہ مسیلمہ کی چالیس ہزار مضبوط فوج پر فتح حاصل ہوئی اور اس فتنۂ عظیم کے فرو کرنے میں کامیابی ہوئی

مگر اس قدر نقصان اُٹھانا پڑا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں سب سے پہلا اتنا بڑا خونخوار حادثہ تھا۔ بارہ سو جانوں کا نقصان ہوا۔ جن میں تین سو ساٹھ مہاجرین اور تین سو انصار تھے۔ خاص اصحاب رسول اللہ میں سے جنہوں نے شربت اجل پیا۔ اُن کی تعداد چالیس سے کم نہ تھی۔ زید بن خطاب حضرت عمر کے بھائی اور ابو حذیفہ انہیں اصحاب میں تھے۔ زید نے اگرچہ بہت بہادری دکھا کر جان دی اور مسلمانوں کی فتح میں اُن کا کچھ کم حصہ نہ تھا مگر حضرت عمر کو نہایت رنج ہوا۔ مدینہ میں کوئی گھر نہ تھا جس سے رونے کی آواز نہ آتی ہو۔ مگر خالد نے اس میدان جنگ کو بھی اپنی عروسی اور نکاح کی یادگار بنانے میں تامل نہ کیا۔ مجاعہ ایک سردار بنی حنیف کا جو خالد نے پکڑ رکھا تھا اُس کو کہا کہ اپنی بیٹی مجھے نکاح میں دیدے۔ اُس نے کہا صبر کر۔ ایسی جلدی کرنے سے میری اور خلیفۂ وقت کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ مگر خالد نے اُس کو مجبور کیا اور اُس نے ناچار نکاح کر دیا[1]۔ ایک روایت میں ہے کہ خالد نے ہزار درم کابین دیا۔ اور اُس وقت تک غنیمت تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ خالد کی عروسی کی رات تھی مگر لشکر میں بہت آدمی بھوکے سوئے ہوئے تھے زیاد بن عمرو نے تین شعر لکھ کر اسی شکایت میں حضرت عمر کے پاس بھیجے جو حضرت ابوبکر کے سامنے پڑھے گئے[2]۔ گو یہ روایت اس درجہ تک صحیح نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکر نے بھی خالد کی اس بے اعتدالی کو تسلیم کیا اور نہایت رنج اور غصہ سے خالد کو نامہ لکھا جس کے حرفوں سے خون ٹپکتا تھا۔ اُس میں لکھا کہ "تجھے اتنی فراغت ہے کہ اس طرح عروسی کرے اور بیت المال میں فساد کرے۔ بارہ سو مسلمانوں کا خون تیرے سامنے گرا ہے جواب تک خشک نہیں ہوا ہے"۔ خالد پر جو اس نامہ کا اثر ہوا وہ اسی قدر تھا کہ اُس نے کہا "یہ عمر کا کام ہے"[3]۔ حضرت ابوبکر آمادہ ہو گئے تھے کہ خالد کو معزول کر کے واپس بلا لیں مگر کسی مصلحت سے وہ اپنے ارادہ کو پورا نہ کر سکے ؛

حضرت ابوبکر کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر صرف اُن کے مشیر اور صلاح کار ہی نہیں تھے بلکہ خلافت کے ساتھ امور خلافت کے انجام دینے میں شریک مساوی تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے

---

[1] انلس ادعق ارلی خلافت صفحہ ۴۶ [2] طبری فارسی نسخہ [3] طبری فارسی نسخہ۔

کہ حضرت ابوبکر برائے نام خلافت کرتے تھے اور درحقیقت تمام کام کو حضرت عمر ہی انجام دیتے تھے تاہم غلط نہ ہوگا۔ سر سید احمد خان صاحب کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت تو شمار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمر ہی کی خلافت کا تھا اور وہی بالکل دخیل اور منتظم تھے[1]۔

سر ولیم میور کا قول ہے کہ "حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کے مشورہ اور صلاح پر اسقدر بھروسہ اور اعتماد تھا اور اُن کا فیصلہ (سوائے چند خاص مثالوں کے) اُن کے نزدیک اتنا وزن رکھتا تھا کہ اُن کو خلافت اور حکومت میں شریک کہا جا سکتا ہے[2]"۔

ان اقوال کی تشریح ایک واقعہ سے بخوبی ہو سکتی ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے مگر حضرت عمر ان میں موجود نہ تھے عقبہ بن حصین اور اقرع بن حابس دو شخص حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہمارے مسکن کے قریب کچھ بنجر اور ناقابل زراعت زمین پڑی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُس میں تردد کر کے زراعت کریں۔ حضرت ابوبکر نے اپنے ہم جلیس اصحاب سے مشورہ کیا اُنہوں نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ پس اُن کو ایک سند اِس مضمون کی دیدی گئی جس پر اصحاب موجودہ میں سے کئی آدمیوں کی تصدیق اور دستخط ثبت ہوئے۔ حضرت عمر چونکہ وہاں موجود نہ تھے اور اُن کے دستخط کرانا ضروری تھے وہ اُس کاغذ کو لے کر حضرت عمر کی طرف گئے۔ حضرت عمر اُس وقت اونٹوں کو تیل مل رہے تھے اُنہوں نے جب جا کر کیفیت بیان کی تو کہا ذرا صبر کرو میں فارغ ہو کر پڑھوں گا اور اگر جلدی ہے تو تم پڑھ کر سنا دو۔ اُنہوں نے پڑھا۔ حضرت عمر نے سن کر کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور لکھے ہوئے کو تھوک سے مٹا دیا۔ وہ دونوں نہایت برآشفتہ ہوئے اور حضرت ابوبکر کے پاس پہونچے اور کہنے لگے کہ "تو امیر ہے یا عمر"؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ "نہیں وہی امیر ہے"۔ اسی اثنا میں حضرت عمر بھی پہونچ گئے اور حضرت ابوبکر سے اِس معاملہ میں بحث کرنے لگ گئے

[1] تصانیف احمدیہ جلد اول صفحہ ۴۷۔ [2] المرادفت اہل خلافت صفحہ ۱۲۳۔

حضرت ابوبکر نے آخر یہ کہا کہ "میں پہلے ہی سے کہتا تھا کہ خلافت کے کام کے واسطے تو مجھ سے زیادہ قوی ہے مگر تو نے مجھے مجبور کیا تھا"[۱]۔ حضرت عمر کا یہ اختلاف ایک بہت بڑی مصلحت پر مبنی تھا جو آئندہ بیان ہوگی ۔

سر ولیم میور اس واقعہ کو دوسری طرح بیان کرتا ہے کہ زبرقان اور اقرع دو سرداروں نے حضرت ابوبکر سے بحرین کا عشر جمع کرنے کی عاملی کی سند اس شرط پر حاصل کر لی کہ اس کام کے دیانت داری سے انجام پانے کے وہ خود ذمہ وار ہوں گے یہ سند حضرت عمر کو دکھلائی گئی انہوں نے غصہ ہو کر جس کا سبب ظاہرا یہ تھا کہ اقرع منافق رہ چکا تھا اُسکو پھاڑ ڈالا۔ طلحہ جس کی وساطت سے یہ معاملہ ہوا تھا حضرت ابوبکر کے پاس پہونچا اور جا کر سوال کیا کہ "تو امیر ہے یا عمر"۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ "عمر۔ مگر میری اطاعت لازم ہے"۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کا خلافت میں کس درجہ تک دخل اور اثر تھا[۲]۔ حضرت ابوبکر خود کہا کرتے تھے کہ خاص اصحاب اور حضرت عمر کو نہ صرف اُن کے پاس ادب کے لحاظ سے کسی کام اور حکومت پر باہر نہیں بھیجتے بلکہ خلافت کے کام میں وہ اُن کے دست و بازو ہیں[۳]۔ اسامہ کے ساتھ تمام اصحاب کو بھیجدیا تھا مگر حضرت عمر کے مدینہ میں رہنے کی اسامہ سے اجازت لے لی تھی غرض حضرت ابوبکر کی دو سالہ خلافت کی کامیابی میں حضرت عمر کا کچھ کم استحقاق نہیں ہے۔ وہ حضرت ابوبکر کی خلافت میں اُن کے مقرر کرنے سے مدینہ کے قاضی بھی تھے گو کام کچھ نہ تھا مگر اسلام میں وہ سب سے پہلے قاضی تھے اور اس عہدے کو اُن کے سبب سے یہ عزت اور فخر حاصل ہے ۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کا پہلا سال تو اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے اور فتنہ و فساد کے رفع کرنے اور نفاق و کفر کی آگ بجھانے میں گذر گیا۔ جب اِن کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا تو سب سے پہلا خیال اُن دنوں میں جو نورِ اسلام سے منور اور روشن ہوئے تھے سوائے اس کے کیا پیدا

---

[۱] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء حصہ دوم صفحہ ۱۹۵۔ [۲] انلس آف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۵۰۔
[۳] انلس صفحہ ۱۹۔

ہو سکتا تھا کہ اُن کے ملک کے اطراف و جوانب میں جو قومیں اور جو ملک کفر و ضلالت کی تاریکی میں خستہ و خراب پڑے ہوئے تھے اُن کو بھی اُس مبارک روشنی کی چمک دکھائیں اور اُن تمام مذموم عیوب اور برائیوں سے جن میں وہ پھنس گئے تھے نکالکر خدا کی اس سب سے بڑی رحمت اور نعمت کی طرف راہ نمائی کریں۔ اسلام کے دائرے کو جیسا کہ مشیت ایزدی کا ارادہ ہو چکا تھا وسیع کریں اور اس عالمگیر دین کو دنیا کے اطراف میں مشتہر اور شائع کر کے منشاء ایزدی کو پورا کریں۔ شمال و مغرب میں اگرچہ سرحد شام کی اقوام کی بد عہدی اسلامی ہتھیاروں کی دعوت کر رہی تھی۔ اور شمال و مشرق میں بظاہر عیسائی عرب اقوام سے نظر آگے نہیں پڑتی تھی مگر درحقیقت ایران اور شام کے کسریٰ ایران اور قیصران روم کی سلطنتیں جو مشرق اور مغرب میں دو بڑی اور دو ہی بڑی سلطنتیں تھیں علم اسلام کے واسطے مقسوم ہو چکی تھیں وہ اپنے وقت میں اپنی بزرگی اور شان و شوکت میں آسمان کے ستارے ہو کر چمکی تھیں مگر اب ظلم اور تاریکی میں اور دنیا کی منتخب برائیوں کا مسکن اور مقام تھیں اور قانون الٰہی کے رو سے ہی اُن کا استحقاق اُس نبی کریم کی امت مرحوم اور مغفور کو پہونچتا تھا جن کے انعاموں میں اُس سب سے بڑی نعمت الٰہی کے ساتھ لازم و ملزوم ہونے کے سبب سے وعدہ کی گئی تھیں۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے کسریٰ ایران اور قیصر روم ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنی قوتوں اور زوروں کو جنگ کے ترازو میں تول چکے تھے اور قیصر روم نینوا کے میدان میں ایران سے بازی جیت چکا تھا اور اپنے پلہ کو بھاری کر لینے کا فخر حاصل کر چکا تھا۔ اس کے بعد ایران میں جو بدنظمی پھیل گئی تھی اُس کے دورے سے نجات حاصل کرنیکے لئے اور قیصر جس خواب غفلت میں سو گیا تھا اُس سے بیدار ہونے کے واسطے اُن ہاتھوں کا انتظار کر رہے تھے جو اُن سے بہت دور نہیں تھے حضرت ابوبکر کے زمانہ کی جزوی فتوحات کو حضرت عمر کے زمانہ کی فتوحات کو مکمل کرنے اور سلسلۂ فتوحات کے قابل فہم بنانے کے واسطے بیان کرنا ضرور ہے اور ویسے بھی حضرت عمر کا حق ہے کہ اس زمانہ کی فتوحات اُن کے تذکرے میں اُس اختصار کے ساتھ جو ہم نے بالعموم اختیار کیا ہے بیان کی جاویں ؎

مثنیٰ ابن حارث سواد میں مسلمانوں کی طرف سے کام شروع کر چکا تھا مگر اُس کے مقابلہ میں جو قوتیں جمع ہو رہی تھیں اُن کے واسطے وہ اپنی اکیلی جمعیت کے ساتھ کافی نہ تھا۔ پس ۱۲ھ کے شروع میں خالد اور عیاض بن غنم اپنی جزوی فوجوں کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہوئے خالد کا کام سواد میں مثنیٰ کے ساتھ اُبلہ سے گذر کر حیرہ میں پہونچنے کا تھا اور عیاض دومۃ الجندل سے ہوتا ہوا حیرہ میں پہونچنے والا تھا۔ خالد کے قوی اور ناقابل مزاحمت بازوؤں کے ساتھ اُسکی کامیابی ایسی دمساز تھی کہ اُس سے مقابلہ کرنا بجائے خود بدبختی اور شامت کی دلیل تھی۔ خالد نے اُبلہ کے سردار ہرمز کو جو کسریٰ ایران (شاہ ایران) کا نامزد نائب تھا اسلام خراج یا جنگ کا پیغام بھیجا۔ ہرمز ایسے عجیب پیام سے اگرچہ چونکا اور کسریٰ کے پاس اس کی خبر بھیجی مگر عربوں کی ایسی خفیف فوج کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا جنگ کے واسطے نکل کھڑا ہوا اور آراستہ فوجوں کے درمیان میں خالد کو اپنے مقابلہ میں مبارزہ کے واسطے طلب کیا۔ خالد اُس سلپتن قوی جوان سے اکیلے دست بدست لڑنے کے واسطے نکلا۔ ہرمز نے اگرچہ فریب سے کمین میں آدمی بٹھا رکھے تھے[1] مگر خالد نے پچھاڑ کر اُسکا کام تمام کر دیا اور اُس کا سر کاٹ کر لشکر عجم میں پھینک دیا دونوں لشکروں میں بڑے خروش کی لڑائی ہوئی مگر عجمی شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اپنا مال اسباب جس میں ہرمز کا ایک مرصع تاج بھی تھا اور ایک ہاتھی مسلمانوں کے واسطے چھوڑ گئے جس کا خمس مع تاج اور ہاتھی کے مدینہ بھیجا گیا ۔

شاہ ایران نے ہرمز کی عرضی پہونچنے پر ایک بڑی فوج ایک شاہزادہ کے ماتحت اُسکی امداد کو بھیجی۔ مگر وہ بھی شکست کھا کر پسپا ہو گئی۔ اب شاہ ایران کے کان کھڑے ہوئے اور عربوں کے مقابلہ کے واسطے اپنی سلطنت سے عربوں بنی بکر وغیرہ کی ایک فوج بھرتی کر کے ایک مشہور جرنیل بہمن کے زیر حکم مسلمانوں کے مقابلہ کو بھیجی مگر اُس کی قسمت بھی پہلی فوجوں سے کچھ اچھی نہ تھی۔ خالد کو پے در پے فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ لیس کی لڑائی میں اُس نے

---

[1] دی خلافت اٹس رائز ڈیکلائن اینڈ فال (عروج و زوال خلافت) مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۲۔

ایک زیادتی بھی کی کہ قسم کھائی تھی کہ فتح حاصل کر کے دشمن کے خون سے دریا بہاؤں گا - اور اپنی قسم کو پورا کرنے کے واسطے لڑائی کے قیدی بہت سے قتل کر ڈالے مگر ان روایتوں میں جس قدر مبالغہ ہے اسکو سر ولیم میور بھی نہیں مانتے[1] - اب حیرہ کا راستہ صاف ہو گیا تھا - خالد نے بڑھ کے محاصرہ کر لیا - حیرہ بابل کے مغرب کی جانب دشت شام کے کنارے پر ایک عربوں کی جداگانہ بستی تھی اور برائے نام اس کو فارس کے ساتھ تعلق تھا - وہاں کا بادشاہ کسریٰ ایران کا نائب کہلا کر عراق عرب پر حکومت کرتا تھا - تیسری صدی عیسوی کے شروع میں عیسائی اپنے مذہبی عمال کے مظالم سے تنگ آکر حیرہ کے عربوں کے پاس پناہ گزین ہو گئے تھے اور آنحضرت صلعم کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد حیرہ کا بادشاہ عیسائی ہو گیا تھا - شہر نہایت مضبوط اور بڑا عالیشان تھا اور اسی کا خالد نے محاصرہ کیا تھا -

اہل حیرہ بے بادشاہ عرصہ تک محصور رہے مگر آخر جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی مسلمان حسب دستور ان کی اور ان کے شہر کی حفاظت کے ذمہ دار ہوئے - ان کے مذہب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا - وہ اپنے آبائی دین پر رہے[2] حیرہ کو خالد نے اپنا صدر مقام قرار دیا اور ایک سال تک رہا -

حیرہ سے فارغ ہو کر خالد نے انبار اور عین التمر کو فتح کیا اور عجم کی فوج اور عرب کی بنی بکر اور بنی عجل اور بنی تغلب کے ملے ہوئے لشکروں کو بڑی بہادری سے مغلوب کیا انبار کو صلح پر چھوڑ دیا اور عین التمر کی لڑائی میں عقبہ ایک عرب سردار کے سر کو خالد نے بڑھ کے اپنی بغل میں دبا لیا اور کھینچ کر گھوڑے پر سے اٹھا کے اپنے لشکر میں لے آیا - جو دشمن کی شکست کا دیباچہ تھا -

خالد اور عیاض ایک ہی وقت میں حیرہ پہونچنے کے واسطے چلے تھے خالد توقع سے زیادہ کام کر چکا تھا مگر عیاض دومۃ الجندل میں دشمن کا محاصرہ کئے ہوئے نہایت ناکام پڑا ہوا تھا جب اس کی طرف سے ناامیدی ہوئی تو خالد کا منہ تکنا پڑا - خالد نے اپنے ایک بہادر افسر

[1] دی خلافت (عروج و زوال خلافت) مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۵ - [2] دی خلافت صفحہ ۵ -

قعقاع کو حیرہ پر مقرر کیا اور دوسرے مقامات مفتوحہ کی سپردگی کر کے ریگستان میں سے گذر کر دومۃ الجندل کو روانہ ہوا اکیدر اور جودی دومۃ الجندل کے سردار تھے۔ بنی کلب اور بنی غسان جن کا سردار جبالا عیسائی بادشاہ والی بصریٰ تھا اور اور عرب کے قبائل اُن کی امداد کو جمع تھے۔ خالد کی آمد سن کر سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ بقول سر ولیم میور کے "خالد کی آمد نے صورت حال کو تبدیل کر دیا اُس کا نام ہی قوت کا برج تھا"[1]

اکیدر نے جو پہلے سے خالد کے قوت بازو دیکھ چکا تھا اور اُسکے ہاتھوں قید ہو کر مدینہ گیا تھا بہت خوف زدہ ہو کر ہتھیار چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ مگر راستہ ہی میں پکڑا گیا جودی اور اُس کے مددگاروں کے ساتھ سخت لڑائی ہوئی شکست کھا کر سب بھاگ گئے۔ جبالا بصریٰ کو فرار ہو گیا۔ خالد نے تیسری دفعہ میدان جنگ پر جودی کی بیٹی سے شادی کی۔ مگر حیرہ کی خبروں نے اُسے اطمینان سے نہ بیٹھنے دیا۔ قبائل عرب اور بنی تغلب خالد کی غیر حاضری کو غنیمت سمجھ کر چھیڑ چھاڑ کرنے لگ گئے تھے۔ خالد طوفان کی طرح واپس پہونچا اور اُس کا آنا ہی اُن کی شکست کی دلیل تھی شکستہ فوجیں جمع ہو ہو کر مقابلہ کے واسطے قلعوں میں اڑ بیٹھتی تھیں مگر خالد قضا کی طرح اُن کے پیچھے تھا بہت سی لڑائیاں اُن سے لڑا اور اُن کو شکستیں دیں جن میں سے حافر اور خصوصاً فراض کی لڑائی مشہور ہے۔

اب کوئی دشمن ظاہرا میدان میں نہ رہا۔ خالد کو ایک اور بے احتیاطی کی سوجھی۔ ذوالحج کا مہینہ تھا۔ خالد کو حج کرنے کا خیال آیا۔ فوج کو چھوڑ کر بغیر راہ نما اور بدرقہ کے ریگستان سے گذرتا ہوا بلا اطلاع مکہ پہونچا اور ویسے ہی بلا شناخت حج کر کے لوٹ گیا حضرت عمر نے آخر اس امر کو معلوم کر لیا اور خالد کی بے احتیاطی پر ملامت کی۔

## شام

حدود عراق اور سواد کو چھوڑ کر ہم شام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں سب سے پہلی فوج خالد بن سعید

---

[1] دی خلافت انگریزی صفحہ ۶۱۔

کے ماتحت شام کو بھیجی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی خالد بن سعید کو سردار بنا کر بھیجنے کے مخالف تھے مگر حضرت ابوبکر نے نہ مانا اور اُسی کو بھیجا۔ ابتدا میں تو اُسکو کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر وہ زیادہ فوج دیکھ کر گھبرایا اور مدد مانگی۔ اُسی زمانہ میں جنوبی عرب کی بغاوتیں فرو کر کے مسلمانوں کے لشکر مدینہ کو واپس پہونچ رہے تھے اُن کو عکرمہ اور ذوالکلاع حمیری کے ماتحت خالد بن سعید کی مدد کو بھیجا گیا۔ اس کے بعد ولید اور عمرو بن العاص کو بھی سرحد شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ ولید خالد کے ساتھ شریک ہونے اور عمرو بن العاص فلسطین کے جنوب میں کام کرنے کے واسطے ؛

خالد بن سعید کمک کے پہونچ جانے پر اُس احتیاط کو جس کی اُسکو ہدایت کی گئی تھی بھول گیا۔ اور بڑھتے ہوئے مرج پر شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کی رائے کے خلاف اپنے اس انتخاب پر افسوس ہوا اور نئی فوج چار نئے سرداروں کے ماتحت شام کو روانہ کی۔ شرحبیل بن حسنہ کو ولید کی جگہ جو خالد بن سعید کے ساتھ شکست کھانے میں شریک تھا بھیجا۔ وہ شکستہ اور پراگندہ فوج کو جمع کر کے اور ساتھ لے کر سب سے آگے بڑھا۔ یزید بن سفیان اور ابو عبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص باقی تین مستقل افسر تھے اور سرحد شام پر مختلف اطراف و امصار یعنی اردن۔ دمشق اور فلسطین پر پڑے تھے ؛

شام کی اس فوج میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ اُس میں کم سے کم ایک ہزار اصحاب رسول اللہؐ شریک تھے۔ خاص اصحاب میں سے سو سے کم نہ ہوں گے۔ اور ان میں سے اہل بدر میں تھے۔ اُنکی خاص عزت اور توقیر یہ تھی کہ جس کے ماتحت وہ چاہیں کام کریں اور اُن کا وصف یہ تھا کہ بلا خیال رتبہ کے جس کے ماتحت کام کرتے تھے نہایت تابعداری اور جانفشانی سے کرتے تھے عکرمہ پہلے سے شام میں تھا یہ پانچوں افسر جابجا اپنا کام بہت استقلال سے کر رہے تھے ؛

ان کی کامیابیوں کو اور افواج شام کی شکستوں کی پے در پے خبروں نے آخر کار ہرقل کو ڈرا دیا۔ اور اُس خواب غفلت سے جس میں وہ ایران کو جیت کر پڑا ہوا تھا بیدار کر دیا حمص میں

آکر ایک بہت بڑی فوج چار حصوں میں اس تند حملہ کے روکنے کے واسطے روانہ کی۔ سب سے بڑا حصہ جو تعداد میں نوے ہزار تھا اپنے بھائی تھیوڈرک کے ماتحت روانہ کیا۔ مسلمان بھی ایسی کثیر فوج کی خبروں سے چونکے اور اپنی منقسم طاقتوں کو یکجا کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر نے بھی آخر اسی امر کو پسند کیا اور ہدایت کی کہ سب اکٹھے ہوکر دریا ئے یرموک کے کناروں پر جو بحر گلیلی کے مشرق میں دمشق اور بصری کے درمیان واقع ہے اور جو قدرت نے سب سے بڑا میدان کارزار اور شام کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا مقام مقرر کیا تھا آٹھہریں۔ یونانیوں یعنی اہل شام نے بھی اپنی مصلحت کے خیال سے اپنی افواج کو یکجا اکٹھا کرلیا۔ اور ہلکہ مسلمانوں کے مقابلے میں دامنِ کوہ میں جا پڑے۔ باہمی لڑائی شروع ہوگئی اور بلانتیجہ۔ اسی طرح دو ماہ گذر گئے اور فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں پڑی رہیں۔ حضرت ابوبکر نہایت متردد تھے اور آخر کار حضرت عمرؓ کے مشورے سے یہ قرار پایا کہ خالد بن ولید کے فتحمند بازوؤں سے کام لیا جائے اور اسکی خدمات فی الحال عراق سے شام کو تبدیل کردی جائیں۔ پس خالد کے نام حکم لکھا گیا کہ شام کے مسلمانوں کی فوج بے دل ہے خالد اُن کی امداد کے واسطے جائے۔ نصف فوج مثنیٰ کے زیر حکم عراق میں چھوڑ جاے اور نصف اپنے ساتھ لیجائے۔ احتیاط کے واسطے بہت تاکید کی گئی۔ خالد کو جو اپنی نسبت حضرت عمر کی طرف سے بدظنی کا خیال تھا اس حکم کو اُس پر محمول کیا اور کہا کہ عمر میرے ہاتھوں سے عجم کی فتح نہیں چاہتا۔ مگر یہ غلط خیال تھا۔ درحقیقت مسلمانوں کی ضرورت خالد کو شام میں پکار رہی تھی۔ حیرہ سے یرموک کو سفر کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ بڑا کٹھن رستہ اور بیابان ریگستان صحرا ئے شام سامنے پڑا تھا۔ ایک اور مشکل یہ تھی کہ اگر سیدھا شمالی راستہ سے جاتا تو رستہ میں اہل شام کے ساتھ لڑائی میں رک جانے اور یرموک جلدی پہونچنے سے پیچھے رہ جانے کا خوف تھا۔ نو ہزار فوج ساتھ تھی اور سب کو لے کر پہونچنا تھا۔ منتخب فوج کو ساتھ لیکر اور باقی کو پیچھے آنے کے واسطے چھوڑ کر خالد دوبارہ اُس ریگستان بیابان کو طے کر کے نفد کے راستہ دومتہ الجندل میں پہونچا۔ وہاں سے بصریٰ قریب تھا مگر مزاحمت کے خوف سے تدمور کے راستہ کے خشک اور بے آب

ریگستان کا سفر اختیار کیا۔ درحقیقت اِس ریت کے بے پایان سمندر کو طے کرکے نکلنا اُنہی شیر نیستان شجاعت اور ہزبر بیشۂ جلادت و تہوّر کا کام تھا اور جس حکمت سے یہ منزلیں طے کیں ایک حیرت انگیز افسانہ کا مضمون ہیں کہ اونٹوں کو پانی پلاکر اُن کے منہ باندھ دیے اور راستہ میں اُن کے پیٹ چاک کرکے اُس پانی سے گھوڑوں اور اونٹوں کو زندہ نکال کرلے گئے۔ چند ہی ہفتوں میں اِس مہینوں کے راستہ کو طے کرکے ۱۳ھ ماہ جمادی الاول کے شروع میں تدمر میں دمشق سے سویل مشرق کی طرف جا نکلا اور یکبارگی حملہ کرکے شہر کے حوالی باختہ لشکر کو فتح کرلیا اور حوران سے ہوتا ہوا مسلمانوں کے لشکر سے جا ملا[۱] اور حضرت ابوبکر کو مطلع کردیا۔ حضرت ابوبکر بھی اِس اثنا میں نئی فوجیں بھرتی کرکے بھیجتے رہے تھے۔ اب مجموعی تعداد مسلمانوں کے لشکر کی چھتیس ہزار تک پہونچ گئی تھی۔ مگر یونانیوں کی فوج بڑھتے بڑھتے اڑھائی لاکھ تک شمار میں خیال کی جاتی تھی جزوی اور بے نتیجہ لڑائیوں میں جو ایک مہینے تک ہوتی رہیں خالد نے ایک بڑا سقم معلوم کیا کہ مسلمانوں کی فوج کا ایک سپہ سالار نہ تھا۔ جدا جدا افسروں کے ماتحت اور اپنی اپنی مصلحت سے کسی فیصلہ تک نہیں پہونچنے دیتا تھا۔ خالد نے یہ سقم سب افسروں کے سامنے بیان کیا اور کہا کہ ہر ایک شخص کو باری باری سے فوج کی اعلیٰ حکومت پر ایک ایک دن کے لئے مقرر ہو مگر ایک

[۱] شام کے آغاز فتوحات سے لیکر جنگ اجنادین تک روایات اور تاریخ میں نہایت اختلاف ہے۔ انگلیہ اور اردو نگ وغیرہ انگریزی مورخ جن میں کاسن ڈی پرسی ول اور گبن مورخ اعظم بھی شامل ہیں جو فتح شام واقدی کے مترجم اور پیرو ہیں خالد کا اُسی زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کی فوج نے شام میں کام شروع کیا تھا آنا اور بصریٰ کی فتح میں شرحبیل کو مدد دینا اور بصریٰ کا فتح کرنا اور اسکے بعد دمشق اور اجنادین اور کئی اور لڑائیوں کے بعد جنگ یرموک کا حضرت عمر کے عہد خلافت میں واقع ہونا اور حضرت ابوبکر کی وفات کو اس سے پہلے فتح دمشق کے زمانہ میں بیان کیا ہے مگر دوسرے معتبر مورخ مثلاً سر ولیم میور اور گلبن وغیرہ جو طبری و ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے معتقد اور خوشہ چین ہیں معہ بصریٰ کے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کرتے اور واقعات کو اسی ترتیب بیان کرتے ہیں جو کہ ہم بوجہ اُن کے معتبر ہونے کے بیان کر رہے ہیں بعض مولفین مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب نے اس خلط واقعات سے یرموک کی لڑائی کا دو دفعہ ہونا خیال کیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ بہرحال یہ واقعات کی تقدیم و تاخیر اور واقدی کی نسبت جس کے واقعات گو جیسا کہ واشنگٹن ارونگ کی رائے ہے صحیح ہوں افسانوں میں بیان کرنے کے واسطے زیادہ موزون ہیں یہی ترتیب معتبر ہے۔ مؤلف۔

انتظام کے نیچے فوج کو مجموعی قوت سے لڑانا چاہیئے ۔

اس تجویز کو سب نے منظور کیا اور خالد نے پہلے دن اعلیٰ افسری اپنے ہاتھ میں لیکر نہایت مناسب انتظام کیا۔ فوج کو چالیس دستوں میں تقسیم کرکے دلیر افسروں کے ماتحت منقسم کیا اور اُن پر ممتاز افسر مقرر کئے۔ یہ انتظام نہایت وقت پر ہوا کیونکہ یونانی بھی ایک آخری فیصلہ کے خیال سے سخت سے سخت حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے اور ایک ایسے جم غفیر اور عدد کثیر کے ساتھ بڑھے کہ میدان کی اطراف میں اندھیرا چھا گیا۔ اسی اثنا میں خالد کے پاس مدینہ سے ایک قاصد نامہ لئے ہوئے پہونچا جسکو خالد نے سرسری نظر سے پڑھ کے ترکش میں ڈال دیا اور قاصد کو خاموش رہنے کے لئے ہدایت کرکے فوج کا مدینہ کی خیر وعافیت اور کمک کے پیچھے آنے کی خبر سے اطمینان کر دیا ۔

لڑائی جس سختی اور خوں ریزی کے ساتھ ہوئی اُس کو تفصیلاً بیان کرنا بہت مشکل ہے مسلمان افسروں نے اور خصوصاً عکرمہ اور قعقاع اور خالد کے بہادر عزیز اور ہم مزاج ساتھی بیدھڑک ضرار نے وہ وہ بہادریاں اور جانبازیاں دکھلائیں کہ چشم فلک نے بھی بہت کم دیکھی تھیں۔ خالد کی دلیرانہ ثابت قدمی اور آزمودہ کاری نے آخر میدان جیت لیا۔ لڑائی کی سختی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ یونانیوں کے ایک لاکھ کشتوں سے میدان اور خندق بھری پڑی تھی۔ مسلمانوں کو بھی یہ فتح بہت گراں نصیب ہوئی۔ تین ہزار آدمیوں نے شربت مرگ چکھا اور بیشمار زخمی ہوئے۔ ابوسفیان کی آنکھ میں تیر لگا۔ اور ضرار سخت زخمی ہوا۔ عکرمہ اور اُس کا باپ زخموں سے جاں بر نہ ہوئے۔ اہل شام بے حساب غنیمت مسلمانوں کے واسطے چھوڑ گئے جن میں تیس ہزار ریشمی سراپردہ تھے۔ ہر ایک سپاہی کا حصہ پندرہ سو دینار سے کم نہ تھا اس فتح کا جو اثر ہوا بقول سر ولیم میور کے "یونانیوں کی فوج کی ہیبت ناک قسمت نے دربار شام اور اہل شام کو خوف سے متوحش اور بے کل کر دیا۔ شام کی قسمت کے فیصلہ پر گویا مُہر لگ گئی تھی۔ اب ایک کمزور اور ضعیف مخالفت کے بغیر مقابلے کو

کچھ ترتا تھا[1]۔

فتح کی تاریخ سنہ ۱۳ ہجری میں ماہ رجب کا شنبہ کا روز مطابق شروع ستمبر سنہ ۶۳۴ء تھی۔

[1] دی خلافت آلخ صفحہ ۹۴۔

# چوتھا باب

## حضرت عمر کی خلافت

### حضرت ابوبکر کی وفات ۔ حضرت عمر کا استخلاف اور انتخاب ۔ فتوحات ایران ۔ شام ۔ مصر

خالد کو جو نامہ میدان جنگ میں مدینہ کے قاصد نے دیا تھا اور اُس نے پڑھ کر اپنی ترکش میں ڈال دیا تھا اُس پر حضرت عمر کی مہر تھی کیوں کہ حضرت ابوبکر کی وفات کی اُس میں خبر تھی ۔ مگر خالد نے ایسے نازک وقت میں بڑی دوراندیشی سے کام لیا اور اس وحشت ناک خبر کو لشکر میں مشتہر نہ کیا ؛

حضرت ابوبکر جب بستر علالت پر ناتوان ہو گئے تو حضرت عمر کو اُنہوں نے نماز میں امامت کے واسطے کہا جو حضرت عمر کی آیندہ خلافت کی نسبت حضرت ابوبکر کے خیال کا صاف اشارہ تھا ۔ حضرت عمر کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرنے کا خیال حضرت ابوبکر کا کوئی نیا خیال نہیں تھا وہ تو گویا ابتدا ہی میں اس کا فیصلہ کر چکے تھے ۔ البتہ باقاعدہ طور پر اُسکو مشتہر کرنے کا خیال حضرت ابوبکر کو اُسی وقت ہونا چاہئے تھا جب وہ زندگی سے مایوس ہوئے ۔ اُنہوں نے اپنی راے کو اصحاب رسول اللہ کی تائید سے مستحکم کرنے کے واسطے عبدالرحمن بن عوف سے مشورہ پوچھا کہ میں عمر کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں تیری کیا راے ہے ۔ اُس نے اس ارادے اور حضرت عمر کی نہایت تعریف کی ۔ مگر اُن کی درشتی طبیعت کی طرف اشارہ کیا جسکے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا کہ "یہ اُس کی سختی اور درشتی اس سبب سے ہے کہ میری طبیعت میں نرمی اور رحم زیادہ ہے جب والی امور ہوگا تو یہ طبیعت اُس کی بدل جائے گی ۔ میں نے بہت غور سے دیکھا ہے کہ اگر میں کسی شخص پر غصہ ہوتا تھا تو وہ اُس کی طرف سے سفارش کرتا تھا اور اگر میں کسی کے ساتھ زیادہ

نرمی کرتا تھا تو وہ سختی کی طرف مائل ہوتا تھا[۱]۔" حضرت عثمان سے جب رائے لی گئی تو اُنھوں نے بھی اس رائے کی تائید کی اور کہا کہ " جو کچھ عمر میں مخفی اور پوشیدہ ہے وہ اُس سے جو ظاہر ہوتا ہے بہت بہتر ہے اُس کا نظیر اور مساوی ہم میں موجود نہیں ہے[۲]۔"

حضرت عثمان سے اِسی مضمون کی وصیت لکھوائی اور انصار و مہاجرین کو بُلا کر اُس کا مضمون اُن میں مشتہر کیا اور سب کی عام رضامندی اور خوشنودی کے ساتھ اس مبارک تقریب کو ختم کیا حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اُس جماعت میں سے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ " عمر کے ہاتھ سے لوگ جس سختی میں تھے اُس کو جانتے ہو اور آج اُس کو خلیفہ مقرر کرتے ہو۔ خدا کے سامنے اس کا کیا جواب دوگے۔" حضرت ابوبکر یہ سُن کر جوشِ غضب سے بھڑک اُٹھے اور کہا کہ مجھے اُٹھاؤ اور نہایت غصہ سے طلحہ کو جواب دیا کہ " تو مجھے خدا کا نام لے کر ڈراتا ہے خدا کی قسم جب میں خدا کے سامنے جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں نے بہترین خلق کو تیری خلق پر خلیفہ کیا ہے[۳]۔" طلحہ کی اس مخالفت کی وجہ درحقیقت یہ نہ تھی کہ وہ سب سے الگ حضرت عمر کے استخلاف میں کوئی نقص دیکھتا تھا بلکہ نفسانیت اور دعویٰ خلافت کے ذاتی حوصلہ یہ بات کہلا رہے تھے۔ خود حضرت ابوبکر کے الفاظ سے جو اُنھوں نے حضرت عمر کو اس کے بعد وصیت کرتے ہوئے فرمائے ظاہر ہے کہ " اُن لوگوں کو میں تیرے خلاف پاتا ہوں جن کے اپنے پیٹ پھولے ہوئے ہیں اور آنکھیں لگ رہی ہیں"۔ حضرت ابوبکر کا آخری کام حضرت عمر کو بلا کر وصیت کرنے اور نرمی اور حلم کی طرف مائل ہونے کی تاکید کرنے کا تھا۔ اُن کے رحلت فرمانے کی تاریخ اکیس جمادی الثانی ۱۳؁ ہجری بروز دوشنبہ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴؁ء تھی باوجود اس صریح اور قطعی استخلاف کے لوگوں سے حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کرانے کی ضرورت سمجھی گئی اور تین دن تک تمام شہر اور گرد و نواح نے بیعت کی[۴]۔

# فتوحات

۱ انلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۱۱۴ - وطبری ۲ انلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۱۱۴ وطبری ۳ انلس ایضاً صفحہ ۱۱۵ وطبری ۴ صفحہ ۲۱۳۸ ۴ انلس ایضاً صفحہ ۱۲۵ -

حضرت عمرؓ کا سب سے پہلا کام لوگوں کو اپنی آیندہ خلافت کی طرف سے اطمینان دلانے کے بعد عراق کے واسطے نئی فوج تیار کرنے کا تھا۔ مثنیٰ خالد کے عراق سے رخصت ہونے اور خود مختار سپہ سالاری اختیار کرنے کے بعد دس ہزار لشکر عجم کو جو ہرمز کے ماتحت میدان کو خالد سے خالی پانے کے حوصلہ پر ایران کے نئے بادشاہ شہریار کے حکم سے بڑھا تھا بابل کے میدان میں شکست فاش دے چکا تھا۔ اور ایرانیوں کی اِس نئی فوج کی ہاتھیوں کی صف کو شکستہ کرنے کی بہادری اور حکمت میں نام پا چکا تھا۔ مگر مثنیٰ نے اپنی قلیل فوج اور جمعیت کو ایران کے آیندہ حملوں کا مقابلہ کرنے اور فتوحات پر قدم جمائے رہنے کے واسطے کافی نہ سمجھ کر مدینہ سے بڑی تاکید سے کمک مانگی تھی۔ جب جواب میں دیر ہوئی تو اُس نے رفع تردد کے واسطے خود مدینہ پہونچنے کا ارادہ کیا اور پہونچکر حضرت ابوبکرؓ کو بستر علالت پر پایا تھا۔ گو اُن کی بیماری کے سبب سے دیر ہوگئی تھی مگر حضرت ابوبکرؓ اِس ضرورت کی طرف سے بے فکر نہیں تھے اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو بُلا کر سخت تاکید کی کہ میرے بعد تمہاری خلافت کا سب سے پہلی ساعت کا پہلا کام عراق کے واسطے فوج تیار کرنا اور بھیجنا ہوگا۔ اور حضرت عمرؓ نے اُن کے ارشاد کو پورا کرنے کے وعدے سے اطمینان دلا دیا تھا۔

پس حضرت عمرؓ کا سب سے پہلا کام ایک نئی فوج تیار کرنے کا تھا لیکن بقول سر ولیم میور کے ایرانیوں کی قوت کا کچھ ایسا رُعب لوگوں پر چھا گیا تھا کہ کوئی آمادہ نہیں ہوتا تھا[1]۔ مگر ممکن ہے اور اصلیت بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ خالد کے اقبال مند اور فتحمند سایہ کے لشکر عراق سے اُٹھ جانے سے لوگوں کے دل نہیں جمتے تھے۔ وہ ایک شخص ہزاران ہزار فوج کے برابر تھا اور اُس کا وجود ہی کامیابی کی ضمانت تھی۔ غالباً اِسی بے دلی کے سبب لوگ منظور نہیں کرتے تھے جسکی غلطی سے یہ تعبیر کی جاتی ہے کہ خالد کے عہدہ سپہ سالاری سے معزول کر دینے کی وجہ سے لوگ دل شکستہ ہو گئے تھے اور نہیں مانتے تھے[2]۔ لیکن یہ ایک بے اصل خیال معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب بعد میں

---

[1] دی خلافت آلخ صفحہ ۸۷۔ [2] طبری صفحہ ۹ ۲۱۴۔

لوگ تیار بھی ہوئے تو شام کی فوج میں بھیجے جانے کی درخواست کرتے تھے اور عراق کی مہم میں جانا قبول نہیں کرتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ خالد کے ساتھ شام میں کام کرنے سے خوش تھے مگر اُس کے بغیر عراق کو مثنیٰ کے ماتحت کام کرنے کے واسطے جو اگرچہ دلیری اور بہادری میں وہ بھی یکتا تھا اور بقول سر ولیم میور کے دُنیا کے سب سے بڑے جنگ آور اور نامور سپہ سالاروں میں جگہ پانے کا مستحق ہے [۵۔] مگر ایک قبیلہ اعراب میں سے تھا اور قریش کی شرافت اُس کے جوہر ذاتی کے ساتھ شریک نہ تھی نہیں جانا چاہتے تھے۔ بہرحال خود مثنیٰ نے بھی لوگوں کو تحریک کی اور آخرکار ابو عبید بن مسعود طائف کا ایک دلیر شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور لوگ بھی جوق جوق آنے لگے۔ جب ہزار آدمی کا ایک دستہ تیار ہوگیا تو ابو عبید کو اس سبب سے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے آمادگی ظاہر کی تھی قریش اور انصار پر ترجیح دی اور اُسی کو افسر مقرر کرکے مثنیٰ کے پیچھے جو جلدی پہونچنے کیواسطے واپس چلا گیا تھا روانہ کیا۔ ابو عبید کو اجازت دی گئی کہ اقوام اعراب میں سے جو لوگ ابوجہ برگشتگی اور نفاق اختیار کرلینے کے گو وہ بعد میں تائب ہوچکے تھے اب تک فوج میں نہیں بھرتی کئے جاتے تھے اب لشکر میں شریک کرلے۔

اسی اثنا میں ایران میں کئی انقلاب ہوچکے تھے۔ شہریار کے مرنے پر کشت و خون کے بعد بوران یا توران دخت بنت کسریٰ (پرویز) رستم بن فرخ زاد ایک نامی بہادر شخص کی حمایت سے جسکو اُس نے خراسان سے طلب کیا تھا تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی اور رستم کو سپہ سالار او مختار مقرر کیا جس کا سب سے پہلا کام مسلمانوں کو حدود ایران سے باہر کرنیکی کوشش کرنیکا تھا۔ اُس کی دلیری اور سرگرمی اور حوصلہ افزائی فی الواقع بہت کام کرگئی۔ لڑائی کے واسطے بڑے بڑے دہقان اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرب کی حکومت کو تمام ملک نے اپنے کندھوں سے اُتار دیا اور مثنیٰ کو حیرہ چھوڑ کر مدینہ کے راستہ پر خفان میں ابو عبید کے انتظار میں ٹھہرنا پڑا۔ رستم نے جابان اور نرسی نامی دو شخصوں کو قوی لشکروں کے ساتھ حیرہ اور کسکر پر قبضہ کرنے

[۵۔] دی خلافت آنرسفحہ ۹۶۔

اور مسلمانوں سے لڑنے کے واسطے بھیجدیا۔ ابو عبیدہؓ کے ساتھ راستہ میں اقوام اعراب میں سے بہت سے لوگ شریک ہوگئے اور اُن کی بھیڑ بھاڑ کو ساتھ لانے میں دیر ہوگئی جب خفان میں پہنچا تو دو ایک روز سستا کر مجموعی فوج کو جابان کے مقابلہ کے واسطے میدان میں لایا اور اُسکو شکست دیکر مار ڈالا اور پھر کسکر کی طرف بڑھکر نرسی کو جس کے ساتھ جالینوس ایک دوسرا افسر آٹھ ہزار فوج سے شریک ہوا تھا شکست دی اور ایک عارضی اطمینان کا مُنہ دیکھا۔[1]

اِن شکستوں سے بھڑک کر رستم نے ایک مشہور اور جنگ جو افسر بہمن کے ماتحت ایک کثیر لشکر جو تیس ہزار سے کم نہ تھا مسلمانوں کے مقابلے کے واسطے روانہ کیا اور درفش کاویانی کو کھول کر اُس کے سپرد کیا۔ دریائے فرات کے کنارے پر لشکر آن پڑا اور مسلمانوں کی فوج دریا عبور کر کے دوسری جانب پڑی ہوئی تھی۔ ابو عبیدہؓ نے ایک پُرخطا دلیری کی کہ باوجود لشکر کی مخالفت اور ممانعت کے دریا کے اُس پار جاکر لڑنا قبول کیا جہاں زور آزمائی اور پیچھے ہٹنے کے لئے کافی جگہ ہی نہ تھی۔ مسلمانوں کی فوج دس ہزار سے کم تھی۔ اور ایرانی فوج کو ہاتھیوں سے بہت تقویت تھی جن میں ایک بہت بڑا سفید ہاتھی بھی تھا۔ مسلمانوں نے ہاتھیوں کی صف کا مقابلہ کر کے قریبًا بھگا دیا تھا کہ ابو عبیدہؓ نے اکیلے تلوار لئے ہوئے سفید ہاتھی پر حملہ کیا۔ کوئی ضرب کاری نہ لگی اور ہاتھی نے سونڈ سے پکڑ کر پاؤں سے کچل ڈالا۔ پے در پے افسر مارے گئے اور مسلمانوں کو بھاگنے سے روکنے کے واسطے دریا کا پُل کاٹ دینے سے مسلمانوں کو بھاگنے کا رستہ نہ رہا اور دریا میں کود کود کر بہ گئے مثنیٰ جو اُس وقت بطور ایک ماتحت افسر کے کام کر رہا تھا اس حال کو معلوم کر کے آشفتہ ہوا مگر غلطی لاعلاج تھی۔ شیر دل مثنیٰ نے اس وقت بڑی جان بازی کا کام کیا۔ جھنڈا پکڑ کر ایرانیوں اور مسلمانوں کی فوج کے درمیان چند دلیروں کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور پکارا کہ جب تک مسلمانوں کی فوج سلامت پار نہ اُتر جاوے گی یہاں سے نہ ہٹوں گا۔[2] پل کی مرمت کا حکم دیا اور سپاہ کو کہا کہ "اطمینان سے اترو۔ اپنے آپ کو ضایع نہ کرو میں تمہاری حفاظت کروں گا"۔[3] اسی حال میں مثنیٰ کو ایک ایرانی

---

[1] دی خلافت الخ صفحہ ۹۰ و طبری [2] دی خلافت الخ صفحہ ۹۰

سپاہی کے نیزے نے بے طرح زخمی کر دیا مگر وہ جوانمرد اُسی طرح کھڑا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان سے پار اُتار دینے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر پل کے درست ہونے سے پہلے بہت سے لوگ دریا میں کود کے جانیں کھو چکے تھے۔ آخر جب بقیہ فوج گذر گئی تو مثنیٰ خود اس پار آیا اور پل کو کاٹ کر بہمن کا راستہ بند کر دیا دریا میں کود کر چار ہزار سے کم جانیں ضائع نہ ہوئی تھیں۔ نئی فوج میں سے دو ہزار آدمی بھاگ گئے اور مثنیٰ صرف تین ہزار فوج کے ساتھ رہ گیا۔ بہمن کو دربار ایران کے نئے فساد کے سبب سے لوٹ جانا پڑا اور مسلمانوں کو اپنی جمعیت فراہم کرنے کا موقع مل گیا۔ اس شکست کا نام واقعہ جسر (پل) ہے جو ماہ شعبان ۱۳ھ میں واقع ہوا۔

حضرت عمرؓ نے ان ناشاد خبروں کو بڑے تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ سنا[1]۔ بھاگی ہوئی فوج کو جو مدینہ پہونچی بہت تسلّی دی۔ اس شکست نے سوائے اس کے کہ اُن کو اپنی مساعی کے دوچند کرنے کے واسطے برانگیختہ کرے اور کچھ نہ کیا[2]۔ بڑی سرگرمی سے نئی فوج تیار کرنے میں مصروف ہوئے۔ جوق جوق فوج اکٹھی ہونے لگی۔ بھاگے ہوئے سپاہی بھی واپس جانے کو تیار ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک بڑی فوج جریر بن عبداللہ کے ماتحت روانہ کر کے مثنیٰ کو اطلاع دی گئی۔ مثنیٰ ایک آدھ لڑائی لڑ چکا تھا اور کامیابی اُس کی طرف مائل معلوم ہوتی تھی۔ جریر کے نزدیک پہونچنے کی خبر سُن کر مثنیٰ ایرانیوں کی ایک بہت بڑی فوج سے مقابلہ کرنے کے واسطے جو ایک لاکھ تعداد میں زیر حکم مہران بن باذان[3] بڑھی آرہی تھی ایک منزل آگے بڑھا۔ حضرت عمرؓ نے بہت کچھ احتیاط سے لڑنے کی تاکید کی تھی۔ بویب پر عجم کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ مثنیٰ نے اپنے سپاہیوں کے خوب خوب دل بڑھائے اور فوج کو بڑی لیاقت سے آراستہ کیا۔ شروع لڑائی میں تو مسلمانوں کی فوج کے ایک بازو کے پاؤں اوکھڑتے معلوم ہوتے تھے مگر مثنیٰ کی سپہ سالارانہ دانشمندی نے اُن کے دل بڑھا کر پھر جما دیا۔ سخت حملے سے آخر ایرانیوں کے مُنہ پھر گئے اور بھاگنے لگے۔ مہران مارا گیا۔ مسلمانوں نے پل کاٹ دی تھی اور ایرانی بھاگنے کی راہ نہ دیکھ کر پھر مسلمانوں سے دوچار ہو گئے۔ مثنیٰ کو اس

[1] ونی نیاافت صفحہ ۹ [2] دی خلافت صفحہ ۹۱ [3] طبری صفحہ ۲۷۲۔

غلطی پر افسوس بھی ہوا کہ اپنے ہاتھوں پھر لڑائی مول لی جس میں ایرانی زندگی سے مایوس ہو کر اور جان سے ہاتھ دھو کر ٹوٹ پڑے۔ کشت و خون کا بازار گرم ہوا - ایرانیوں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے - بقول سر ولیم میور کے "مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر فوج نے اُس عظیم لشکر کو تباہ کر دیا۔ شاید اس قدر خون ریزی اسلامی تاریخ میں کسی اور جنگ میں نہیں ہوئی زمانہ دراز تک مقتولوں کی ہڈیاں اُس میدان کی مٹی میں ملا کیں"۔ مسلمانوں کا بھی کچھ کم نقصان نہیں ہوا - دو ہزار آدمی مارے گئے۔ مثنیٰ کو اپنے دلیر اور بہادر بھائی مسعود کا ماتم کرنا پڑا - ایک بڑی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی جس میں غلّہ کے انبار اور مویشی تھے۔ اس جنگ میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرفداری میں عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کے ساتھ لڑ رہے تھے اور اُن کی بہادری نے بھی بہت کام کیا تھا - یہ سب سے آخری بڑی فتح تھی جو مثنیٰ کو حاصل ہوئی کیوں کہ اس لڑائی کے بعد وہ صرف چند ماہ تک زندہ رہا - جنگ جسر میں جو کاری زخم اُس کو لگا تھا اُس نے بہت دنوں تک جینے نہ دیا۔ اور چونکہ قریش اُسکے ماتحت کام کرنا اپنی شرافت کے فخر سے منظور نہیں کرتے تھے جریر کی شکایت پر عراق میں ایک نیا سپہ سالار مقرر ہوا ٭

سر ولیم میور اس امر کا افسوس کرتا ہے کہ مسلمان مورخوں نے مثنیٰ کی بہادری اور سپاہ گری کی بہت کم قدر کی ہے - حالانکہ "اُس زمانہ کے اسلامی سپہ سالاروں میں سے صرف ایک سپہ سالار سے وہ دوسرے درجہ پر ہے - خالد کی حیرت افزا چستی اور تیزی اور تعجب انگیز عزم بالجزم اُس میں نہ تھا مگر زور اور سرگرمی اور فنون جنگ میں اُس سے کم نہ تھا بلا امتیاز اور غیر ضروری سختی اور جبر اُس سپہ سالار اعظم کے مانند وہ نہیں کرتا تھا - اور کسی فتح کو اپنی کسی ذاتی خواہش کے پورا کرنے میں استعمال نہیں کرتا تھا اُسی کے تہور اور متحملانہ شجاعت سے جنگ جسر سے مسلمانوں کا فوج کا حصہ بچ کر نکل آیا - عیسائی قبائل سے امداد لینا اور اپنے معاملہ میں شریک کرنا اُسی کا کام تھا - اُس کے کئی دفعہ کے تنزل کو خلافت نے مہنگا خریدا کیوں کہ ایک دفعہ اسی سے عراق سے اسلام کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے لیکن حضرت عمر کی نسبت اُس کی وفاداری اور

جان نثاری میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اُس زمانہ کے اِس خیال نے کہ ایک گمنام قوم کا اعرابی قریش اور اصحاب رسول پر حکومت کرے حضرت عمر کے واسطے مشکل کر دیا کہ اُس عہدے پر اُس کو برقرار رکھیں۔ لیکن تعجب ہے کہ اسلامی مورخوں میں سے جو نامور بہادران اسلام کی حرمت کی خوانال ہیں کسی نے اپنے اُس زمانہ کے ممتاز اور نامور شخص کے تنزل پر افسوس نہیں کیا اور نہ اُس کو وہ رتبہ دیا ہے جس کا وہ مستحق تھا حالانکہ وہ دنیا کے سب سے بڑے سپہ سالاروں میں جگہ پانے کا مستحق ہے"[۵۴]۔

## شام

شام میں ہم مسلمانوں کے فتحمند لشکر کو یرموک کے کناروں پر اُس خون خوار جنگ کے بعد اپنے مقتولوں کو دفن کرنے اور مجروحوں کا علاج کرنے اور بے شمار غنیمت کے تقسیم کرنے میں مصروف چھوڑ آئے ہیں۔

حضرت عمر کا پہلا کام افواج شام کی نسبت اُن کا ایک مستقل سپہ سالار مقرر کرنا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے ابو عبیدہ بن جراحؓ "امین الامت" کو سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور خالد اور دوسرے عہدہ داران کو اُن کے ماتحت کام کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم اُس پہلے نامہ کا مضمون ہو جو خالد کو میدان جنگ میں ملا تھا یا دوسرے کا۔ اور نامہ ابو عبیدہ کے نام ہو یا خالد کے۔ مگر مورخین نے اس واقعہ کو ایک قابل بحث امر بنا دیا ہے۔ عام مقولہ یہ ہے کہ خالد کو شام کی سپہ سالاری اور امارت سے معزول کر کے ابو عبیدہ کو اُس کی جگہ مقرر کیا گیا۔ مگر اس کو کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ خالد اس سے پہلے سپہ سالار اعظم یا امیر شام مقرر ہو چکا تھا۔ حضرت ابو بکر کے حکم کا مضمون شام میں مسلمانوں کی فوج کی مدد کرنا اور فارغ ہو جانے پر عراق کو واپس بھیج دینے کا وعدہ تھا۔ ابن خلدون کی رائے میں خالد سپہ سالار اعظم مقرر ہو چکا تھا۔ مگر یہ رائے خلاف واقعہ ہے کیونکہ تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں خالد کی موجودگی کے زمانہ میں بھی ایک ماہ تک

[۵۴] انس اوف اربی خلافت صفحہ ۱۴۰ و دی خلافت آلچ صفحہ ۹۵ و ۹۶۔

تمام سرداران فوج اپنے اپنے لشکر کے ساتھ جدا جدا کام کر رہے تھے اور آخر یہی ایک سبب کمزوری اور ناکامی کا خیال کیا گیا تھا اور باری باری سے اعلیٰ حاکم اختیار کرنے کے انتظام پر خالد پہلے دن سپہ سالار ہوا تھا اور حضرت عمر کو حکم لکھنے کے وقت یہ امر بھی معلوم نہیں تھا۔ کیوں کہ اس انتظام سے پہلے حضرت ابوبکر کا انتقال اور قاصد مدینہ سے نامے کر روانہ ہو چکا تھا حضرت عمر کے نامے کے الفاظ سے جو معزولی کا مضمون پیدا ہوتا ہے وہ غالباً عراق کی سپہ سالاری سے معزولی تھی۔ کیوں کہ خالد عراق میں سپہ سالار اعظم تھا اور اب اسکی نسبت شام میں ابوعبیدہ کے ماتحت کام کرنے اور شام ہی میں رہنے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر جو اختلاف روایات اور تاریخوں میں ہے مثلاً یہ کہ یہ تغیر اور انتظام فتح دمشق کے بعد ہوا یا یہ کہ ابوعبیدہ کو اس مضمون کا نامہ یرموک ہی میں ملگیا تھا۔ لیکن خالد کی دل شکنی کے خیال سے اُسنے فتح دمشق تک اُس کو ظاہر نہیں کیا کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اب یہ بات کہ حضرت عمر کے اس حکم سے خالد کی حق تلفی ہوئی ہو اس سے بڑھ کر غلط رائے کوئی نہیں ہو سکتی حضرت عمر کے اس انتظام سے اُن کی انتہا درجہ کی دور اندیشی۔ حسن تدبیر۔ ملک داری کی قابلیت۔ انصاف پسندی اور مصلحت بینی خدا ترسی اور خلق اللہ کی ہمدردی کا مادہ جو خدا نے اُن کو عطا کیا تھا ظاہر ہوتا ہے۔ خالد دلیر اور بہادر اور جنگ جو تھا ایسا کہ اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا مگر بد احتیاط اور بے خوف بھی نہایت درجہ کا تھا اُس کے ہاتھ جبر اور انصاف میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے اُس کی زیادتیاں اور بے اعتدالیاں بار ہا ثابت ہو چکی تھیں۔ حضرت عمر کی عدل اور انصاف سے بھری ہوئی تیز نگاہوں نے اُس کی حرکات اور برتاؤ کو بہت غور سے دیکھا تھا۔ اُس کو مطلق العنان اور آزاد چھوڑ دینا دانستہ انصاف سے چشم پوشی کرنا تھا۔ پس نہایت تدبیر سے کام لیا گیا کہ اُسکو ابوعبیدہ کے ماتحت مقرر کیا گیا۔ خالد کی بہادری اور قوت بازو اور شجاعت بھی کام آ گئی اور جس بے اعتدالی کا اُسکی طرف سے اندیشہ تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔ ابوعبیدہ گو اس درجہ کے دلیر اور مرد میدان نہ تھے مگر مسن اور نہایت تجربہ کار اور حلیم۔ انصاف پسند

اور بامروت طبیعت کے بزرگ تھے اور اُن کے باعتدال برتاؤ کی طرف سے کامل اطمینان تھا۔
یہ خیال بھی غلط ہے کہ ابوعبیدہ کے ماتحت کام کرنا خالد کے واسطے کسی دل شکنی یا ہتک کا باعث ہو سکتا تھا۔ ابوعبیدہ شرفاء قریش اور اصحاب کبار رسول اللہ صلعم میں سے آنحضرت صلعم کے وقت میں بہت سے خاص فضائل سے ممتاز ہو چکے تھے اور "امین الامت" کے معزز لقب سے ملقب ہو چکے تھے اور اُن کا رتبہ اصحاب خاص کی نگاہوں میں اس درجہ کا تھا کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر اور ابوعبیدہ کی نسبت کہا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کرلو۔ اور حضرت عمر نے اپنی وفات سے پہلے جب اپنا جانشین مقرر کرنے کا مشورہ کیا تو فرمایا تھا کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو اُن کے سوا کسی کو مقرر نہ کرتا۔[1] پس ایسے بزرگ رتبہ کے شخص کے ماتحت کام کرنا خالد کو کسی طرح ناگوار نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہوا اور درحقیقت یہی وجہ خالد کو عراق میں واپس نہ بھیجنے کی تھی کیوں کہ جس حال میں اُس کو خودمختار اور مطلق العنان سپہ سالار اور امیر مقرر کرنا منظور نہ تھا تو سرداران فوج میں سے عراق اور شام میں صرف ابوعبیدہ ہی اس رتبہ اور پایہ کے شخص تھے کہ خالد اُن کے ماتحت خوشی سے کام کرتا۔ خالد کی اس اطاعت اور تابعداری اور اس تنزل سے کسی قسم کا دل پر ملال نہ لانے اور اُسی جوش اور سرگرمی سے کام کرنے کی تعریف کی جاتی ہے۔ ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا ایک کرشمۂ ربانی تھا۔ اگر سچ پوچھو تو خالد کے اس "تنزل" سے اُس کے سپہ سالاری کے عہدہ میں ابوعبیدہ کے ماتحت ہونے سے کوئی فرق سوائے اس کے نہیں آیا کہ اُس کی بےاحتیاطی کے راستہ میں ایک روک کھڑی کردی گئی ورنہ فوجی اختیارات میں گویا وہی سپہ سالار رہا۔ سر ولیم میور کا قول ہے کہ "ابوعبیدہ نے جو خالد کی بےنظیر اور عدیم المثال جنگی قابلیت اور ہنرمندی کو جانتا تھا اور خود ایک حلیم اور نرم طبیعت رکھتا تھا اور جنگجو نہ تھا بڑی دانائی اور فیاضی سے خالد سے کہا کہ اُس کی ہدایات کے مطابق عمل کرے گا اور پوری فرماں برداری کرے گا۔ خالد نے اپنی شکایات سے قطع نظر کرکے

[1] طبری صفحہ ۵۱۵۔

اپنی بہترین لیاقتوں کو ملک کی خدمت میں صرف کیا اور باوجودیکہ اُسکا تنزل عمل میں آیا مگر درحقیقت مسلمانوں کا بڑا سپہ سالار شام میں وہی تھا"۔

مسلمانوں نے یرموک کے میدان سے فارغ ہوکر اور ایک دستہ فوج یرموک میں عرب کے ساتھ خط وکتابت کے سلسلہ کو محفوظ اور جاری رکھنے کی غرض سے چھوڑ کر شمالی ممالک کی جانب رُخ کیا۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ یونانیوں کی شکستہ اور پراگندہ فوج کے سپاہی فلسطین میں جمع ہوکر ایک مضبوط لشکر بن گیا ہے۔ حضرت عمرؓ سے اِس کی کیفیت عرض کرکے اُن کے حکم کے مطابق لشکر دمشق کو بڑھا اور اِس جمع شدہ فوج کے روکے رکھنے کے واسطے ایک مضبوط دستہ فوج روانہ کر دیا گیا۔ دمشق شام میں ایک نہایت مضبوط عالی شان شہر ہی نہیں تھا بلکہ اُس کو دُنیا میں سب سے پُرانا شہر ہونے پر جو زمانے کے انقلابوں سے بچ رہا تھا فخر تھا۔ قیصر نے مسلمانوں کے پہونچنے سے پہلے ایک بڑی فوج سے شہر کو اور مضبوط کر دیا اور خود حمص میں اور فوجیں تیار کرنے اور جابجا بھیج کر مسلمانوں کی قوت کو اُن سے لڑنے میں مصروف اور منقسم کر دینے کی غرض سے بیٹھ رہا مگر مسلمانوں نے اِن تمام فوجوں کی نسبت سوائے اِس کے کہ جہاں کہیں وہ تھیں اُنکو وہیں روک دینے کی کوشش کی اور کچھ نہیں کیا اور اپنی اصلی قوت محاصرۂ دمشق میں مصروف کر دی۔ دمشق پہونچکر یونانیوں کی کثیر فوج کو شکست دی جو مجبور ہوکر قلعہ بند ہوگئی۔ اور مسلمان محاصرہ کرکے پڑے رہے۔ شہر ایسا مضبوط تھا کہ مسلمانوں کی کوئی کوشش شہر پناہ کے توڑنے میں کامیاب نہوئی۔ مگر مسلمانوں کا لشکر بڑی ثابت قدمی سے شہر کو گھیرے ہوئے تھا۔ مغربی جانب ابوعبیدہ تھے اور مشرقی طرف خالد۔ گاہ بگاہ صبح شام لڑائیاں اور معرکہ آرائیاں ہوتی تھیں جن کی کیفیتیں ہومر کے رزمیہ افسانوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ مگر ہم اُن کے بیان کرنے کو واسطے نہیں ٹھہر سکتے۔

اہل دمشق قلعہ شہر میں اِس خیال سے بڑے اطمینان کے ساتھ محصور تھے کہ موسم سرما کی غیر معمولی سردی اِس آوارہ لشکر کو شہر کے دروازوں سے بھگا دے گی مگر مسلمانوں نے اِس

قدرتی دشمن کا بھی بڑے استقلال سے مقابلہ کیا اور ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔ نئے موسم گرما نے اُن کی رگوں میں تازہ جوشِ خون پیدا کیا اور بڑی سرگرمی اور شدّت سے محاصرے کے کام میں مشغول ہوئے اب دمشق کی امیدیں مایوسی کی ہوائیں اُڑانے لگیں۔ خالد بڑی تیز اور بصیر نگاہوں سے موقع کو تاک رہا تھا۔ ایک رات لشکر شہر کو کسی تقریب کی خوشی میں مصروف اور غافل دیکھ کر ابو عبیدہ کو اطلاع کر کے اور یکبارگی حملہ کی تجویز کر کے خندق کو تیر کر اور کمندیں ڈالکر مسلمانوں کو شہر میں پہونچا دیا۔ دروازوں کے کھلنے اور اللہ اکبر کے نعرہ بلند ہونے کی دیر تھی تمام لشکر مسلمانوں کا جا پڑا۔ خالد کی خونخوار تلوار نے رکتی اگر یونانی اس اثنا میں ابو عبیدہ سے صلح اور معاہدہ کر کے امان نہ پا چکے ہوتے۔ شہر موسم گرما ۱۴ھ میں فتح ہو گیا اور معاہدہ میں نصف مال و اسباب مسلمانوں کو دینا ٹھہرایا۔ اور ہر ایک گھر سے ایک دینار اور زراعتی زمین سے ایک مقدار غلہ کی مقرر ہوئی[1]۔

اس عرصہ میں شرحبیل بن حسنہ اور ابو العور نے بڑی بہادری سے اپنی دس ہزار فوج کے ساتھ یونانیوں کی کثیر فوج کو روکے رکھا۔ ابو عبیدہ کا اب ارادہ تھا کہ دمشق سے سیدھا حمص کو بڑھ کر خود ہرقل پر حملہ کرے مگر حضرت عمر نے منع کیا کہ جب تک یونانیوں کی فوج عقب میں ہے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ پس یزید بن ابی سفیان کو دمشق کی حکومت پر چھوڑ کر مسلمانوں کا لشکر فلسطین کی طرف ہٹا اور یرموک کو دوبارہ عبور کر کے فحل میں جا ٹھہرا۔ جہاں یونانیوں کی اسی ہزار فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ یونانیوں نے کھلے مقابلے سے ہراساں ہو کر چاہا کہ دھوکا دے کر غفلت میں مسلمانوں کو دبالیں مگر شرحبیل کو اُنہوں نے اپنے سے زیادہ ہوشیار پایا۔ جو رات کو بھی آمادہ پیکار اور فوج کے ساتھ تیار رہتا تھا۔ آخر یونانیوں کو شکست ہوئی اور سردار فوج مارا گیا۔ خالد اور آتش مزاج ضرار کی بہادریوں اور جان بازیوں نے کچھ کم کام نہ کیا ہوگا مسلمانوں کا لشکر اس فتح اور غنیمت کے حاصل کرنے کے بعد حمص کی طرف بڑھنے کے ارادہ

---

[1] طبری صفحہ ۲۱۶۰۔

دمشق کو لوٹ آیا اور چونکہ کوئی بڑا خطرہ سامنے نہ تھا خالد کے دستہ فوج کو جو عراق سے ساتھ لایا تھا حضرت ابوبکر کی خواہش کے مطابق عراق کو واپس کر دیا گیا۔ اور یزید اور معاویہ اور شرجبیل اور عمرو بن العاص اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ بڑی کامیابی سے مسلمانوں کے فتوحات کو وسیع کر رہے تھے ذوالکلاع حمیری اپنے حمیر کے مضبوط دستہ فوج کے ساتھ دمشق کو شمال کی طرف سے کسی حملے سے بچانے کے واسطے پڑا ہوا تھا۔ اب چونکہ کسی حملہ کا اندیشہ نہ رہا تھا حمص کو جاتے ہوئے لشکر کے ساتھ شریک ہو گیا یونانیوں کے لشکر نے دمشق پر ایک آخری حملہ کرنے کا موقع پا کر دو فوجیں جن میں ایک کا سردار تھیوڈور ہرقل کا بھائی تھا بڑھیں۔ مگر یزید اور خالد کے تیز طوفان کی طرح پہونچنے والے لشکر نے گھیر کر یونانیوں کی فوج کو پاش پاش کر دیا اور دوسری فوج کو ابوعبیدہ نے بھگا دیا اور اس حصہ میں پھر جمع ہونے کے لائق نہ چھوڑا۔ حمص کے راستہ میں بعلبک کو فتح کرتا ہوا مسلمانوں کا لشکر بغیر کسی مزاحمت کے حمص میں پہونچ گیا جہاں سے ہرقل انطاکیہ کو چلا گیا تھا حمص کے محاصرہ میں بھی مسلمانوں کو ایک عرصۂ دراز تک مصروف رہنا پڑا۔ حمص نے بھی دمشق کی طرح بڑی مضبوطی سے مقابلہ کیا اور عرصہ تک مسلمانوں کو محاصرہ میں تھکایا۔ مسلمانوں سے لڑنے میں وہ بھی سردی کے موسم سے مدد لیتے تھے۔ تمام موسم مسلمان محاصرہ کئے رہے اور لڑتے رہے مگر رومیوں کے پژمردہ دل موسم گرما آنے پر بھی ٹھنڈے ہی رہے اور آخر کار صلح کی درخواست کی۔ خالد اگرچہ صلح کرنے پر راضی نہ تھا مگر ابوعبیدہ نے معمولی شرائط پر صلح کر لی ۔

عبادہ کو حمص میں متعین کر کے مسلمانوں کا لشکر شمال کو بڑھتا اور متعدد چھوٹے بڑے شہر فتح کرتا گیا خالد نے بڑھ کر قنسرین پر یونانیوں کی فوج کو ایک شکست فاش دی حلب اور قیساریہ بھی فتح ہو گئے اور ابوعبیدہ نے انطاکیہ کی طرف رخ کیا جو شمالی شام میں ایک عالی شان شہر اور دنیا کے بڑے دارالخلافوں میں کچھ کم مشہور نہ تھا۔ یونان کی شکستہ فوجیں وہاں جمع ہو گئی تھیں اور جیسا کہ ضروری تھا ایک بڑی سخت لڑائی ہوئی یونانیوں کا آخری چارہ صلح کر لینے اور مسلمانوں کی قوت کے سایہ میں پناہ لینے کا تھا۔ ہرقل انطاکیہ چھوڑ کر یکے بعد دیگرے وہ جس شہر میں گیا آخر اس کو وہ بھی چھوڑ دینا پڑا۔

کیونکہ خالد اٹل قضا کی طرح اس کے پیچھے تھا اور فتوحات کو بڑھاتا چلا جاتا تھا۔ ہرقل آخرکار شام سے مایوس ہوگیا اور حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوا اور ملک کو خیرباد کہتا ہوا ۱۵؁ہجری میں قسطنطنیہ میں جا مقیم ہوا۔ شام کا ملک دریائے فرات سے ساحل سمندر تک فتح ہوگیا تھا۔ اور تمام رعایا مسلمانوں کی باجگذار اور پناہ خواہ ہوگئی تھی*

اسی اثنا میں عمرو بن العاص اور شرحبیل نے فلسطین کے بہت سے شہر فتح کرلئے تھے اور ویسی ہی کامیابی سے اس مغربی صوبہ کو زیر کرتے جارہے تھے بطریق ارطفول نے جو فلسطین کا حاکم تھا اپنی مضبوط فوج کے دو حصہ کئے ایک یوروشلیم کی حفاظت کے واسطے چھوڑا اور دوسرا حصہ جو پچاس ہزار سے کم نہ تھا ساتھ لیکر مسلمانوں سے زور آزمائی کرنے کے واسطے اجنادین پر آپڑا۔ اجنادین کی لڑائی جو جنگ یرموک کی طرح نہایت سخت لڑائی تھی ویسے ہی فلسطین کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی تھی۔ ارطفول شکست کھا کر اور اپنی قسمت کا فیصلہ کرکے یوروشلیم کو بھاگ گیا اور عمرو بن العاص ایلیا کے تمام شہر فتح کرتا ہوا یوروشلیم تک پہونچ گیا۔ ارطفول اجنادین پر شکست کھا کر ہمت ہار چکا تھا اور خوف زدہ ہوکر مصر کو بھاگ گیا۔ یوروشلیم کے مقدس بطریق نے لڑائی کی تاب نہ لاکر صلح کرلینے اور شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کردینے کی خواہش کی۔ مگر اس شرط پر کہ خود حضرت عمر شرائط صلح مقرر کرنیکے واسطے آویں[۱] حضرت عمر اس کی اطلاع پاکر تیار ہوگئے۔ اگرچہ اصحاب نے اس ارادے کی مخالفت کی مگر انہوں نے نہ مانا اور یوروشلیم کو روانہ ہوئے اور سیدھے جابیا میں پہونچے یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ خلیفۂ عرب نے حدود عرب سے باہر قدم رکھا ہو۔ ابوعبیدہ۔ یزید اور خالد اُن کو ملنے کے واسطے آئے اور بعد ازاں بطریق یوروشلیم کی طرف سے ایک سفارت شرائط صلح مقرر کرنے کے واسطے آئی صلحنامہ مرتب کرکے اور دستخط کراکے بطریق کے پاس لے گئے اُس نے بھی

---

[۱] ایک روایت اس قسم کی ہے کہ بطریق بیت المقدس نے کہا کہ یوروشلیم اس شخص کے ہاتھوں فتح ہوگا جسکے نام میں تین حرف ہونگے اُنکی کتب قدیم سے یہ امر معلوم ہوا تھا۔ سرولیم میور کہتے ہیں کہ گو یہ ایک عجیب روایت ہے مگر ممکن ہے کہ اسکی کچھ اصلیت ہو مگر ہماری رائے میں اتنا بھی نہیں ہے۔ کسی ضرورت سے یہ روایت وضع کی گئی ہے جسکی بابت کئی قیاس کئے جاسکتے ہیں۔ مؤلف۔

منظور کیے اور یوروشلیم اور راملہ کے دروازے کھول دیے گئے۔ عمرو بن العاص اور شرجبیل بھی اب فراغت اور اطمینان حاصل ہونے پر حضرت عمرؓ کے پاس آئے جن کو ساتھ لیکر حضرت عمرؓ یوروشلیم کی طرف روانہ ہوئے اور اس مقدس مقام کو دیکھ کر ۱۵ھ ہی میں مدینہ واپس آ گئے اور اصحاب مدینہ کو نہایت خوشی ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے اس مشہور سفر کے اور واقعات اور جو پر مروت برتاؤ اور پر لطف سلوک اُنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ کیا اور جن کے بیان کرنے میں عجیب و غریب غلطیاں کی گئی ہیں آیندہ اپنے موقع پر بیان ہوں گے۔

## عراق و عجم

ایشیائی روم کی فتح کو مکمل دیکھ کر اب ہم کو عراق و عجم کے سب سے بڑے جنگ و جدل کے حالات میں سے گذرنے کے واسطے پیچھے جانا پڑتا ہے۔ ہم ماہ رمضان ۱۳ھ ہجری میں مثنیٰ کو بویب کی فتح کے نتائج اکٹھا کرنے میں مصروف چھوڑ آئے ہیں۔ مداین دار الخلافت ایران میں انقلابات کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ ایرانیوں نے اپنی نئی شکستوں کو رستم اور اپنی نئی ملکہ کی کمزوری سے منسوب کیا اور ورثائے ذکور میں سے کسی شاہزادے کو تخت ایران پر بٹھانے کی فکر میں ہوئے اور آخر یزدجرد نامی ایک شاہزادہ مل گیا اور تخت نشین کیا گیا۔ اکیس برس کے نوجوان شاہزادے کے گرد اُس کے اُمرا اور اعیان و اراکین سلطنت بڑی وفاداری اور سرگرمی سے جمع ہوئے اور بقول سر ولیم میور کے اُن کی پُرانی سلطنت کی آگ کسی قدر اُن میں مشتعل ہو گئی۔ فوجیں جمع کی گئیں اور سواد کے شہروں پر پھر قبضہ کر کے شہروں کو مضبوط کر دیا گیا۔ رعایا بھی اپنی قدیم سلطنت کی طرف راغب ہو گئی اور جہاں تہاں مسلمان تھے اُن کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور بہت سے مسلمان مار ڈالے۔ مثنیٰ کو ماہ ذی قعدہ ۱۳ھ میں ایک دفعہ پھر حسب ہدایت ہٹ کر دریائے فرات کے اُس پار جا ٹھہرنا پڑا۔ حضرت عمرؓ کے پاس اُس نے امداد اور فوج کے واسطے ایک ضروری عرضی بھیجی اور اپنی پُر خطر حالت بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے نہایت دلیری سے اس خطرے کا مقابلہ کیا۔ خود رستم کے فوج ایران کا سپہ سالار ہونے اور

اور تمام جنگ آزما مشہور سرداروں کے ساتھ ایک عظیم لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ میں بڑھنے کی خبریں پہونچ چکی تھیں۔ عراق میں مسلمانوں کے پاؤں جمنے اس سبب سے مشکل تھے کہ ایران کا دارالخلافت مدائن جو تمام قوت کا مرکز تھا اس طرف بہت قریب تھا حضرت عمر چاہتے تھے کہ ایک بڑے معرکہ میں اُن کی قوت کو شکستہ کردیں اور جانتے تھے کہ مدائن کے فتح ہونے تک تمام کوششوں اور فتحوں کا نتیجہ نقصان دہ ہوگا۔ پس اُنہوں نے ارادہ کیا کہ بذاتِ خود میدانِ جنگ میں جائیں اور لشکر کی سپہ سالاری کریں۔ اپنے خاص اصحاب سے اپنے اس ارادہ کا ذکر کیا اور مشورہ لیا سب نے اس ارادے کی مخالفت کی اور نہایت اصرار سے منع کیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ نئی فوجیں ایک نئے سپہ سالار کے ماتحت بھیجی جائیں۔ چنانچہ سپہ اکٹھا ہونے لگی اور پہلا دستہ چار ہزار فوج کا سعد بن ابی وقاص کے ماتحت جو تمام فوج کا سپہ سالارِ اعظم مقرر کیا گیا تھا بھیجا گیا اور مثنیٰ اور جریر کو اُس کے ماتحت کام کرنے اور اُس کی اطاعت کرنے کی ہدایت کی گئی۔

سعد مکہ میں بچپن ہی میں مسلمان ہوا تھا اور اب اُس کی عمر چالیس برس کی تھی۔ سیاہ فام اور پست قد مگر دلیر اور بہادر آں حضرت صلعم کے وقت میں تمام عرب میں یگانہ تیر انداز تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو ضروری ہدایات اور رحم اور تلطف کرنے کی نصیحت کر کے روانہ کیا اور متعاقب برابر فوجیں بھیجنے کا وعدہ کیا۔ اور برابر فوجیں بھیجتے رہے طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب بنی اسد اور زبید کے لشکروں کے سردار ہو کر گئے۔ جن کی نسبت حضرت عمر نے لکھا تھا کہ اُن میں سے ہر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ اشعث الکندی اپنے قبیلہ کی فوج کے ساتھ اسی طرح اور فوجیں اور قبائل عرب بھیجے گئے۔ مشہور ہے کہ حضرت عمر نے عرب میں کوئی جنگ آور، شاعر اور مقرر اور سردار نہ چھوڑا جو اس فوج کی امداد کے واسطے نہ بھیج دیا ہو۔ اس طرح پر سعد کے پاس بیس ہزار فوج جمع ہوگئی اور بعد میں جب شام کی فوج اُس سے آملی تھی تو کل تعداد تیس ہزار تھی۔ غرض اپنی فوج کو ساتھ لئے ہوئے حیرا سے پندرہ بیس میل جنوب کی طرف مثنیٰ کی فوج سے جا ملا۔ مگر افسوس کہ مثنیٰ کا ماہ صفر ۱۵ھ میں انتقال ہو چکا تھا اور اسلامی لشکر کے نئے سردار کے واسطے یہ قول وصیت چھوڑ گیا تھا کہ دشمن

سے حدودِ صحرا پر جنگ کرے"۔ سعد کو اُس کی وفات کی خبر سُنکر نہایت رنج اور افسوس ہوا اُس کے بھائی کی تسکین کی اور مثنی کی وصیت کے موافق تھوڑا آگے بڑھکر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوا جو نام کہ دُنیا کی تاریخ میں ایک سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے جنگ کا مقام ہونے کے واسطے شُہرت پانے والا تھا۔ سعد ایک عمدہ موقع پر لشکر کو ٹھہرا کر اور ایک نئی ترتیب سے آراستہ کر کے دُشمن کے انتظار میں بیٹھ رہا۔ فوج ایران کا سپہ سالار رستم بھی یہی انتظار کی چال چلنا چاہتا تھا مگر یزدجرد بےصبر ہو رہا تھا اور رستم کو آگے بڑھنے کے واسطے تاکیدی حکم دیا ؂

سعد اور حضرت عمر کے درمیان خط کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت عمر نے سعد سے اُس علاقہ اور مقام کی کیفیت دریافت کی۔ سعد نے اپنے لشکر اور قادسیہ کے محل کی تفصیلاً کیفیت بیان کی۔ حضرت عمر کا اس کیفیت سے اطمینان ہو گیا اور اُس کو خبرداری اور اُسی جگہ انتظار کرنے کو لکھا اور لکھا کہ سب سے پہلے یزدجرد (یا یزدگرد) کو دعوتِ اسلام کرنی چاہئے۔ درحقیقت یہ کلیہ دستور اور قاعدہ تھا اور شام اور عراق وغیرہ میں مسلمان سردار اسکی بڑا پابندی کرتے رہے ہیں کہ سب سے پہلے دعوتِ اسلام کرتے تھے اور دوسرا موقع جزیہ قبول کرنے کا دیتے تھے اُن کے منظور نہ کرنے کی حالت میں ہتھیار اُٹھانے تک نوبت پہنچتی تھی۔ مگر یہ سلوک ہر ایک شہر سے کیا جاتا تھا۔ یہ ایک نئی بات تھی کہ اس زمانہ میں ایک شہنشاہ کو دعوتِ اسلام کی گئی۔ مسلمانوں کے لشکر سے چودہ مشہور آدمی جن میں نعمان بن مقرن المزنی۔ اور بشیر بن ابی حازم اور عدی بن سہل اور مغیرہ بن شعبہ اور اشعث الکندی وغیرہ تھے منتخب کر کے یزدجرد کے پاس بھیجے گئے۔ مدائن پہونچ کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے اور قبول اسلام۔ جزیہ یا جنگ کا پیغام پہونچایا۔ یزدجرد نے نہایت حقارت سے عربوں کو ایک ناچیز قوم اور موش و مار کھانے والی اور پشم شتر پہننے والی اور ایک ننگے بیابان ملک کے بھوکے آوارہ لوٹیرے کہا اور کہا کہ میں تمکو ایک نقدہ دوں گا اور تم راضی ہو کر لوٹ جاؤ گے۔ مسلمان سفیروں نے بڑی متانت سے اس کا جواب دیا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ ہم مفلس اور بھوکے ہیں لیکن خدا ہم کو دولت اور طمانیت بخشے گا۔ آپ نے اپنے واسطے

پسند کیا ہے اور وہی ہمارے درمیان فیصلہ کریگی - بادشاہ ان الفاظ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ اگر تم قاصد نہ ہوتے تو میں سب کو قتل کروا دیتا اور ایک مٹی کا ڈھیلا منگوا کر اُن کے سامنے رکھدیا کہ اسکو اٹھائے ہوئے شہر کے دروازے سے نکل جاؤ - عاصم اُسے اُٹھا کر اسی طرح لئے ہوئے قادسیہ پہونچا اور سعد کے سامنے رکھ کر کہا کہ خدا نے تجھ کو ایران کی زمین دی ہے *

رستم اب زیادہ انتظار نہیں کرسکتا تھا - ہاتھی اور سوار اور پیادہ فوج حشرات الارض سے بھی زیادہ اُس کے پاس جمع ہوچکی تھی بعضے اُس کی تعداد دو لاکھ اندازاً بتاتے ہیں اور بعض ایک لاکھ بیس ہزار بیان کرتے ہیں - جس کے سردار رستم کے ماتحت جالینوس - ہرمز اور مہران اور فیروزان وغیرہ ایران کے منتخب سپہ سالار تھے - باوجود اس قوت اور قوی فوج کے رستم کے دل پر مسلمانوں کا خوف اور ہیبت طاری تھی - اور آہستہ آہستہ اس خیال سے بڑھتا تھا کہ مسلمان سامان رسد سے تنگ ہو کر منتشر ہو جاوینگے - غرض اسی طرح تین چار مہینے گذار کر نجف سے گذر کر مسلمانوں کی فوج کے قریب پہونچا اور دریا کے مقابل طرف مقیم ہوا - مسلمانوں کی فوج اس انتظار اور بے کاری سے تنگ آگئی تھی اور بڑی مشکل سے سعد اُن کو روکے ہوئے تھا - غنیم کی فوج کے قریب پہونچنے سے بقول سر ولیم میور کے اس طرح مضطرب ہوئے جس طرح ایک شیر اپنی کمین میں خونخوار حیوان سے حملہ کرنے کے وقت ہوتا ہے - رستم کی رضامندی سے مسلمانوں کے تین قاصد ربعیہ - حذیفہ - اور مغیرہ اُس کے پاس گئے اور قبول اسلام اور جزیہ - یا جنگ کا پیام اُسکو پہونچایا مگر تلوار ہی کو قبولیت کی عزت حاصل ہوی - سعد تو اپنی جگہ سے جہاں پہلے روز خیمہ زن ہوا تھا حرکت نہیں کرتا تھا - رستم کو دریا عبور کرنا پڑا اور تیس ہاتھیوں اور اپنے تمام لشکر کے ساتھ گذر آیا - دریا کے کنارے پر ایک سُنہری تخت بچھا کر جہاں سے جنگ کے میدان کو دیکھ سکے اُس پر جلوہ افروز ہوا *

مسلمانوں کی فوج اپنے سپہ سالار کو نہ دیکھ کر حیران اور شاکی ہوئی - مگر سعد بیمار تھا اور گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتا تھا - آخر فوج کے درمیان آکر اُس کو آراستہ کیا اور اُن کے

دل بڑھانے کی ہر ایک تدبیر عمل میں لایا۔ دوپہر کے بعد لڑائی شروع ہوئی اور مبارزہ اور دست بدست لڑائی سے آغاز ہوا غالب اور عاصم اور عمرو بن معدی کرب نے بڑی بہادری سے اپنے رقیبوں کو مارا۔ غالب اپنے رقیب ہرمز کو جو شاہزادوں میں سے تھا زندہ پکڑ لایا اور معہ اُس کے تاج کے سعد کے پیش کر دیا۔ رستم نے اس پہلی بدشگونی سے بے لطف ہو کر ہاتھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا ایرانیوں کا بڑا بھروسہ انہیں مہیب حیوانوں پر تھا جن پر جھنڈوں اور ہودوں سے بلندی پر بلندی چڑھائی ہوئی تھی۔ ان رواں قلعوں کو دیکھ کر عرب کے گھوڑے ڈرنے اور بدکنے اور بھاگنے لگے اور لشکر میں ہل چل اور پریشانی پیدا ہوئی۔ بنی اسد نے بڑھ کر حملہ کو اپنے پر لیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا آخر سعد نے عاصم کو کہا کہ جس طرح بن پڑے اس خطرے سے نجات پانی چاہئے۔ بہادر عاصم فوراً بنی تمیم کے ہوشیار تیراندازوں کی ایک جماعت کے ساتھ بڑھا۔ مہاوتوں اور سواروں کو چُن چُن کر گرا دیا اور بڑی بہادری سے زیربند کاٹ کر ہودوں کو گرا دیا۔ ہاتھی بے مہاوتوں کے بھاگے اور اس آفت سے نجات ہوئی رات کی تاریکی نے میدان کارزار پر پردہ ڈال دیا اور فوجیں ہٹ کر اپنے اپنے خیموں میں آن پڑیں۔

دوسرے دن صبح مقتولوں اور مجروحوں کی تدفین اور خبر گیری میں گذری لڑائی شروع ہونے تک دن کے کئی گھنٹے گذر چکے تھے۔ پہلے دن کی لڑائی نے مسلمانوں کے دلوں کو کچھ تقویت نہ دی تھی مگر اسوقت ایک امداد غیبی نے اُن کے دل بڑھا دیئے۔

شام سے جنگ فحل کے بعد جو خالد کی عراق کی فوج قعقاع کے ماتحت عراق کو واپس بھیجی گئی تھی مسلمانوں کے لشکر سے نظر آنے لگی۔ فوج کا بڑا حصہ تو قعقاع ہاشم کے ماتحت پیچھے چھوڑ آیا تھا کہ سہولت سے پہونچے صرف ایک ہزار فوج اُس کے ساتھ تھی جس کو اُس نے سَو سَو کے دستوں میں فاصلہ سے میدان میں پہونچنے کو کہا۔ ان دستوں کے یکے بعد دیگرے اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے آنے نے وہی کام کیا جو دس ہزار فوج کی آمد کر سکتی تھی۔ مسلمانوں کے دل جس قدر بڑھتے تھے ایرانیوں کے دل اُسی قدر ڈوبے جاتے تھے۔ قعقاع نے سیدھا میدانِ جنگ کی طرف رُخ کیا اور اپنے دوستوں سے ملتا ہوا دونوں لشکروں کے بیچ

جا کھڑا ہوا - ذوالحاجب جس نے واقعہ جسیر (پل) میں مسلمانوں کو شکست دی تھی - اور ابوعبیدہ کو قتل کیا تھا - قعقاع سے مبارزہ کے واسطے نکلا - قعقاع نے اپنے دشمن کو پہچان لیا اور کہا کہ آج ابوعبیدہ اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لوں گا - اور پہلے ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا - ایرانی فوج کے دلیر پے در پے بڑھنے اور قعقاع اور اُس کے ساتھیوں کے ہاتھ سے مارے جانے لگے - ہاتھیوں کے ساز کی مرمت نہیں ہوئی تھی - اور وہ اُس روز میدان میں نہیں لائے گئے تھے - ایرانیوں کے سواروں کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور رستم بڑی مشکل سے بچا تاہم پیادہ فوج استوار رہی اور نہایت سخت لڑائی ہوئی دس ہزار ایرانیوں اور دو ہزار مسلمانوں کی لاشیں میدان میں تھیں - رات نے اس خونریزی کے کھیل کو بند کر دیا ؞

تیسرے دن کی صبح کا پہلا اندوہناک کام مجروحوں کو عورتوں کی خبرگیری میں سپرد کرنا اور مقتولوں کو میدان سے اُٹھانا تھا - ایرانیوں کی فوج کے دل اپنے اُن مردوں سے جو میدان جنگ میں پڑے ہوئے تھے اور اُن کے اُٹھانے اور دفن کرنے کی کسیکو فکر نہ تھی کچھ اچھے نہ تھے - لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ شام کی بقیہ فوج ہاشم کے ماتحت آن پہونچی اور میدان سے گذرتی ہوئی سیدھی دشمن کی صفوں کو چیر کر دریا کے کنارے تک پہونچ گئی اور مسلمانوں کے خوشی کے نعروں کے ساتھ واپس آئی - یزدجرد نے جس کے پاس ہر ساعت کی خبریں پہونچ رہی تھیں اپنی محافظ فوج بھی فوج ایران کی مدد کے واسطے بھیجدی - ہاتھی مسلمانوں کو اپنی کوششوں کی طرف سے پھر مایوس کرنے لگے تھے - سعد نے قعقاع کی طرف اشارہ کیا جو اپنی شجاعت اور دلیری میں ایسا نام پا چکا تھا کہ گویا فتح اُسی کے نام ہونے والی تھی - صرف مبارزے میں تیس بہادر ایرانیوں کو قتل کر چکا تھا - پس قعقاع اور عاصم اور ایک جماعت دلیر مسلمانوں کی اس خطرناک کام کے واسطے بڑھے قعقاع نے بڑے سفید ہاتھی کی ایک آنکھ میں بڑھ کر نیزہ مارا اور بیتاب کر دیا - قعقاع کو اُس نے سونڈ سے اُٹھا کر پرے پھینک دیا - ایک دوسرا بڑا ہاتھی بھی اندھا کر دیا گیا - دونوں ہاتھی لشکر کے

دریاؤں میں چیخیں مار کر دوڑنے لگے آخر ایرانیوں کی فوج کی صفیں چیرتے ہوئے نکل گئے اور باقی تمام ہاتھی بھی اُن کے پیچھے بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر تک تو فوجیں اس تماشہ کو دیکھتی رہیں مگر پھر لڑائی شروع ہوگئی اور تاریکی ہوجانے تک رہی۔

اندھیرا ہوجانے پر لڑائی بند ہوگئی۔ سعد نے عمرو بن معدی کرب اور طلیحہ کو اپنی فوج کی پشت کی حفاظت کرنے کے واسطے بھیجدیا۔ ایک ساعت کی ساعت لشکروں نے آرام لیا تھا کہ بعض عرب سردار اپنے قبائل کے نام و نسب کو ایرانیوں کو ڈرانے کے واسطے پکارنے لگ گئے۔ اس حرکت نے جس کی پہلے سعد کو خبر نہ تھی دونوں فوجوں میں لڑائی شروع کرادی۔ سعد کو تمام رات سوا شور و غل کی آواز کے اور کچھ سنائی نہ دیا اور رات بھر دعا مانگنے میں مصروف رہا۔ صبح کے آفتاب نے بھی دونوں فوجوں کو برابر کی لڑائی میں مصروف دیکھا۔ قعقاع پھر اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ ایک سخت حملہ دشمن کا کام تمام کردیگا جیت اُن کی ہوتی ہے جو آخر تک ثابت قدم رہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں سپاہیوں نے آنکھ نہیں جھپکی تھی اور اب مسلمان گویا تازہ دم حملہ کرنے کے واسطے اُٹھے۔ اس حملہ نے ایرانیوں میں مقابلہ کی تاب نہ چھوڑی فوج کے دونوں بازوؤں کے پاؤں اُکھڑنے لگے۔ ایک سخت حملہ نے اُن کے مرکز کو بھی ہلادیا اور سپاہی بھی بھاگے۔

رستم کے تخت کا سامنا کھُل گیا اور بے پناہ ہوگیا۔ ایک تُند گرم ہوا نے اُس کے چھتر کو اُڑا کر دریا میں پھینک دیا۔ رستم بھاگا اور ایک لدے ہوئے اونٹ یا خچر کے نیچے پناہ لی۔ ہلال بن علقمہ ایک مسلمان نے اُس کا تنگ کاٹ دیا اور اُس کا بوجھ اُس کی کمر پر گرگیا۔ نیچے سے کھسک کر نکلا اور دریا میں غرق ہونے کے ارادہ سے کود پڑا۔ مگر ہلال نے دیکھ لیا اور پیچھے کود کر اُس کو کھینچ کر نکال لایا اور اُس کا سر کاٹ کر اُس کے تخت پر کھڑے ہوکر اعلان کردیا۔ فوج کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی اور دیوانہ وار بھاگنے لگے ہرمزان اور فیروزان نے اپنی اپنی فوج کے دستوں کو مسلمانوں کے پہونچنے سے پہلے دریا سے عبور کرادیا۔ جالینوس کی فوج کا تھوڑا حصہ گذرنے پایا تھا کہ پُل کا بند ایرانیوں کی اُس پار کی فوج نے شاید تعاقب سے بچنے کے واسطے کاٹ دیا

جالینوس نے فوج کو اکٹھا کر کے مقابلہ کرنے کی بیفائدہ کوشش کی اور خود بھی مارا گیا۔ تمام میدان مقتولوں کی لاشوں سے بھر گیا لاکھ سے کم آدمی قتل نہیں ہوئے تھے پہلے دو دنوں میں اڑھائی ہزار مسلمان قتل ہوئے تھے اور تیسرے دن اور رات میں چھ ہزار مقتول شمار میں آئے۔ ایرانیوں کے نقصان جان اور مال کا حساب کرنا بیفائدہ ہے۔ قادسیہ کی شکست نے اُن کی تمام سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا اور وہ مسلمانوں کی تھی۔ اس عظیم جنگ کے پہلے تین دن ارماث اغواث اور عماس کے نام سے اور آخری رات حریر کے نام سے بعض خاص مناسبتوں کے لحاظ سے موسوم کیے گئے ہیں ٭

سنہ ۱۴ ہجری کے رمضان مہینہ میں جنگ ہوا۔ حضرت عمر نے جس طرح پر اس عظیم اور بے نظیر فتح کی خبر کو سنا وہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ جس قدر زمانہ اس لڑائی کی تیاری اور جنگ میں صرف ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہی تھا تمام ملک بڑی تشویش اور شوق سے اُس کا نتیجہ معلوم کرنے کا منتظر تھا۔ حضرت عمر ہر صبح مدینہ سے باہر آکر اس خیال سے کہ کوئی قاصد خبر لے کر آ جائے بیٹھ رہا کرتے تھے۔ آخر کار ایک صبح کو ایک قاصد آتا ہوا نظر آیا اور حضرت عمر کے سوال پر اُس نے جواب دیا کہ "خدا نے مسلمانوں کو فتح اور ایرانیوں کو شکست نصیب کی ہے"۔ حضرت عمرؓ بلا شناخت اُس کے ساتھ ساتھ شہر کو چلتے گئے اور تمام کیفیت لڑائی کی پوچھ لی مدینہ میں جب داخل ہوئے تو لوگ حضرت عمر کے گرد جن کے ساتھ قاصد سوار چلا آرہا تھا مبارکباد دینے کے واسطے جمع ہو گئے تب قاصد نے پہچانا اور نادم ہو کر کہنے لگا کہ "یا امیر المومنین آپ نے پہلے مجھے کیوں نہ معلوم ہونے دیا"۔ حضرت عمر کا مختصر اور سادہ جواب یہ تھا کہ "بھائی یہی بہتر ہے"۔ یہ متانت اور سنجیدگی اور وقار اور تحمل اور فراخ حوصلگی اور دنیا سے استغنا اور بے پرواہی تھی۔ اُس شخص کی جس کے سامنے بقول سر ولیم میور کے "اُس وقت قیصر اور کسریٰ کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی" ٭

سعد کچھ زمانہ تک حضرت عمر کے حکم کے موافق قادسیہ میں ٹھہرا رہا۔ جب بالکل تندرست

ہوگیا تو آخر سنہ ۱۴ھ میں تیسری دفعہ حیرا پر قبضہ کرنے کے واسطے بڑھا - ایران کی فوج مقابلہ کرتی اور شکستیں کھاتی ہوئی پیچھے ہٹتی جاتی تھی ہاشم نے اُن کو پے درپے شکستیں دے کر فرات سے دجلہ تک کا میدان صاف کر دیا - دراصل قادسیہ کی فتح نے مداین کا راستہ صاف کر دیا تھا یہ عظیم الشان شہر جو صدیوں سے ایران کا دارالسلطنت تھا دریاے دجلہ کے دونوں کناروں پر بغداد کی آبادی سے پندرہ میل نیچے پر واقع تھا - دائیں جانب کا شہر سکندر اعظم اور اُس کے جانشینوں کا پایہ تخت رہ چکا تھا اور مقابل کا شہر کسراے ایران کا موسم سرما بسر کرنے کا مقام تھا کیان ایران کی یادگاروں کا مدفن شان اور شوکت میں بابل سے بھی بڑھا ہوا تھا - مسلمان مدائن کی طرف بڑھے مگر ملکہ بوران کی رگوں میں ایک دفعہ پھر خون نے جوش مارا اور اپنی تمام قوت کو جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں لے آئی مگر ہاشم نے ایسی فاش شکست دی کہ نقصان اُٹھا کر بھاگنے کے سوا کچھ چارہ نہ دیکھا - اور مسلمانوں کا لشکر مغربی مدائن کی دیواروں تک پہونچ گیا - کئی مہینوں تک محاصرہ رہا اور ایرانی آخری دفعہ مبارزہ کے واسطے اور مقابلہ کرنے کو نکلا کئے - مگر محاصرہ ایسی سختی سے کیا گیا کہ آخر یزدجرد نے مسلمانوں کے پاس ایک قاصد بھیجا اور کہا کہ دجلہ کے مشرق کے ملک کو اگر نہ چھیڑا جائے تو تمام مغربی جانب کا ملک رضامندی سے دیدیتا ہوں مگر یہ منظور نہ کیا گیا - ایرانی اس عرصہ میں مغربی شہر کو خالی کر کے مشرقی حصہ میں چلے گئے اور مسلمان بلا مزاحمت مغربی حصہ میں داخل ہو گئے - مغربی اور مشرقی حصہ کے درمیان میں دریا واقع تھا اور کشتیاں وغیرہ سب ایرانیوں کے قبضہ میں دریا کے اُس طرف تھیں کچھ عرصہ انتظار کر کے اور دریا کا ایک مقام سے پایاب ہونا معلوم کر کے اگرچہ دریا طغیانی پر تھا سعد نے پار اُترنے کا خطرناک ارادہ کیا ایک فوج کے چند حصہ کر کے پہلے حصہ کو عاصم کے ماتحت دریا میں گھوڑا ڈال دینے کو کہا ایرانی سامنے سے حملہ کرنے کے واسطے آئے مگر عاصم کی بہادری نے ایسی نازک حالت میں بھی اُن کے مُنہ پھیر دیئے پہلے دستہ کا سلامت اُس کنارے پر پہونچنا تھا کہ سعد باقی لشکر کے ساتھ دریا میں کود پڑا اور اُس کنارے پر پہونچ گیا - ایرانی بدحواس ہو کر بھاگے - یزدجرد پہلے ہی سے حلوان کی طرف خزائن

اور اسباب جو لے جا سکا لے کر بھاگ گیا تھا۔ اب مدائن کے مالک مسلمان تھے ۱۶ سنہ ہجری کا صفر مہینہ تھا۔ وہ ایوان اور وہ محل وہ عالیشان مکانات وہ کوشکیں اور باغات وہ خزائن اور عیش و عشرت کے بے حد و پایاں اسباب۔ نہریں اور چشمے دیکھ کر سعد کو خداوند تعالیٰ کا فرمان یاد آیا۔

کم ترکوا من جنٰتٍ وعیونٍ وزروعٍ ومقامٍ کریمٍ ونعمۃٍ کانوا فیہا فٰکہین۔ کذٰلک واورثنٰہا قوماً اٰخرین۔ فما بکت علیہم السماء والارض وما کانوا منظرین۔

ترجمہ۔ کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور گھر خاصے اور آرام جس میں تھے باتیں بناتے اسی طرح اور وہ سب ہاتھ میں ڈالا ہم نے ایک اور قوم کے اور پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین اور نہ ملی ڈھیل اُن کو۔

غنیمت جو مدائن میں جمع کی گئی وہ حد اور اندازے سے باہر تھی اور عدد و شمار میں نہیں آسکتی تھی۔ خزانے زر و جواہرات۔ سونے اور چاندی کے ذخیرے۔ جامہ اور سلاح اور فرش۔ قعقاع نے ایک اونٹ یا خچر پکڑی تھی جس پر کسریٰ کا تاج اور زرہ اور جوشن اور خود اور ساعدین اور ساقین زرین جواہر نگار اور پیراہن مروارید سے بنا ہوا جس میں دو مروارید کے بعد ایک پارہ یاقوت سُرخ کا تھا۔ اور جامہ ہائے زربفت حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی تلواریں اور نو اور مرصع تلواریں دُنیا کے مشہور شاہنشاہوں کی تھیں۔ غرض اس بے شمار خزانہ کا شمار اس طرح بھی پورا نہ ہو سکا کہ ایک سونے کا پورے قد کا گھوڑا جس کی آنکھوں اور دانتوں کی جگہ جواہرات لگے تھے اور چاندی کا اونٹ ملا۔ عطر۔ صندل۔ عنبر۔ مشک۔ اور کافور کے خم اور انبار ملے۔ ایک فرش سر بسر مرصع تین سو گز لمبا اور ساٹھ گز چوڑا جس کو دستانی کہتے تھے ملا جس پر زُمرد اور یاقوت اور جواہرات سے باغ اور روشیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ فرش اور تمام خوشبوئیں اور خمس غنیمت کا حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدیا گیا اور باقی لشکر میں تقسیم کیا گیا جو ایک بڑا مشکل کام تھا ساٹھ ہزار سواروں میں سے ہر ایک کو بارہ ہزار درہم حصہ میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے غنیمت کو تقسیم کرنے کے بعد فرش شاہی کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹا حضرت علیؓ کے حصہ کے ٹکڑے کی

قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ یاد رہے کہ ممکن اختصار کے ساتھ ہم یہ حالات لکھتے ہیں ؛

سعد نے مدائن کو اپنا صدر مقام بنایا۔ محلات اور مکانات مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے شاہی محل میں خود ٹھہرا اور ایوان شاہی کو مسجد قرار دیا۔ جس عالیشان مکان میں کہ عراق میں سب سے پہلی نماز جمعہ پڑھی گئی۔ مسلمانوں کی فوج نے بہت عرصہ آرام نہ کیا تھا کہ ایرانیوں نے ایک نئی کوشش فوج کے جمع کرنے کی کی اور جلولا کے قلعہ میں اکٹھے ہوئے۔ سعد نے یہ سُنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر ہاشم اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ عرصہ تک قلعہ کا محاصرہ رہا کیونکہ حلوان سے تازہ کمکوں سے قلعہ مضبوط ہوتا جاتا تھا۔ آخر ایک طوفانی دن کو قعقاع نے خطرناک دلیری کر کے لوٹتی ہوئی فوج کے ساتھ بڑھ کر ایک دروازہ پر قبضہ کر لیا۔ لڑائی سخت ہوئی۔ چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ ایرانی ایک لاکھ لاشیں چھوڑ گئے۔ یزدجرد کو اب حلوان میں ٹھہرنے کی تاب نہ تھی شکستہ فوج کے بقیہ کے ساتھ اپنے شمالی دار الخلافہ رے کو بھاگا اور قعقاع نے حلوان کی فوج کو شکست دے کر اُسپر بھی قبضہ کر لیا۔ سعد کا ارادہ رے کی طرف بڑھنے کا تھا مگر حضرت عمر نے احتیاطاً اُسی وقت بڑھنے سے منع کیا۔ مشرقی ایران اور عراق کے درمیان جو پہاڑ تھا اُسکو فی الحال اپنی فتوحات کی حد قرار دینے اور اسی طرف رہنے کی ہدایت کی ؛

اب مسلمانوں کا کام عراق عرب پر کما حقہ اپنا تسلط بٹھانے اور مفتوحہ حدود کے اندر رعایا کو مطیع فرمان کرنے اور اسی قسم کا تھا مگر ان حدود میں جو خلل انداز ہوا اُس سے جنگ کرنا لازمی تھا۔ ہرمزان کا ایک بیٹا فوج لے کر حلوان کے جنوب کی طرف ماسندان تک بڑھ آیا مگر شکست کھا کر مارا گیا اور ماسندان اور شروان فتح ہو گیا۔ جزیرہ عراق اور شام کا درمیانی صوبہ اہل شام اور عیسائی اعراب اقوام کو بغاوت کے واسطے جمع ہونے کو جگہ دے رہا تھا۔ اور انطاق حاکم صوبہ اپنی قوت بڑھا رہا تھا۔ سعد نے حضرت عمر سے یہ کیفیت عرض کی۔ اُنہوں نے عبداللہ بن المعتمر کے ماتحت فوج بھیج دینے کا حکم دیا۔ قلعہ تکریت میں جو مدائن سے سو میل اوپر دریا کے کنارے پر ایک شہر تھا انطاق مع مددگار اقوام کے پڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی فوج پہونچنے پر محصور ہو گیا۔ مسلمانوں نے چالیس روز تک

محاصرہ رکھا۔ عرب اقوام نے مسلمانوں سے صلح کرلی اور باقی فوج نے لڑائی میں شکست کھائی۔ النطاق کے مارے جانے سے موصل بھی فتح ہوگیا۔ اور سعد نے حضرت عمر کے حکم سے ہت اور کرکیسیا کو بھی فتح کرلیا تھا۔ گویا جزیرہ کے دونوں دریاؤں کے بیچ کے جنوبی حصہ پر قبضہ ہوگیا ؎

حضرت عمر کو اُس وقت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ عراق پر مسلمانوں کا تسلط محفوظ اور مضبوط نہیں ہوسکتا جب تک کہ خلیج فارس کے سرے سے اُس کے مشرقی کوہستانی علاقہ تک ملک فتح نہ ہوجائے۔ پس سعد کی رائے سے عتبہ بحرین کی فوج کے ساتھ معہ عرفجہ کے ابلہ کی طرف بڑھنے کے واسطے بھیجا گیا۔ یہ تجارتی شہر شکست کھاکر مفتوح ہوگیا۔ تب ایرانیوں نے دریا کے مشرقی کنارے پر لشکر جمع کیا اور متعدد لڑائیوں کے بعد اُس کے منتشر کرنے میں کامیابی ہوئی جن میں سے ایک لڑائی میں مسلمان عورتوں کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے ایک نازک وقت میں عجیب طرح سے اپنی فوج کی مدد کی کہ اپنے دوپٹوں کے جھنڈے بناکر میدانِ جنگ میں جا پہنچیں۔ جس کو دشمن نے مسلمانوں کی ایک تازہ فوج کی آمد سمجھا اور دل چھوڑکر بھاگ نکلے آخر ایک سخت لڑائی میں مسلمانوں کو قطعی فتح حاصل ہوئی تھی اور عراق پر مسلمانوں کا تسلط ہوگیا تھا تاریخوں کے اعتبار سے یہ واقعات آگے پیچھے لکھے گئے ہیں۔ مثلاً جلولا کی فتح ماہ ذی قعد ١٦ سنہ ہجری میں ہوئی سنداں موسم گرما ١٦ سنہ ہجری میں فتح ہوا۔ ہت اور کرکیسیا ١٥ سنہ ھ میں اور یہ شاتہ العرب کا صوبہ ١٤ سنہ ھ میں فتح ہوا ؎

درحقیقت فتح مدائن کے بعد فوج کشی کو حضرت عمر نے روک دیا تھا اور عرصہ تک اپنی حدود سے باہر مسلمانوں کے ہتھیار نہیں گئے تھے جنوبی عراق کے مشرق میں ایران کا جنوبی مغربی صوبہ اہواز واقع تھا۔ علاء بن الحضرمی جو آنحضرت صلعم کے زمانہ سے بحرین کا خودمختار حاکم تھا۔ اُس نے سعد کی ناموری کے رشک سے حضرت عمر کی بلا اجازت مشرق کی طرف چھیڑ چھاڑ شروع کردی اور اصطخر پر بڑھا اور نادانی سے شکست کھاکر دشمن کے درمیان میں گھر گیا۔ حضرت عمر اس حال کو معلوم کرکے علاء سے ناراض ہوئے مگر اُس کی مدد کرنی ضروری تھی۔ عتبہ کے نام حکم ہوا جو بارہ ہزار

فوج کے ساتھ بصرہ (بصرہ اور کوفہ اس وقت آباد ہو چکے تھے) سے روانہ ہوا اور بڑی مشکل سے علاء کی فوج کے ساتھ ملکر دشمن کو شکست دے کر ہٹا دیا اور بصرے کو لوٹ آیا۔ عتبہ کی فوج نے اگرچہ بہت شہرت حاصل کر لی تھی اور حضرت عمر نے اُس کو تحسین و آفرین کی تھی مگر علاء کی شکست نے ایرانیوں کو پھر حوصلہ دلایا اور ہرمزان جو اہواز کا حاکم ایران کے شاہی خاندان میں سے ایک مشہور بہادر شخص تھا اور جنگ قادسیہ وغیرہ میں فوج ایران کا افسر تھا مسلمانوں کی حدود میں بڑھ کر مقامات پر حملہ کرنے لگ گیا۔ اِن حملوں کے روکنے کے واسطے مسلمانوں کو فوج کشی کرنی پڑی۔ ہرمزان نے پہلی شکست کھا کر ۱۸ سنہ میں اہواز مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ دوسری شکست رام ہرمز پر کھائی اور اُس پر بھی ۱۹ سنہ ھ میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور ہرمزان نے تنگ ہو کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا کہ اُس کو حضرت عمر کے پاس اُس کی نسبت فیصلہ کرنے کے واسطے بھیجدیا جاوے پس اُس کو بند میں اپنے مفسدوں کا جواب دینے کے واسطے حضرت عمر کے پاس مدینہ بھیج دیا گیا۔ مسلمانوں کی فوج نے اس کے بعد سوس کو جو ایک نہایت قدیم اور مضبوط شاہی شہر تھا اور جس میں حضرت دانیال کی قبر تھی ایک عرصہ کے محاصرہ کے بعد فتح کر لیا اور اُس کے قرب و جوار کا علاقہ بھی فتح ہو گیا۔ اِن فتوحات کی تاریخوں میں اختلاف ہے روایتیں ۱۷ سنہ ۱۹ سنہ ھ بلکہ ۲۰ سنہ ھ بھی بیان کرتی ہیں *

## شام میں بغاوت

حضرت عمر کے چھٹے سال خلافت ۱۷ سنہ ھ میں شمالی شام میں جزیرے کے عیسائیوں کی باغیانہ ترغیبوں سے ایک آخری اور نہایت سخت کوشش مسلمانوں کے غاشیۂ اطاعت کو اپنے کندھوں سے پھینک دینے کی کی گئی۔ مسلمانوں کا اگرچہ بلاد مفتوحہ کی حدود کے اندر مضبوطی سے تسلط ہو چکا تھا مگر سمندر کی طرف مغربی بندرگاہ اور صحراے شام کے مشرقی کنارے کی قومیں پوری طور پر مطیع نہ ہوئی تھیں جزیرے کے بھی گو بہت سے قلعہ سعد کے آگے سر جھکا چکے تھے لیکن اعراب کی خانہ بدوش اور آوارہ گرد قومیں اپنے آپ کو کسی کا مطیع نہ سمجھتی تھیں۔ اور اکثر

عیسائی اقوام درمیان میں ایسی پڑی تھیں جو مدد کے واسطے ایران اور اہل روما کی طرف تک رہی تھیں یونانیوں کی بحری قوت بھی اس وقت تک محفوظ تھی قیساریہ کھلم کھلا اُن کی مدد کے واسطے آمادہ تھا۔ غرض اہل جزیرہ اور دوسرے عناصر بغاوت نے قیصر سے مدد چاہی اور اس نے سمندر کے راستے سے مدد بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پس باغی اقوام نے بےشمار تعداد میں جمع ہو کر حمص کو گھیر لیا جس سبب سے اس واقعہ کو واقعہ حمص الآخری کہتے ہیں۔ اور قیصر نے بندر اسکندریہ سے انطاکیہ پر فوج بھیجی۔ ابوعبیدہ حمص میں حاکم تھے۔ حضرت عمر کو اس مفسدہ کی جو درحقیقت مسلمانوں کی حکومت کو ایک اندیشہ ناک دھمکی دے رہا تھا اطلاع دی۔ خالد کو قنسرین سے بلا لیا۔ یزید بن ابی سفیان کو دمشق سے اور معاویہ کو قیساریہ سے طلب کیا۔ مگر دشمن کی جمعیت اتنی زیادہ اور مضبوط تھی کہ اس قلیل فوج پر اعتماد نہیں ہو سکتا تھا اور مدینہ سے مدد آنے کا انتظار کرنا پڑا۔ حضرت عمر نے سعد کو حکم دیا کہ قعقاع کو ایک مضبوط اور بڑی فوج کے ساتھ فوراً حمص کی مدد کے واسطے بھیج دے اور رقہ اور رہا اور نصیبین پر بھی فوجیں بھیج کر مفسدوں کی طاقت کو تقسیم کرنے کی کوشش کرے اسی اثنا میں یونانیوں کی فوج انطاکیہ میں پہونچ گئی تھی۔ انطاکیہ نے اس فوج پر اپنے دروازے کھول دیئے اور مسلمانوں سے باغی ہو گیا۔ قنسرین اور حلب بھی بغاوت پر پورے آمادہ ہو گئے غرض بغاوت اور مخالفت کا ابر گہرا ہو کر چھا گیا اور تردد اور اندیشہ بڑھ گیا۔ ابوعبیدہ نے اپنے اصحاب سے مشورہ لیا۔ بیدھڑک اور نڈر خالد کی اکیلی رائے جنگ کرنے کی تھی مگر باقی سب مدد آنے تک حمص میں انتظار کرنے کی صلاح دیتے تھے۔ ابوعبیدہ کی محتاط طبیعت نے اسی کو ترجیح دی اور حمص میں محصور رہنا پسند کیا حضرت عمر نے بھی یہی حکم دیا مگر ان کو اس بغاوت سے اس قدر اندیشہ ہوا کہ خود مدینہ چھوڑ کر فوج کے ساتھ شام کو روانہ ہوئے جہاں وہ خود میدان میں پہونچنا چاہتے تھے اور جابیہ تک پہونچ ہی گئے اسی اثنا میں سعد نے جو حضرت عمر کے حکم سے بلاد موصل کے شہروں پر چڑھائی کر دی تھی اُس سے اعراب اور عیسائیوں کو اپنے گھروں کا نہایت خطرہ ہوا اور شام میں یونانیوں کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ ابوعبیدہ اس موقع کو

غنیمت سمجھ کر قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے اور قعقاع کے پہونچنے سے پہلے ہی دشمن کو شکست فاش دیکر منتشر کر دیا حضرت عمرؓ یہ خبریں سُن کر خوش ہوئے اور جابیہ سے مدینہ کو پھر آئے۔ سعد کی ہمت اور تیز دستی پر بھی آفرین کی۔

قیصر کی یہ سب سے آخری کوشش تھی کہ مسلمانوں کو شام سے نکال دے مگر مستحقین سے اُن کا مقسوم اور حق کون چھین سکتا ہے۔ نتیجہ اس بغاوت کا یہ ہوا کہ مسلمان چوکنے ہو گئے اور جزیرہ تمام تر اُس کی انتہائی حدود تک فتح ہو گیا۔ ایشیا کوچک میں بھی عیاض کے سپہسالارانہ ہاتھوں نے فتوحات کو مکمل کر دیا تمام چھوٹے بڑے شہر فتح ہو گئے اور آرمینیا تک مسلمانوں کا تسلط ہو گیا عمرو بن العاص نے معاویہ کی مدد سے آخر کئی سال کے محاصرہ کے بعد قیساریہ کی فتح کو مکمل کر کے شام کو مسلمانوں کے قبضہ میں ایسا محفوظ کر دیا کہ اب کوئی اندیشہ کسی قسم کا نہ رہا۔

## فتح مصر

وبا اور قحط کے سال نے تو گویا مسلمانوں کے ہتھیار کُند کر دیئے تھے جب اس بلا سے نجات ملی تو مشرق کی طرف ایران میں اور مغرب میں مصر کی جانب مسلمانوں کے قدم بڑھنے لگے عمرو بن العاص قیساریہ کی فتح کے بعد فلسطین ہی میں جس میں وہ پورا تسلط بٹھا چکا تھا بیکاری کے سبب سے شیر کی طرح پنجرہ میں بے قرار تھا اور اپنے چاروں طرف فتوحات کے نئے میدان کے واسطے دیکھ رہا تھا حضرت عمرؓ سے پچھلے سفر شام میں (جس کا ذکر آئندہ ہوگا) مفرور بطریق فلسطین اطفول کا تعاقب کرنے وغیرہ کے بہانہ سے مصر کی جانب قدم بڑھانے کی اجازت چاہی تھی جس کو حضرت عمرؓ نے اُس وقت گو پختہ طور سے نہیں مگر منظور کر لیا تھا۔

مصر اہل روما کے زیر حکومت سب سے بڑا سرسبز اور زرخیز ملک تھا اور قسطنطنیہ کی گویا وہی پرورش کرتا تھا۔ اسکندریہ مصر کا دارالخلافہ اہل روما کی سلطنت میں دوسرے درجہ کا شہر تھا۔ مصری باشندوں کے علاوہ اُس میں اہل روما اور یونانیوں اور اہل عرب اور قبطیوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کی آبادی اور بہت آمد و رفت تھی۔ شہر کی شان و شوکت جب سے وہ آباد ہوا ہے

کبھی کم نہیں ہوئی۔ جہازوں کا گویا ایک جنگل اُس کے بندرگاہ پر موجود رہتا تھا جو اُس کی روز افزوں تجارت کا ثبوت تھا اور گو اہل روما کی سلطنت کا ایک حصہ تھا مگر اُن کی حکومت کو بار سمجھنے لگا تھا۔

عمرو بن العاص ۱۹سنہ یا ۲۰سنہ ہجری میں[ل] (جس کی ٹھیک تاریخ معین نہیں کی جاسکتی) حضرت عمر کی متردد اجازت لے کر فلسطین سے مصر کو روانہ ہوا اور اُس کی ساری فوج اُس وقت چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت عمر کا ارادہ اس وقت تسخیر مصر کا پہلے بھی مستحکم نہ تھا اور اِس قلت فوج سے زیادہ متردد ہو کر عمرو بن العاص کو واپس آجانے کا حکم بھیجا مگر اُس نے زیادہ بڑھ جانے کا بہانہ پا کر اپنے اِس دل خواہ ارادہ سے باز آنا پسند نہ کیا۔ حضرت عمر نے اِس صورت میں قلت فوج کے اندیشہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے واسطے زبیر بن العوام کو اور فوج دے کر پیچھے سے بھیجدیا جس سے عمرو بن العاص کی فوج مضبوط ہوگئی اور بعض نامور اور جنگ آور بہادر بھی فوج میں شامل ہوگئے۔

عمرو بن العاص مصر میں اریش سے داخل ہوا اور فرما کے قلعہ کو فتح کر کے بائیں طرف رُخ کیا اور صحرا کو گذر کر دریائے نیل کی سب سے مشرقی شاخ پر پہونچ گیا اور اُسی کے ساتھ شمالی مصر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اُس نے کئی لشکروں کو جو اُس کو روکنے کے واسطے بڑھے تھے شکست دی جن میں سے ایک لشکر کا سردار ارطفول مفرور بطریق فلسطین تھا جو شکست کھا کر مارا گیا۔ مصر کے اِس بالائی حصہ کا حاکم مقوقس قبطی تھا۔ عمرو بن العاص زبیر کی فوج کے ساتھ جو اب اُس کے پاس پہونچ گئی تھی شہر مصر (ممفس قاہرہ کے قریب ایک بڑا شہر تھا) کے نزدیک پہونچ گیا۔ جابلیق جو وہاں کا حاکم تھا اُس نے اسلامی پیغام کا جواب دینے کے واسطے تین

[ل] تاریخوں میں اتنا اختلاف ہے کہ ۱۶سنہ ہجری سے لیکر ۲۵سنہ ہجری تک کے مختلف سال بیان کئے جاتے ہیں قریب تاریخ رکھنے کا خیال قحط کے سال میں عمرو بن العاص کا مصر سے غلہ سے مدد دینے کا ہے اور دور رکھنے کا ۲۵سنہ ہجری میں یونانیوں کے اسکندریہ کو چھڑانے کی کوشش کا ہے مگر ہم ۱۹سنہ یا ۲۰سنہ کو معتبر سمجھتے ہیں۔ مؤلف

روز کی مہلت حاصل کی جس کے گذر جانے پر ایک سخت لڑائی ہوئی قبطیوں کی فوج نے مسلمانوں کو اپنی قوت کا قایل کر دیا تھا مگر آخر شکست کھا کر حصار میں محصور ہو گئے اور خوب جان گئے کہ جنہوں نے قیصر اور کسرے کو اپنے ملکوں اور سلطنتوں سے بے دخل کر دیا ہے اُن کا مقابلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے - شہر پر ایک سخت حملہ کیا گیا جس میں زبیر نے حیرت انگیز شجاعت سے دیوار پر زینہ لگا کر فوج شہر میں پہونچا دی تھی - مگر اسی اثنا میں مقوقس کے قاصد صلح کی درخواست لیکر پہونچ چکے اور شرائط صلح طے ہو جانے پر شہر چھوڑ دیا گیا - یونانیوں اور اہل نوبیا نے بھی ایسی ہی شرائط پر صلح خرید لی - گو یونانی اپنی مفتوحہ اقوام کے ساتھ ہم رتبہ ہو کر رہنے کو ناپسند کر کے ساحل سمندر کی طرف بھاگ گئے*

عمرو بن العاص نے اب سکندریہ کی طرف جلد بڑھنے کی کوشش کی تاکہ سکندریہ کو کمک پہونچنے سے پہلے وہاں پہونچ جائے اور راستہ میں کئی لشکروں کو جو اُسکا راستہ روکنے واسطے بڑھے تھے شکست دے کر بھگا دیا اور شہر کی دیواروں کے نیچے جا کھڑا ہوا*

شہر بہت مضبوط تھا اور سمندر کی طرف سے کمک حاصل کر سکتا تھا مگر محاصرہ نے بہت طول کھینچا کیونکہ ہرقل قیصر روم ۲۰ھ (فروری ۶۴۱ء) میں مر گیا اور شہر کا ایک حصہ حملہ کر کے فتح ہو چکا تھا مقوقس نے کمک سے نا امید ہو کر اور مقابلہ کی تاب نہ دیکھ کر پہلی قسم کے جزیہ دینے کی شرائط پر حضرت عمر کی منظوری سے صلح کر لی اور امن و امان قایم ہو گیا*

مگر عمرو بن العاص کی بے چین اور جنگ جو طبیعت نے اُسے آرام سے نہ بیٹھنے دیا - اور مغرب کی طرف اپنی فتوحات کو بڑھاتا ہوا چلا گیا - یہاں تک کہ بارقا کو فتح کر کے طرابلس تک پہونچ گیا

## تسخیر ایران

ہرمزان جب قید ہو کر مدینہ پہونچا اور مسلمان ہو کر مسلمانوں کا وظیفہ خوار بن کر مدینہ میں رہ گیا اُس نے اور نیز اور لوگوں نے ایران کی بغاوتوں اور چھیڑ چھاڑ کا سبب حضرت عمر کے ذہن میں

یہ امر بٹھا دیا کہ جب تک شاہ ایران اور اُس کی قوت اور ملک باقی ہے مسلمانوں کو اپنی حدود میں چین سے نہ بیٹھنے دیگا اور اسی زمانہ میں ایرانیوں کی نئی مخالفت اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری نے اس رائے کو پایۂ ثبوت تک پہونچا دیا حضرت عمرؓ اب مجبور ہو گئے کہ صرف ایرانیوں کی مدافعت ہی پر کفایت نہ کریں بلکہ اپنے پہلے خیال کے خلاف فتوحات کو بڑھا کر ایران کو مسخر کر کے آیندہ حملوں کے لایق نہ چھوڑا جائے ؛

یزدجرد نے اس وقت کسی معمولی حملہ کی تیاری نہیں کی تھی اُسکو مسلمانوں کے ایک عرصہ تک جنبش اور آگے بڑھنے کے ارادہ سے کوئی حرکت نہ کرنے سے خیال ہو گیا تھا کہ قادسیہ اور مداین کی فتح کو غنیمت سمجھ کر اُس پر کفایت کر بیٹھے ہیں اور بڑے اطمینان کے ساتھ ایک بڑے خیال کے پورا کرنے میں مصروف تھا۔ درحقیقت اُس کو ایک عمدہ موقع اور اپنی حالت درست کر لینے کے واسطے فراغت مل گئی تھی۔ لیکن اصطخر وغیرہ کے مغلوب ہو جانے سے پھر ڈر گیا اور اُس کو اپنے ارادہ میں جلدی کرنی پڑی۔ اُس نے ایک بڑی سے بڑی کوشش حملہ آوروں کو ملک بدر کرنے کے واسطے شروع کی تھی۔ اور صوبہ داروں اور سرداروں سے ہر ایک جگہ سے فوج جمع کر رہا تھا اور اپنی سلطنت کی انتہائی حدود تک ہر ایک شہر اور قریہ سے فوج اکٹھی کر لی جو بے شمار تعداد میں کوہ دماوند کے نیچے میدان میں جمع ہوئی۔ اور ایک لاکھ پچاس ہزار تعداد میں فیروزان کے زیر حکم مسلمانوں کے مفتوحہ حدود کی طرف بڑھی اس فوج کشی کی خبریں بجلی کی طرح کوفہ میں پہونچیں اور سعد نے اس اُٹھتے ہوئے طوفان کے سوانح حضرت عمرؓ کے گوشگذار کئے۔ خبریں ایسی دہشتناک بن بن کر پہونچ رہی تھیں کہ معاملہ کے نازک ہو جانے میں کوئی شبہ نہ رہا مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ جانے سے اُن کے کس قدر زمانہ کی محنتیں اور جان بازی کی کوششیں برباد ہو جاتیں۔ تمام فتوحات ہی ہاتھ سے نکل جاتیں بلکہ کوفہ اور بصرہ جیسی اسلامی نو آبادیاں تھیں کھو بیٹھتے ؛

حضرت عمرؓ جیسے کہ پہلے بڑے خطرناک موقعوں پر اُنہوں نے ارادہ کیا تھا اب بھی بذات خود

جانے کو تیار ہونے لگے۔ مگر پہلی قسم کے ہی دلایل نے اُن کو ایسے ارادے کے ترک کرنے پر مجبور کیا۔ نعمان بن المقرن کو اہواز سے بُلا کر کوفہ اور بصرہ کی حفاظت کے واسطے کچھ فوج چھوڑ کر باقی فوجیں اُس کے ماتحت روانہ کر دی گئیں۔ سوس کی فوج کو اصطخر کی ایرانی فوج کو اپنے ساتھ مصروف رکھنے اور شاہی فوج سے جا ملنے سے روکنے کا کام سپرد کیا گیا۔ نعمان نے حلوان میں پہونچ کر جاسوسوں سے خبر منگوائی اور معلوم ہوا کہ دشمن نہاوند کے میدان میں مقیم ہے اور وہاں تک راستہ صاف ہے۔ پس کوچ کر کے اُس مشہور میدان جنگ میں دُشمن سے دو بدو جا کر ٹھہر گئے مسلمانوں کی فوج دُشمن کی فوج کے پانچویں حصہ کے برابر یعنی تیس ہزار تھی۔ مگر اکثر جنگ آزمودہ بہادر اُس میں شامل تھے دو روز تک کم و بیش لڑائی ہوئی۔ ایرانیوں کو ایک بڑی رعایت یہ تھی کہ اپنی پناہوں سے جب چاہتے نکلکر جنگ کرتے اور پھر لوٹ جاتے کچھ دنوں تک اسی طرح لڑائی جاری رہی اور مسلمان تنگ آ گئے۔ طلیحہ کی راے سے مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کر دشمن کو پناہ گاہ سے نکال لینے کی تدبیر کی۔ مسلمانوں کے پیچھے ہٹتے ہی ایرانی حملہ کر[illegible]ے۔ مسلمان تو یہی چاہتے تھے لوٹ کر سامنے ہو گئے اور ایک سخت لڑائی شروع ہوئی جس میں نعمان مارا گیا۔ مگر آخر فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ ایرانی تیس ہزار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگے مگر مسلمانوں نے تعاقب کر کے اسّی ہزار اور قتل کر ڈالے۔ فیروزان سپہ سالار ایران بھاگتا ہوا رستہ بھول گیا اور پکڑ کر مار ڈالا گیا۔ اس فتح سے ہمدان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور خزانہ اور قیمتی جواہرات جو حفاظت کے واسطے دفن کئے ہوئے تھے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ دو ڈبیوں میں ایسے بیش بہا جواہرات تھے جنکی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ حذیفہ نے غنیمت تقسیم کر کے خمس اور وہ ڈبیاں حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن جواہرات کو لشکر میں تقسیم کرنے کے واسطے واپس بھیجدیا جو چالیس لاکھ درہم کو بکیں۔ یہ کہ اُن کی قیمت سے ہر ایک سوار کو چار ہزار درہم حصہ میں آئے۔ عراق عجم کے سرداروں اور دہقانوں نے جزیہ دینا منظور کر کے مسلمانوں کی اطاعت منظور کر لی۔ نہاوند کی لڑائی ۲۱ سنہ ھ کا واقعہ ہے ۔

ہمدان جس نے فسخ عہد صُلح کیا تھا مکرر فتح ہوگیا۔ مسلمانوں کی فوج چھ حصوں میں تسخیر ایران کے واسطے اطراف وجوانب میں بھیج دی گئی۔ شہر کے بعد شہر اور صوبہ کے بعد صوبہ فتح ہوتا گیا۔ نعمان کی وفات کا حضرت عمرؓ کو نہایت رنج ہوا اور اُس کے بھائی نعیم بن المقرن کو سپہ سالار مقرر کر کے بھیجا۔ یزدجرد کا غرور اُسکو خلافت کے سامنے سر جھکانے سے روکتا تھا اور حضرت عمرؓ نے ملک کی تسخیر کا ارادہ کر لیا تھا۔ بحیرہ کاسپین کی جنگ جو قومیں رستم کے بھائی اسفندیار کے ماتحت رے کی محافظت کے واسطے جمع ہوئیں جو ایران کا ایک شاہی شہر تھا اور بادشاہ وہاں مقیم تھا۔ نعیم ان کے مقابلہ کے واسطے بڑھا اور ایک دوسرے جنگ عظیم میں (۲۲ سنہ ہجری) فاش شکست دے کر رے پر قبضہ کر لیا۔ اسفندیار آذربیجان کو بھاگ گیا جہاں وہ پھر شکست کھا کر قید ہوگیا۔ یزدجرد رے سے اصفہان کو بھاگا۔ لیکن جب مسلمانوں نے بڑھ کر اصفہان کو فتح کر لیا۔ تو کرمان کو جا پہونچا۔ جب وہاں بھی نہ ٹھہر سکا تو مرو میں پناہ لی اور وہاں سے خاقان چین اور ترکوں کی مدد کا طالب ہوا لیکن آخرکار ترکوں کو بھی یزدجرد کو ساتھ لئے ہوئے پیٹھ دکھانی پڑی۔ مسلمانوں نے تمام سلطنت کے حصوں کو یکے بعد دیگرے فتح اور مطیع کر لیا۔ قومس۔ جرجان۔ طبرستان۔ فارس۔ کرمان۔ مکران سجستان۔ خراسان۔ آذربیجان۔ الواب وغیرہ یکے بعد دیگرے فتح ہوگئے اور ایران کی انتہائی حدوں تک جن کے مشرق میں ہندوستان اور شمال میں ترکوں اور زمانہ حال کے روسیوں کی اقوام تھیں اور جن کی اجنبیت کے سبب سے اُن کو یاجوج ماجوج کہا گیا ہے تمام ملک مسخر و مطیع فرمان ہوگیا۔

یہ فتوحات جن کے متعلق روائتیں اور واقعات مبسوط اور مستقل کتابوں کا مضمون ہیں ہم نے چند صفحوں میں بیان کردی ہیں۔ دنیا کی تین عظیم الشان سلطنتوں کے فتح ہونے کے حالات کو اگرچہ ایسے اختصار سے بیان کرنا تاریخ کا گناہ ہو مگر ہم اپنے مقصد کے لحاظ سے اِس سے زیادہ مفصل نہیں لکھ سکتے تھے۔ ہمارا مطلب نہایت اختصار کے ساتھ مسلمانوں کی سلطنت کی وسعت کو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حاصل ہوئی دِکھانا تھا۔ تمام دُنیا اِس روشنی کے زمانہ کی نہایت حیرت اور تعجب سے اُن فتوحات کی وسعت کو

بہ مقابلہ اُس قلیل زمانہ کے جس میں وہ حاصل ہوئی دیکھتی ہے۔ یورپ کے تمام بڑے مؤرخ مقر ہیں کہ فتوحات کی اس سریع رفتار کا قیاس کرنا بھی مشکل ہے۔ اہل روما نے جس سلطنت کو صدیوں میں فتح کیا اور بنایا تھا مسلمانوں نے اُسکو مہینوں اور برسوں میں فتح کرلیا اور دُنیا کے ایک عدیم المثال بزرگ کی بے نظیر تدبیر اور ملک گیری اور مُلکداری کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوسکتا ہے اور کیا دلیل درکار ہوسکتی ہے کہ اُسکی کامیابیوں کے حالات پر آجکی دُنیا بھی حیران اور متعجب ہے مسلمانوں کی آیندہ بڑی سے بڑی ترقیوں اور عروج کی یہ بُنیاد تھی جو ایسے مضبوط ہاتھوں سے اور ایسی شایستگی سے رکھی گئی تھی کہ وہ بالائی عمارت گو گرگئی ہے مگر اِس بنیاد کو زمانہ کے سخت سے سخت حوادث بھی نہیں ہلا سکے اُسکی تعمیر میں وہ اسلامی برکتیں اور صداقتیں بھری ہوئی ہیں کہ یقین ہے کہ سوائے اہل حق کے کوئی ہاتھ اُن کو نہ پہونچ سکیگا اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو آمین ؞

# پانچواں باب

## سیاست و انتظامِ سلطنت

زمانۂ جاہلیت میں اگرچہ عرب کے شمالی اور مشرقی اور جنوبی اطراف و اضلاع میں صدیوں سے ایک باقاعدہ سلطنت کی صورت تھی۔ مگر عرب الحجر اور عرب الوادی یعنی مغربی صوبہ حجاز اور ریگستانی عرب میں کوئی خاص سلطنت مسلم نہیں تھی۔ اور مسٹر پالمر کا یہ قول انہیں پر صادق آتا تھا کہ "اگر انکی گورنمنٹ کی نسبت پوچھا جائے تو درحقیقت وہ کوئی گورنمنٹ نہیں رکھتے تھے۔ سب سے اچھی نسل کا اور سب سے بہادر شخص قبیلہ کا سردار تسلیم کر لیا جاتا تھا اور وہ اُن کو میدانِ جنگ میں لے جاتا تھا۔ مگر وہ اُن پر کوئی ذاتی اختیار اور تفوق سوائے شجاعت اور فیاضی کی تعریف کے جو وہ حاصل کرتا تھا نہیں رکھتا تھا[۵۱]" بنو اجرہم کی بادشاہی کے دور گذرے ہوئے وقتوں میں گو حجاز بھی بادشاہی سلسلہ کا مطیعِ فرمان رہا ہو مگر جیسا کہ مسٹر سیل کا قول ہے[۵۲] "بنو اجرہم کے بے دخل کر دینے کے بعد زیادہ صدیوں تک سلطنت ایک بادشاہ کے ہاتھ میں نہیں رہی بلکہ قبائل کے سرداروں میں تقسیم ہو گئی قریباً اسی طریقہ سے جیسے کہ آج ریگستانی عرب حکومت کئے جاتے ہیں،، مکہ معظمہ میں گو قریش کی شرافت کا رُعب اور اثر تھا اور ایک قسم کی حکومت اُنکو حاصل تھی مگر اُس کا تعلق مذہبی امور سے بڑھ کر بہت کم تھا۔ اور اہل مکہ کی حالت گو مستقل یکجا رہایش اور کعبہ کی پرستش کے میلوں اور مجمعوں کے سبب سے کسی قدر اصلاح یافتہ تھی مگر عام طور پر اصول تمدن اور معاشرت میں خانہ بدوش بدوؤں سے کچھ ممیز نہ تھی[۵۳]۔ مثلاً گورنمنٹ کی نسبت سر ولیم میور کا قول ہے

[۵۱] مسٹر پالمر کا انگریزی ترجمہ قرآن دیباچہ جلد اول صفحہ ۱۱ [۵۲] دیباچہ قرآن از مسٹر سیل صاحب صفحہ ۹۔

[۵۳] لیف اوف محمدؐ مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۹۔

کہ "یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کوئی گورنمنٹ اس لفظ کے عام مفہوم کے مطابق نہ تھی۔ کوئی ایسے اعلیٰ اختیارات موجود نہیں تھے جن کا حکم قانون سمجھا جاتا۔ ہر ایک جداگانہ قبیلہ ایک جمہوری حکومت تھا اور مجموع قبائل کی رائے اگر وہ کسی امر میں متفق ہوتے بمنزلہ شاہی قانون کے ہوتی تھی عام رائے کا کوئی خاص مظہر تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اور ہر ایک قبیلہ کسی ایسے امر سے جدا رہنے اور انکار کرنے کی آزادی رکھتا تھا جس پر کہ دوسرے قبائل نے اتفاق کیا ہو اور کوئی شخص اپنے ہم وطنوں کی متفقہ رائے سے اتفاق کرنے کے واسطے اپنے قبیلہ سے بڑھ کر اتفاق کرنے کا پابند نہ تھا[۱]"

غرض زمانہ جاہلیت میں کوئی خاص سلطنت وہاں موجود نہیں تھی تمام چھوٹے بڑے امور میں ہر ایک قبیلہ کا سردار قبیلہ کی رائے سے فیصلہ کرتا تھا اور وہی قانون ہوتا تھا۔ جنگ و جدل کے امور میں جو اکثر در پیش رہتے تھے تلوار اُن کی منصف ہوتی تھی اور اس سادہ زندگی کے سیدھے اور سادہ امور کسی قانون اور آئین کی ضرورت نہیں ظاہر کرتے تھے پس اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اگر اس کو طوائف الملوکی کا زمانہ کہا جا سکے، کوئی خاص سلطنت نہ تھی اور اسی سبب سے کوئی آئین باضابطہ یا قانون یا حکومت اور ملک کا انتظام کرنے کے واسطے کسی قسم کے اصول معین اور مشخص نہ تھے۔

جناب رسالت مآب صلعم کا کام امور دنیوی میں انتظام کرنا نہ تھا۔ اُن کا پاک منصب (روحی فداک یا رسول اللہ) اس بہت بلند اور اعلیٰ تر تھا۔ اور دنیا کی حکومت اور سلطنت سے اُن کو کچھ تعلق نہ تھا۔ صرف ایسے دنیوی امور کی طرف وہ توجہ فرمانے والے تھے جن کا تعلق دین کی اشاعت حفاظت اور استحکام اور فرض رسالت کے انجام دینے سے تھا۔ مگر عرب کے قدیم دستور کے موافق اُن کی بزرگی اور روحانی بادشاہت اور علو خاندانی نے مسلمانوں کے دنیوی امور کا بھی آن حضرت صلعم کو مرجع بنا دیا اور حضرت موسیٰ کی طرح وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے اس قسم کے امور پر بھی اُن کو توجہ فرمانی پڑی اور اس سے امور میں فیصلہ کرنے اور معاملات میں برتاؤ کی

[۱] لیف اوف محمدؐ مولفہ سر ولیم میور دیباچہ صفحہ ۹۔

نظریں پیدا ہوگئیں۔ مگر جناب سرورِ کائنات نے دنیوی امور سے اِس درجہ تک اپنی بے تعلقی ثابت فرمائی کہ انتظام امور دنیا کے واسطے کسی شخص کو اپنا جانشین موسوم کرنے سے بھی دریغ فرمایا گو اخلاق کی عام تعلیم ہر ایک قسم کے انتظام کا اصول تھی مگر براہ راست کوئی ضابطہ یا آئین یا دستور امور ملک داری کا مرتب نہیں کیا گیا تھا ۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کا قلیل زمانہ اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے اور کسی قدر سرحدوں پر قدم بڑھانے میں گذر گیا۔ نہ اِس قدر فرصت ہوئی اور نہ اس کی ضرورت ہی معلوم ہوئی کہ کسی قسم کے خاص ضوابط و قانون کے تیار کرنے کی طرف توجہ کی جاتی۔ مثلاً اُن کے زمانہ خلافت میں حضرت عمر قاضی مدینہ مقرر ہوئے تھے مگر سال بھر میں دو سے زیادہ مقدمات فیصلہ کرنے کے واسطے اُن کے سامنے پیش نہ ہوئے۔ لشکر اکٹھا کرنے کے واسطے اسلامی فرائض یاد دلائے جاتے تھے غنیمت کے چار حصے لشکر میں تقسیم ہو کر پانچواں حصہ یا خمس جس قدر آتا تھا ضروری اخراجات پورے کر کے مسلمانوں میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اندازاً دو لاکھ درہم حضرت ابوبکر کے زمانہ میں آئے اور خرچ اور تقسیم کر دیئے گئے۔ پہلے سال میں قریب دس دس اور دوسرے سال بیس بیس درہم حصہ میں آئے اُنکی وفات پر بیت المال میں ایک دینار جو لپٹا ہوا رہ گیا تھا ملا۔ غرض حضرت ابوبکر کا زمانہ خلافت بھی نہایت سادہ دستورات سے گذر گیا ۔

حضرت عمر اپنی خلافت کے پہلے سالوں میں تو لشکر کشی کے کام میں زیادہ تر مصروف رہے مگر جب فتوحات کو دن بدن وسعت ہوئی اور عرب کی خلافت میں سلطنتوں کی سلطنتیں شامل ہونے لگیں اور غنیمت کے سوا جزیہ اور مالگذاری وغیرہ کی آمدنیوں سے بیت المال بھرنے لگا تو حکمرانی اور ملکداری کے وہ سادہ قواعد کافی نہیں ہو سکتے تھے پس حضرت عمر کو ایک مقنن اور آئین نگار اور مدبر منتظم اور ایک بڑی وسیع سلطنت کی تمام قسم کی ذمہ داریوں کا کام کرنا پڑا۔ یا یوں کہو کہ اُن بے نظیر قابلیتوں کو جو خدا نے اُن کو بخشی تھیں کام میں لانے کا موقع مل گیا ۔

سب سے پہلا نیا کام اُن کے دیوان اور دفتر کو بیان کرنا چاہئے جو بیت المال اور خزانہ

اور تنخواہوں اور روزینوں کا ایک باقاعدہ انتظام اور اہتمام تھا۔ بیت المال کی آمدنی کو جب افزونی ہوئی تو حضرت کو مال کے تقسیم کرنے میں ایک معین اور مستقل دستور کے ایجاد اور داخل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور کہا کہ مال کے تقسیم کرنے کے بارے میں میری رائے حضرت ابوبکر کی رائے سے مختلف ہے۔ میں بیت المال میں خزانہ کو جمع کرنا اور ہر ایک شخص کا سالانہ وظیفہ اور تنخواہ مقرر کرنا چاہتا ہوں اور جن اصول پر وہ تقسیم کے اس نئے دستور کو مبنی کرنا چاہتے تھے وہ بیان کئے۔ وہ خیال درحقیقت ایک ایسا عظیم الشان اور پُرمشکلات تھا کہ صرف وہی شخص جس کی وسعت دماغ نے اُس کو پیدا کیا تھا پورا کرسکتا تھا۔ مسلمانوں کے مراتب حقوق کے موافق اُن میں مال تقسیم کرنے اور اُن کی تنخواہیں مقرر کرنے کے تین اصول قرار دیئے گئے۔[۱]

اوّل۔ اسلام لانے میں سبقت۔

دوم۔ آنحضرت صلعم کے ساتھ قرب اور تعلق۔

سوم۔ فوجی خدمات۔

تمام قبائل عرب اور ہر ایک قبیلہ کے ہر ایک فرد اور ملک عرب کے ہر ایک مسلمان متنفس خانہ نشین بوڑھے شخص سے لے کر نوزائیدہ بچہ تک ہر ایک کی تنخواہ مقرر کرنا اور اُس کا باقاعدہ تحریری حساب رکھنا بقول سر ولیم میور کے ایک ایسا کام تھا جو انسان کے کرنے کے کاموں[۱] سے بڑھ کر تھا اور پھر ان مقررہ اصولوں کے موافق اُن کے مراتب حقوق کا فیصلہ کرنا ایک ایسی باریک بین نظر کا کام تھا جو ہر ایک کو نہیں نصیب ہوسکتی۔ اور اس بات کا ثبوت کہ یہ تقسیم کامل صحت اور مراتب حقوق کے موافق کی گئی اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ عرب کی وہ بے خوف اور زبان دراز قومیں اور قبائل اور افراد اس سے رضامند ہوگئے۔ اور کسی کو کوئی وجہ شکایت اور ناراضی کی نہ رہی۔ اُن کا منصفانہ برتاؤ اور دستور ہی اس قسم کا تھا وہ صرف

---

[۱] الملک آف ارلی خلافت صفحہ ۲۲۹۔

اَوروں کے ساتھ ہی انصاف نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ذات کے ساتھ سب سے بڑھ کر انصاف بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اپنی حق تلفی روا رکھتے تھے۔ جب تقسیم مال اور تعین وظیفہ کے واسطے مراتب اور حقوق کا فیصلہ کرنے لگے تو عبدالرحمٰن بن عوف نے جو بزرگ اور اہل الرائے قریش میں سے تھے یہ رائے دی کہ اپنی ذات کو سب پر مقدم قرار دیں یا یہ کہ اپنے سے شروع کریں۔ اور یہ رائے کچھ نامناسب اور انصاف کے خلاف نہیں تھی کیونکہ حضرت نہ تو سبقت اسلام کے لحاظ سے زیادہ پیچھے تھے اور نہ فوجی خدمات میں جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کی گئیں کسی سے کم تھے اور آنحضرت صلعم کے ساتھ قرب اور تعلق میں سب معاصرین سے بڑھ کر ہونے کی تو یہی دلیل کافی تھی کہ وہ آن کے خلیفہ اور امت کا انتخاب تھے۔ مگر اُنہوں نے اِس رائے کو ناپسند کیا اور کہا کہ میں اپنے نفس کو اُس کی مناسب جگہ پر رکھوں گا اور اپنی ذات اور اپنے قبیلہ کو قریش میں بہت دور آخر کی طرف رکھا اور کسی کی شکایت اور نارضامندی پر اُس کو بھی چھوڑ نے پر تیار رہے مثلاً ابو عبیدہ بن جراح نے جب شکایت کی تو اُسے کہا کہ تم کو بھی میری طرح قانع ہونا چاہئے۔ لیکن اپنی قوم سے تجھ کو خود فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اگر وہ تجھ کو مقدم بنانا چاہیں گے تو مجھے کچھ عذر نہ ہوگا لیکن اگر تم قبول کرو تو میں اپنے اور اپنی قوم بنی عدی سے تم کو مقدم کر سکتا ہوں۔ اپنے بیٹے عبداللہ پر اسامہ بن زید کو ترجیح دی۔ اپنے بیٹے کے تین ہزار درہم سالانہ مقرر کئے اور اسامہ بن زید کے چار ہزار عبداللہ نے شکایت کی کہ اسامہ کا باپ میرے باپ سے افضل نہیں تھا اور نہ اسامہ مجھ سے۔ پھر اُسکو ایک ہزار زیادہ کیوں دیا گیا۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اسامہ کا باپ تیرے باپ سے رسول اللہ صلعم کو بہت پیارا تھا۔

غرض مراتب اور حقوق میں بنی ہاشم سب سے افضل اور مقدم قرار دیئے گئے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عباس رضہ تھے۔ اور پھر بنی مطلب اور عبدالشمس اور نوفل اور بنی اسد عبدالعزیٰ اور عبدالدار اور بنو زہرہ اور بنی تیم اور مخزوم اور سہم اور جمح اور عدی بن کعب اور بنی عامر بن لوی وغیرہ کو اُن کے مناسب مدارج اور مراتب کے لحاظ سے قرار دیا۔ آن حضرت کے قرابتیوں میں

اُمہات المومنین ازواج مطہرات اور اُن کے دوسرے اقربا کو مقدم قرار دیا۔ حضرت عائشہ رضؓ کے بارہ ہزار درہم یا دوسری امہات المومنین کے مانند ہر ایک کے دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا اہل بدر کے برابر پانچ پانچ ہزار سالانہ ۔ حضرت عباس رضؓ کے وظیفہ کی نسبت مختلف روایتیں ہیں پانچ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار تک بیان کیا گیا ہے مگر بارہ ہزار صحیح معلوم ہوتا ہے ۔

اہل بدر کے واسطے پانچ پانچ ہزار مقرر کئے اور اہل بدر کے بیٹوں کے دو دو ہزار ۔ اور حدیبیہ اور بیعت رضوان میں جو شریک تھے اُن میں سے ہر ایک کے واسطے چار چار ہزار ۔ انصار میں سے ہر ایک کے چار چار ہزار مقرر کئے ۔ بغاوت اور مفسدہ کے فرو کرنے میں جو شریک ہوئے تھے اُن کے تین تین ہزار ۔ شام اور عراق میں جنہوں نے جنگ کئے تھے اُن کے دو دو ہزار ۔ قادسیہ اور یرموک کی لڑائی میں جو موجود تھے اُن کا ایک ایک ہزار ۔ نامور بہادروں کو اُن کی وجیہہ اور موجودہ خدمات کا لحاظ کر کے پانچ پانچ سو سے دو دو سو تک زائد دیئے گئے ۔ اسی طرح مراتب کے لحاظ سے بعض مہاجرین اور انصار کے دو دو ہزار مقرر کئے ۔ اہل مکہ اور بعض لوگوں کے آٹھ آٹھ سو مقرر ہوئے ۔ اور مہاجرین اور انصار کے مراتب کے لحاظ سے اُن کی عورتوں کے چھ سو سے لے کر دو سو تک مقرر کئے ۔ قبائل اعراب کے وظائف بھی اسی طرح مختلف تھے اور علحدہ علحدہ ہر ایک قبیلہ کا دفتر اور دیوان تھا ۔ مثلاً حمیر کے فوجی اور دیہاتی امیروں کے واسطے سات ۔ آٹھ ۔ نو ہزار کے درمیان وظائف مقرر تھے وظائف کے تقرر میں اُن بڑے تین اصولوں کے سوا اُن کی ضروریات اور کنبوں اور اسی قسم کے اور امور کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا۔ وظائف اور تنخواہیں سلسلہ وراثت میں موروثی تھے اور اسی طرح جو انعام میدان جنگ میں کسی خاص شجاعت اور بہادری کے کام کے واسطے دیا جاتا تھا وہ بھی موروثی ہوتا تھا[۵]۔

عورتوں کے واسطے عام طور پر مردوں کے حصہ کا ایک دسواں مقرر کیا گیا ۔ بیویاں

---

۵ انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۲۸ بہ سند بلاذری ۔

بیواؤں اور بچوں کے جداگانہ وظائف تھے ایک بچہ جس روز پیدا ہوتا تھا درج رجسٹر ہو جاتا تھا اور سو درہم (بعض روایتوں میں دس درہم) سے لے کر ترقی عمر کے ساتھ وظیفہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اول اول میں تو یہ دستور تھا کہ بچہ کا وظیفہ اُس وقت سے مقرر ہوتا تھا جب اُس کا دودھ چھڑایا جاتا تھا یعنی جب بچہ کے کسی خفیف عارضہ سے ضائع ہو جانے کا خوف کم ہو جاتا تھا۔ مگر اس دستور کو تبدیل کر کے نوزائیدہ بچہ کا وظیفہ مقرر کرنے کا قاعدہ مقرر کیا۔ اس تبدیلی کی وجہ ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت عمر ایک قافلہ کی حفاظت کے واسطے عبدالرحمن کو ساتھ لے کر خود گئے اور رات بھر جاگتے اور عبادت کرتے رہے۔ اسی اثنا میں حضرت عمر نے ایک بچہ کے رونے کی آواز سُنی اور دریافت حال کے واسطے اُس طرف گئے۔ بچہ کو اُس کی ماں کے پاس روتے ہوئے دیکھ کر اور یہ کہہ کر چلے آئے کہ اِسے چپ کرا۔ تھوڑی دیر میں پھر وہی رونے کی آواز آئی اور پھر جا کر چپ کرانے کو کہہ آئے۔ تیسری دفعہ جب گئے تو اُس عورت کو کہا کہ میں تجھے اچھی ماں نہیں دیکھتا۔ اُس نے جواب دیا اے بندۂ خدا تُو نے مجھے کیوں تنگ کیا ہے۔ میں تو اس سے دودھ چھڑانا چاہتی ہوں اور اس کا عادی بناتی ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ جب تک بچہ کا دودھ نہ چھڑایا جائے عمر وظیفہ نہیں مقرر کرتا۔ اُس کی عمر پوچھی تو معلوم ہوا کہ چند مہینے کی ہے۔ یہ سُن کر اُس کو صرف اتنا کہا کہ جلدی نہ کر اور چلے آئے صبح کو نماز پڑھ کر جب فارغ ہوئے تو اُس بچہ کے رونے کی آواز اُسی طرح آ رہی تھی کہنے لگے کہ عمرؓ بہت بُرا ہے جس نے مسلمانوں کی اولاد کتنی ہی مار ڈالی ہوگی"۔ اور منادی کرنے کے واسطے حکم دیا اور مفصلات میں لکھ بھیجا کہ کسی بچہ کا دودھ نہ چھڑایا جائے ہم اول ہی سے اُس کا وظیفہ مقرر کر دیں گے[۵۱]۔

عرب کے خون کو غلامی سے آزاد کر دیا کوئی عرب غلام نہیں بنایا جا سکتا تھا[۵۲]۔ پہلے کے جو غلام تھے اُن کے بھی وظائف مقرر تھے۔ اور اس سلسلہ کو عرب سے باہر غیر عرب مسلمانوں تک جنہوں نے

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب حکایات گشت۔ ۵۲ انلس اوف خلافت صفحہ ۲۲۳

اسلامی اغراض میں شرکت اختیار کی بھی بڑی فیاضی کے ساتھ وسیع کیا گیا۔ مثلاً ایرانی امیروں اور دہقانوں اور لوگوں کا جو خوزستان میں مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شریک ہو گئے ہزار درہم سے دو ہزار درہم تک وظیفہ مقرر کیا گیا[1] اسی طرح جو اسلام اختیار کر کے اُسی پر منحصر ہو گئے اُن کو بھی عطیہ سے محروم نہیں رکھا گیا۔ مثلاً ہرمزان کو دو ہزار درہم سالانہ[2] وظیفہ دیا گیا۔ اگر سچ پوچھو تو اسلام نے جو برادری اور اخوت کی تعلیم خیالات کو کی تھی حضرت عمر نے اُس مبارک تعلیم کی عملاً تعمیل کر کے دکھا دی سر ولیم میور نے غیر اقوام کو کم وظائف دینے اور برادری اور اخوت کے خیال کو غیر اقوام تک وسیع کرنے سے دریغ کرنے پر اعتراض کیا ہے مگر افسوس ہے کہ مورخ مذکور نے یہ اعتراض کرتے وقت اُن اصولوں کو جن پر وظائف کی بنا رکھی گئی تھی نظر انداز کر دیا ہے سبقت اسلام لانے میں تقرب رسول اللہ صلعم کے ساتھ اور فوجی خدمات۔ یہ استحقاق کسقدر لوگوں کو حاصل تھے جنکو حق سے محروم رکھا گیا۔ یہ معترض نے نہ بتایا۔ یہ بھی نہ بتایا کہ عام طور پر کس قدر مسلمان غیر اقوام کے محروم رکھے گئے۔ تعجب ہے کہ معترض اپنی کتاب انلس اوف دی ارلی خلافت کے صفحہ ۲۵۴ کے نوٹ کو لکھ کر بھی جس میں اُس نے خود لکھا ہے کہ جسقدر ایرانی مسلمان خوزستان کی فوج میں شامل ہو گئے اُن کے ویسے ہی وظائف مقرر کئے گئے۔ اس اعتراض کو قلم زن کرنا بھول گیا۔ اصلیت یہ ہے کہ غیر ممالک میں اول میں تو اسلام اسقدر شائع نہیں ہوا اور جسقدر مسلمان ہوئے وہ غیر مسلمان اقوام

---

[1] انلس اوف ارلی خلافت نوٹ صفحہ ۲۵۴ و ۲۲۶ [2] درہم چاندی کا اور دینار سونے کا سکہ تھا درہم کو اکثر لوگوں نے ۳½ ماشہ کا بیان کیا ہے۔ جسکے حساب سے درہم کی قیمت ہمارے سکہ رائج الوقت میں ۴ر سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ مسٹر گبن نے جو حساب کیا ہے اسکی رو سے درہم کی قیمت انگریزی میں چھ پنس سے آٹھ پنس تک بیان کی ہے اگر پونڈ دس روپیہ کا شمار کیا جائے تو درہم کی قیمت وہی ۵ر کے قریب ہو گی۔ دینار کی قیمت پندرہ فرانک یا گیارہ شلنگ سے کچھ زیادہ مسٹر گبن نے لکھی ہے۔ پونڈ دس روپیہ کا شمار کر کے ہمارے سکہ میں دینار کی قیمت پانچ روپیہ سے کچھ زیادہ ہوتی ہے علامہ شبلی نے دینار پانچ روپیہ کا اور درہم ۴ر کا بیان ہے المامون جلد دوم صفحہ ۱۹۔ اہل شام کے حساب میں سونے کو چاندی سے ۱۴½ کو ایک کی نسبت تھی مسلمانوں میں ۸ یا ۹ بلکہ ۷ کو ایک کی جو بعد میں ۱۰ یا ۱۲ کو ایک کی نسبت بڑھ گئی۔ صوبہ جات شام اور مغربی جزیرے کا سکہ سونے کا تھا اور ایران اور بابل کا چاندی کا (دیکھو لیف اوف محمد مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۱۲ حاشیہ) مؤلف۔

کی طرح اپنے پیشوں اور اپنے کاموں میں رضامند اور قانع رہے۔ خطرناک فوجی خدمت کو نہ اُنہوں نے پسند کیا اور نہ وہ مجبور کئے گئے لیکن بعض نے جو فوجی خدمت کو پسند کیا اور مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے اُن کے علی قدر مراتب وظائف مقرر کئے گئے معترض کی آنکھوں کے سامنے تعصب کا اندھیر معلوم ہوتا ہے ورنہ ایسی صاف بات تھی کہ اعتراض کو گنجایش ہی نہ تھی۔

اس عظیم الشان تجویز کو مستقل طور پر رائج کر دینے کے واسطے دفتر مرتب کرنا پڑا جس کا نام دیوان رکھا گیا اور وظائف کے حساب اور فہرستیں تیار کی گئیں اعلیٰ مراتب کے قبائل اور لوگوں کا حساب رکھنا تو کچھ مشکل نہ تھا مگر لکھوکھا عام اقوام اعراب اور اُن کے قبائل اور کنبوں کی فہرستیں اور حساب رکھنا جو فوجی کام اختیار کرنے کے واسطے ہر روز سیل دریا کی طرح اُمڈے ہوئے چلے آتے تھے بقول سر ولیم میور کے ایک ایسا کام تھا جو انسان کے کر لینے کا نہ تھا مگر قبائل کی ترتیب اور افواج کی باقاعدہ تقسیم اور بندش سے اس کام میں کسی قدر سہولت پیدا کی گئی۔ ہر ایک قبیلہ یا شاخ قبیلہ کے لوگ اپنے اپنے جدا دستوں اور حصوں میں تقسیم ہو کر لڑتے تھے۔ فہرستوں کی ترتیب بھی اسی کے موافق ہوگئی اور ہر ایک متنفس اپنے اپنے قبیلہ میں درج فہرست ہو کر شمار میں آگیا۔ اس بات کا بتانا مشکل ہے کہ دیوان کی فہرستوں کے شمار اعداد میں کہاں تک پہونچیں ہوں گے۔ مگر صرف کوفہ اور بصرہ نو آباد شہروں کی آبادیوں سے جو بقول سر ولیم میور کے ڈیڑھ لاکھ اور دو لاکھ تک پہونچ گئی تھیں [۱] اس کے شمار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سر ولیم میور نے ایک سرسری اندازہ کیا ہے کہ حضرت عمر کی وفات سے پہلے تقریبًا پانچ لاکھ عرب حدود عرب سے باہر ایران مصر۔ شام وغیرہ میں کام کر رہے تھے [۲] ملک کی اندرونی وظیفہ خوار آبادی کو ملا کر اس کام کی عظمت اور مشکلات اور اُس کے کرنے والے کی ہمت پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ عقیل ابن ابی طالب اور مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو ان فہرستوں کے لکھنے کے واسطے منشی مقرر کیا گیا تھا۔ اور عبداللہ بن ارقم تحویلدار بیت المال خزانچی تھا جسکو حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ اگر دوسروں کی مانند تجھ کو سبقت حاصل ہوتی تو میں کسی کو

[۱] انلس اوف دی ارلی خلافت صفحہ ۱۹۶۔ [۲] انلس اوف دی ارلی خلافت صفحہ ۲۳۰۔

تیسرے پر مقدم نہ کرتا۔

سر ولیم میور نے دیوان کی کیفیت لکھنے کے بعد اُس پر کئی ریمارک کئے ہیں جن میں سے ایک خیال جو اس عنوان سے کہ حضرت عمرؓ کے اِن اصولوں نے قبائل عرب کے باہمی مخالفت کے خیالات کو مٹا دیا لکھا ہے اِس مقام پر درج کرنا مناسب نہ ہوگا۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک بڑی قوم کو اپنے فتوحات اور اُن کی آمدنیوں۔ خراج اور غنیمت کو پہلے اخوت کے اصولوں پر مساوی طور پر اُسکے بعد جنگی قابلیتوں اور روحانی امتیازات کے موافق اپنے درمیان تقسیم کرتے دیکھنا ایک ایسا نظارہ ہے جس کا نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اِس تدبیر کا خیال بجائے خود نہایت عمدہ تھا۔ اِس کے سوا کسی اور طریقہ سے قبائل عرب کے باہمی رقیبانہ حسد کے خیالات کو دور کر دینا ممکن ہی نہیں تھا۔ صفوان اور سہیل اور دوسرے شرفائے قریش نے جو فتح مکہ تک آں حضرت صلعم کے ساتھ شریک نہ ہوئے تھے کسی سے کم وظیفہ لینے سے اوّل انکار کیا اور کہا کہ ہم اپنے سے زیادہ شریف کسی کو نہیں دیکھتے اور کسی سے کم نہیں لیں گے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ نہیں میں شرافت نسبی کے لحاظ سے نہیں دیتا ہوں بلکہ اسلام لانے میں سبقت کے لحاظ سے مقرر کرتا ہوں اُنہوں نے جواب دیا کہ "یہ ٹھیک ہے"۔ اور اس لاجواب دلیل کے سوا کسی دلیل سے اُن کا اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ قبائل کے باہمی حسد کے سوا اور بہت سے خطرناک اسباب تھے مثلاً اقوام اعراب اور اصحاب یعنی اہل مکہ و مدینہ کے درمیان جو رقابت تھی اور دوسرے بنی ہاشم اور بنی امیہ اور دوسرے قبائل قریش میں جو رقیبانہ خیالات تھے اور جس حسد نے کہ رفتہ رفتہ پختہ ہو کر خلافت کے وجود ہی کو خطرے میں ڈال دیا تھا لیکن جس کو کہ عمرؓ کے مضبوط ہاتھوں نے روک دیا اور دبا دیا تھا اس وقت روحانی امتیاز کو معیار حقوق قرار دینے سے دور کر دیئے گئے"۔

اصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس درجہ کے باریک بین اور حق شناس انصاف اور واقفیت سے مدارج حقوق کا تصفیہ کیا تھا کہ اُس پر کوئی حرف نہیں کہہ سکتا تھا اور اگر کوئی ناواقفیت سے اعتراض کرتا تھا تو

اُن کے جواب سے اُس کا پورا اطمینان ہو جاتا تھا۔ مثلاً عمر بن سلمہ کو جب ایک ہزار زیادہ دیا تو محمد بن عبداللہ بن جحش نے کہا کہ کیا ہمارے باپ اُن کے باپ جیسے نہ تھے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ ایک ہزار اُس کی ماں ام سلمہ کے لحاظ سے زیادہ دیئے گئے ہیں۔ اگر تیری ماں بھی ام سلمہ جیسی ہو تو تجھے بھی ایک ہزار زیادہ دے دوں۔ اسی طرح جب طلحہ بن عبداللہ کے بھائی عثمان کے اہل مکہ کے ساتھ آٹھ سو مقرر کئے اور نضر بن انس کے دو ہزار مقرر کئے تو طلحہ نے شکایت کی حضرت عمر نے اُسے بتایا کہ اس کا باپ احد کے دن مجھے میدان جنگ میں ملا تھا اور کہتا تھا کہ اگر رسول اللہ شہید ہو گئے ہیں تو خدا تو زندہ ہے جو نہیں مریگا اور بڑھ کر مقاتلہ کیا اور شہید ہو گیا طلحہ اس جواب کو سُن کر خاموش ہو گیا۔

آیندہ نئے وظائف ہمیشہ مقرر ہوتے رہتے تھے اور اُن میں اضافہ ہوتا تھا اور بھی بعض دلچسپ روایتیں کتابوں میں مندرج ہیں۔ مثلاً ایک دن حضرت عمر نے لبید بن ربیعہ کو کہا کہ مجھے اپنے اشعار سُنا اس نے کہا کہ جب سے مجھے خدا نے سورہ بقر اور سورہ آل عمران سکھلادی ہے میں نے شعر پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت عمر جو طرز جاہلیت کی شاعری کے نہایت مخالف رہتے تھے اس سے خوش ہوئے اور اُس کا وظیفہ دو ہزار سے اڑھائی ہزار کر دیا۔ گویا وہ بھی فیاضی کرتے تھے اور انعام بخشتے تھے مگر اُن کو جو دین اور مذہب میں پکے اور کوئی قابل ستائش امر کرتے تھے اس قسم کے انعاموں سے گویا دوسرے لوگوں میں ایسی عمدہ مثال کی تقلید کرنے کی ترغیب ہوتی تھی۔

بیت المال میں خمس غنیمت کے سوا زکوٰۃ اور عشر اور جزیہ اور مالگذاری اراضی زراعت کی آمدنی تھی اور علاوہ اس کے ممالک مفتوحہ کی جاگیرات خالصہ کی آمدنی داخل بیت المال ہوتی تھی مصارف میں فوج اور دیوانی اور دوسرے متعدد قسم کے انتظامات اور رفاہ عام اور فلاح خواص و عوام کے کاموں کا خرچ بیت المال سے اول لیا جاتا تھا اور بچت کو تقسیم کر دیا جاتا۔ مسلمان آسودہ اور دولت مند ہو گئے تھے اور شاید سیوطی کے اس قول میں کہ خیرات دینے کے واسطے تلاش کرنے سے کوئی لینے والا نہ ملتا تھا بہت مبالغہ نہ ہو۔ اس پر بھی حضرت عمر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر

میں زندہ رہا تو سب سے کم وظیفہ والے شخص کو اول درجہ کی تنخواہ والے سے ملا دوں گا۔ تمام آمدنی جسقدر کہ ہوتی تھی اُسی وقت خرچ ہو جاتی تھی۔ اور حضرت عمر کو اس امر کے دیکھنے سے خوشی اور فخر ہوتا تھا[۱]

کل خراج اور آمدنی کا تخمینہ بتانا ہمارے لئے مشکل ہے۔ حضرت عمر رضہ کے زمانہ کے مفتوحہ ممالک میں سے چند مشہور اضلاع حلوان۔ اہواز۔ فارس۔ کرمان۔ مکران۔ خراسان۔ جرجان قومس۔ رے۔ طبرستان ورویان و نہاوند۔ ہمدان۔ بصرہ و کوفہ کے درمیانی اضلاع ماسبذان۔ شہرزور۔ موصل۔ آذربیجان۔ جزیرہ معہ اضلاع فرات۔ قنسرین۔ دمشق۔ اردن فلسطین کا خراج خلیفہ ہارون الرشید کے وقت میں دو ارب اور ساٹھ کروڑ درہم کے قریب تھا[۲] اور متاع علاوہ تھا۔ اور مصر یمن اور حجاز سے قریب چھبیس ہزار دینار خراج آتا تھا[۳]۔ اس پچھلے تین صوبوں کے خراج میں سے تو حضرت عمر کے زمانہ میں بہت کم آتا ہوگا اور مذکورہ بالا اضلاع اور دوسرے مفتوحہ امصار و دیار سے بھی ایسا باقاعدہ خراج نہیں آتا تھا۔ اگرچہ خلفا عباسیہ کے زمانہ میں بھی آمدنی کی شقیں یہی خراج اور عشر اور جزیہ اور زکوٰۃ ہی تھیں جو حضرت عمر کے وقت میں معین ہو چکی تھیں۔ مگر تمام ممالک مفتوحہ میں اُس کا رواج نہیں ہوا تھا اور عاملوں کو براہ راست ضروری مصارف نکالکر بچت کو بیت المال میں بھیجنے کا اختیار تھا۔

فوج کا انتظام درحقیقت سب سے مقدم اور اس عظیم الشان تدبیر دیوان کا اصول تھا عرب کی اصلی جنس اور متاع مسلمانوں کی یہی بے روک دست و بازو تھے جن کے معاوضہ میں دنیا کو حاصل کیا تھا اور آیندہ حاصل کرنے اور حاصل کئے ہوئے کو اپنے قبضہ اور حفاظت میں رکھنے کا جن پر بھروسہ تھا۔ بس سب سے زیادہ اہم اور ضروری انتظام فوج کا انتظام تھا اور دراصل یہی انتظام حضرت عمر کی خلافت کا وہ بے نظیر کارنامہ ہے جس کو دنیا ہمیشہ تعجب اور حیرت

---

[۱] انلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۲۲۹۔ [۲] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۳ و ۱۴۔ [۳] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۳ و ۱۴۔

کی نگاہ سے دیکھا کرے گا ؛

تمام عرب کے وظائف اور تنخواہیں اور روزینہ مقرر کرکے اُن کو ضروریات زندگی کی طرف سے بالکل فارغ البال اور بے فکر کر دیا گیا تھا زراعت اور تجارت کی نہ اُن کو ضرورت تھی اور نہ اجازت تھی - اُن کا کام اور پیشہ ہتھیار اُٹھانا اور میدان جنگ میں کام کرنا تھا - فوجی خدمت کرنے کے واسطے وہ مجبور تھے - کوئی عذر اور حیلہ قابل سماعت نہ تھا - دیوان کا وظیفہ خوار دراصل خلافت کی فوج کا سپاہی تھا - وظیفہ خوار عورت سپاہی کی بیوی اور سپاہی کی ماں تھی - نوزائیدہ بچہ جس روز سے وہ درج فہرست ہوتا تھا وہ عرب کی فوج کا سپاہی ہوتا تھا - اس انتظام سے عرب کی فوج کا ایک مستقل اور استمراری انتظام کر دیا گیا - صرف اُسی زمانہ میں نہیں بلکہ اگر وہ انتظام جیسا جاری رہنے کے واسطے بنایا گیا تھا اور عرب کی اقبال مندی کے زمانہ تک جاری رہتا اگر اور ہزاروں برس بھی جاری رہتا تو نئی فوجوں کے بھرتی کرنے اور نئے لشکروں کے برپا کرنے کی کبھی فکر اور ضرورت نہ پیش آتی - سر ولیم میور اس پر لکھتے ہیں کہ وہ اسلام کی آمدنی خراج کو اس طرح پر اُس جنگی قوم کا ورثہ بنا دینے سے اُن کی جنگی طبیعت اور جوش کو قایم کر دیا گیا اور خلافت کی فوج کی صورت میں اُن کی خدمت اور ملازمت مستقل اور استمراری ہو گئی - اگرچہ اُن کی بیکاری اور آرام کے زمانہ میں سازشوں اور فتنہ کا باعث ہوتیں - مگر بایں ہمہ وہ اسلام کی پشت و پناہ اور اُس کی فتوحات اور خلافت کے قیام کا راز تھیں - اس طرح پر وہ جنگی قوم قوموں کے فتح کرنے اور اسلام کو شائع کرنے کے مقدس کام کے واسطے علیحدہ کر دی گئی اور اُس وقت بھی جب کہ مذہبی ولولے کسی قدر کم ہو گئے حضرت عمر کی اس پیش بینی اور تدبیر کی وجہ سے عربوں کے جنگی جوش ایک متحد اور متفق قوم کی صورت میں اُن میں اڑھائی سو برس تک پورے طور پر قایم رہے قوم کی قوم گویا ایک فوج تھی جو ہر وقت حرکت میں رہا کرتی تھی چھاونیاں اُن کے گھر تھے نہ کہ شہر - اُن کا کام جنگ اور لشکر تھا - غرض کہ عرب ایسے مسلح اور متحد قوم ہو گئے تھے جو پشت ہا پشت تک ملک گیری کے لئے ایک لحظہ کے نوٹس پر چلنے پر تیار

اور حملہ کرنے کے لئے مستعد ہو جاتے تھے"۔

حضرت عمرؓ کا یہی مہتم بالشان اصول تھا جس کی بنا پر وہ اہل عرب کو زراعت کرنے اور اطراف میں آباد ہونے اور گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال اُن کا نیا نہیں تھا بلکہ بہت پرانا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں عتبہ اور اقرع سے جو سند زمینداری کی لیکر پھاڑ ڈالی تھی اُس کی وجہ کی تہہ میں یہی خیال تھا گو اُس وقت اس کا ظاہر کرنا قبل از وقت تھا۔ اپنے زمانہ خلافت میں تو وہ علانیہ طور پر اس خیال کے پابند رہے اور کسی کو زراعت اور آبادی کے کام میں مصروف نہ ہونے دیا۔ شام اور عراق میں لوگوں نے نہایت خواہش سے چاہا اور اصرار بھی کیا اگر حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ مصر میں اور اسی طرح دوسرے ممالک میں تاکیدی حکم بھیجے تھے کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کاشت کی تو آپ نے اُسے پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی۔ لیکن اُس نے غلطی تو بہ سے اپنا قصور معاف کرالیا[۵]۔ جہاں کہیں فوجی چھاونیاں قایم ہوئی تھیں اسی خیال کی بنا پر وہاں لوگوں کو پکے گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ گھاس پھوس کے کچے گھر بنا کر رہنے کا حکم تھا۔ اگر کوئی پکا گھر بنا بھی لیتا تو اُس کو گرا دیتے تھے۔ غرض کوئی قول اور فعل حضرت عمرؓ کا اس کے متعلق ایسا نہ تھا جو اسی اصول اور خیال پر مبنی نہ ہو اور اسی سے یہ اصول ایسے احکام اور مضبوطی کے ساتھ قایم ہو گیا کہ صدیوں تک جب تک عربوں کو اُس کے چھوڑنے پر مجبور نہ کیا گیا اُن سے نہ چھوٹ سکا۔

اس اصول کے اختیار کرنے سے جقدر کہ اسلامی اغراض کی کامیابی مقصود تھی اسی قدر غیر اقوام کے زمینداروں اور کاشت کاروں اور رعایا کے ساتھ اُن کے حقوق کی حفاظت سے فیاضی کا برتاؤ مقصود تھا۔ کسی ملک کی رعایا کو برباد کرنے کی تدبیر اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتی کہ اُن کو اپنے املاک زمینداری اور حقوق کاشت کاری سے محروم اور بیدخل کر دیا جائے

---

[۵] الماتون حصہ دوم صفحہ ۱۸۔

حضرت عمر کی خلافت میں جو اسلام نے بے شمار احسانات ممالک مفتوحہ کی رعایا پر کئے اُن سب میں بڑا احسان یہی تھا۔ غرض اس ایک اصول میں ایسی دو بڑی عظیم الشان مصلحتیں مخفی تھیں۔ اس پچھلی بحث کو آئندہ بیان کرنے کا موقع ملیگا۔

فوج کے انتظام کے متعلق ایک بڑی دانشمندی کا کام جا بجا چھاونیوں مقرر کرنے کا تھا۔ اور یہ چھاونیاں ایسی ضروری اور موقع کی جگہ پر بنائی گئیں کہ اُن کے مقرر کرنے کا مقصد انہیں سے بخوبی حاصل ہو سکتا تھا۔ مصر۔ عراق۔ ایران وغیرہ صوبوں میں آٹھ مرکز اس قسم کے قایم کئے گئے اور ہر ایک میں بحپٹ کی فوج ضرورت کے وقت کام کرنے کے واسطے رکھی گئی۔ چار ہزار سوار بحپٹ میں رہتے تھے[1] اسی طرح پر چارہ۔ اور غلہ اور سامان کا انتظام کیا گیا اور اس انتظام کا خرچ صوبہ کے خراج پر پہلا خرچ ہوتا تھا[2]۔

گھوڑوں اور اونٹوں کا ایک بڑا ذخیرہ نہایت کوشش سے جمع رکھتے تھے جو شخص خود اپنے واسطے انتظام نہ کر سکتا اُسکو گھوڑا دیتے اور عہد لیتے کہ دانستہ گم نہ کریگا اور کمی خوراک سے ضائع نہ کریگا۔ لیکن اگر لڑائی میں مارا جائے تو وہ ذمہ دار نہیں ہوتا اور سال بھر میں چالیس ہزار اونٹ سواری کے لئے دے دیتے تھے[3]۔

کوفہ اور بصرہ اور قاہرہ بھی درحقیقت چھاونیاں تھیں اور اسی غرض سے مقرر ہوئی تھیں۔ مداین کی آب وہوا کے خراب ہونے کے سبب سے سپاہیوں کی صحت میں فرق آنے لگا تھا۔ ایک دفعہ جب ایک جماعت اہل لشکر کی حضرت عمر کے سامنے گئی تو اُنھوں نے اُن کے چہروں پر زردی اور کمزوری دیکھ کر حیران ہو کر اس کا سبب پوچھا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ مداین شہر اور اُسکی آب وہوا عرب کی طبائع کے موافق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر کسی ایسے صحت بخش اور موافق آب وہوا والے مقام کے تلاش کرنے کا حکم دیا کہ ریگستان کی آب وہوا وہاں سے گذرتی ہو

۱؎ الکس آف خلافت صفحہ ۲۳۱ ۲؎ الکس آف ارلی خلافت صفحہ ۲۳۱ ۳؎ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا جلد دوم مآب سیاست فاروق اعظم۔

اور قریب ہو اور عمدہ اور صاف پانی کے نزدیک ہو اور مدینہ اور اُس مقام کے درمیان کوئی دریا یا ایسی چیز حائل نہ ہو جو مدد کے فوراً وہاں پہونچنے کو روکتی ہو۔ سعد بن ابی وقاص نے کنار ریگستان پر ہر ایک طرف تلاش و تجسس کی اور کوفہ کے میدان سے بڑھکر بہتر کوئی مقام اُن اوصاف سے متصف نہ پایا جو حیرا کے قریب اور دریا فرات کی مغربی شاخ پر واقع تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس انتخاب کو پسند کیا اور لوگوں کو وہاں چلے جانے یا مدائن میں رہنے کا اختیار اور اجازت دی۔ لوگ گروہ کے گروہ وہاں جانے لگے۔ اور گھاس پھوس اور نرسل مٹی گارے سے مکان بنا لینے کی اجازت دی ۱۷؁ ہجری کا سال تھا وہ اِس بات کے نہایت مخالف تھے کہ مستقل رہایش کے واسطے وہاں پختہ اور دیرپا مکان بنائے جائیں۔ لیکن جب کئی دفعہ آتش زدگی کی وارداتیں ہوئیں اور مکان جل اُٹھے تو آخر حضرت عمرؓ نے اینٹ سے پختہ مکانات بنانے کی اجازت دیدی اور لکھا کہ "یہ عارضی لشکرگاہ صرف مجاہدین کی رہایش گاہ ہے۔ لیکن اگر تم وہاں زیادہ مستقل رہایش اختیار کرنا چاہتے ہو تو خیر اجازت ہے۔ مگر کوئی شخص تین سے زیادہ مکان نہ بنائے اور نہ رسول اللہ صلعم کے گھر سے زیادہ شان اور آراستگی رکھے"۔ اِس حکم پر شہر از سر نو بنایا گیا اور بازاروں کو سیدھا کرکے باقاعدہ بنایا گیا۔ مرکز میں ایک بڑا چوک جامع مسجد کے واسطے رکھا گیا جہاں آخر ایک نہایت عظیم الشان مسجد بنائی گئی تجارت کی منڈی کے واسطے ایک اور چوک صاف رکھا گیا اور ہر ایک شخص کو اُسکی ضرورت کے موافق زمین دی گئی۔

منڈی کے قریب سعد نے ایک عالی شان مکان اپنے رہنے کے واسطے بنوایا۔ حضرت عمرؓ نے جب سنا کہ سعد نے ایک قلعہ نما مکان بڑے دروازہ والا بنوایا ہے تو ناراض ہوئے اور محمد بن مسلمہ کو اُس دروازے کے توڑ دینے کا حکم دے کر بھیجا اور سعد کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے اپنے لئے ایک محل بنوایا ہے جو تیرا قلعہ کہلاتا ہے اور اپنے اور لوگوں کے درمیان ایک بڑا دروازہ بنایا ہے۔ یہ تیرا قلعہ نہیں ہے بلکہ دوزخ کا قلعہ ہے تجھے خزانہ کی حفاظت کے واسطے ایک محفوظ مکان درکار ہے مگر اپنے رہنے کے واسطے ایسا مکان

ضروری نہیں ہے جو تیرے اور خلق اللہ کے درمیان آمد ورفت کو روکتا ہو اور تجھ کو اُسے گرا دینا چاہئے"۔

بصرہ خلیج فارس سے اوپر دریا کے کنارے پر واقع ہے اس نواح میں بھی حضرت عمرؓ اس علاقہ کے فتح ہونے کے بعد فتوحات کی حفاظت اور انتظام اور کسی مخالفانہ حملہ کی مدافعت کے واسطے ایک فوجی مقام قایم کرنا چاہتے تھے۔ پہلے تو ابلہ کے کھنڈروں پر مسلمانوں کے کچھ گھر بن گئے اور وہیں رہنے لگے مگر سمندر کے قرب کے سبب سے آب وہوا موافق نہ تھی۔ کئی دفعہ رد وبدل ہو کر آخر بصرہ کا پر فضا مقام پسند کیا گیا اور عتبہ بن غزوان نے قریباً اُسی زمانہ میں جب کوفہ بنا ہوا تھا اجازت لے کر اُسی وضع پر کچے سے پکے گھر بنائے۔ دونوں شہروں کی معافیات اور اراضیات وقف دی گئیں۔ مگر چوں کہ کوفہ کی آمدنی زیادہ تھی وہ رونق اور آبادی میں بصرے سے بڑھا رہا[۵۱]۔

ایک دوسرے مورخ کوفہ اور بصرہ کی آبادی اور رونق کی کیفیت کو اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ "کوفہ اسلام کی وسعت اور تمدن کا گویا دیباچہ تھا اہل عرب کی روز افزوں ترقی کے لئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی اس ضرورت سے حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو جو اُس وقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مداین میں اقامت گزین تھے خط لکھا کہ "مسلمانوں کے لئے ایک شہر بساؤ جو اُن کا دار الہجرت اور قرار گاہ ہو" سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی ۱۷ سنہ ھ میں اُس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ اُسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آکر آباد ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بن گیا۔ حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لئے جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے روزینے مقرر کر دیئے۔ چند برسوں میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروقؓ کوفہ کو "رمح اللہ"، "کنز الایمان"، "جمجمۃ العرب" فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اس عنوان سے

---

[۵۱] علامہ شبلی کی کتاب سیرۃ النعمان صفحہ ۳۳

لکھتے تھے۔ "الی راس الاسلام۔ الی راس العرب"۔ حضرت علی رضہ نے اِس شہر کو دارالخلافت قرار دیا صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلعم کے ہمرکاب رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کرلی۔ اِن بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درس گاہ بن گیا تھا *

بصرہ بھی اُسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دارالعلم خیال کئے جاتے تھے سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے۔ کہ مناسک کے لئے مکہ۔ قرأت کے لئے مدینہ۔ اور حرام و حلال یعنی فقہ کے واسطے کوفہ ہے *

کوفہ اور بصرہ کی رونق اور آبادی کی ترقی درحقیقت تعجب انگیز تھی۔ تھوڑے ہی زمانہ میں آبادی کی نوبت لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور اِن نوآباد شہروں میں سلطنت کے دعویداروں کی قسمتوں کے فیصلہ ہونے لگے *

سر ولیم میور نے جو ریمارک کوفہ اور بصرہ پر کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہوگا کہ "کوفہ اور بصرہ کو جو اپنی بنا میں ایسے عدیم المثال تھے خلافت اور خود اسلام کی قسمتوں پر حیرت انگیز اثر حاصل تھا۔ آبادی کا بڑا حصہ جزیرہ نما سے آیا اور خالص عرب کی نسلوں سے جو قبائل مع اپنے کنبوں کے ایران کے شکار کے واسطے عراق عرب کی طرف سیلاب دریا کی طرح امڈے چلے آتے تھے وہ خصوصاً اِن دونوں شہروں میں آباد ہوتے تھے۔ کوفہ میں یمن اور جنوب کے قبائل زیادہ تر آباد ہوتے تھے اور بصرہ میں شمال کے۔ بہت جلد وہ دو بہت بڑے اور پر رونق شہر ہوگئے جن میں سے ہر ایک میں دو لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ تنفس سے کم نہ ہوں گے؎۔ اسلام کے

؎ یہ آبادی کا شمار مورخ مذکور نے بلاذری کے قول سے اخذ کیا ہے جو اس نے ۵۰ھ ہجری میں زیاد کے وقت میں کوفہ میں اسی ہزار سپاہی اور ایک لاکھ بیس ہزار کنبوں اور بصرہ میں ساٹھ ہزار سپاہی اور اسی ہزار کنبوں کے موجود

ادب ۔ مذہب اور ملکی معاملات پر باقی تمام اسلامی دنیا کا اثر نہ تھا جتنا کہ ان دو شہروں کا تھا ۔ جنگی خدمت گاہ بہ گاہ کرنی پڑتی تھی اور باقی وقت بیکاری میں گذرتا تھا ۔ جس کو وہ امور تمدن کے جوڑ توڑ کے مشوروں میں گذارتے تھے اور وقت کے معاملات پر بحث کرتے وقت وہ گذشتہ ایام کی طرف جا نکلنا بہت پسند کرتے تھے اور لڑی ہوئی لڑائیوں کو پھر پھر لڑتے تھے جس سے روایت کا سلسلہ اور اختلاف پیدا ہوا ہے ۔ لیکن یہ مباحثے بعض اوقات قبائل کی باہمی رقابت اور خانگی بدنامیوں تک پہونچ جاتے تھے ۔ رفتہ رفتہ لوگ فتنہ انگیز اور فسادی ہو گئے اور یہ دونوں شہر مفسدہ اور ہنگامہ کی جگہ ہو گئے ۔

یہ فتنے جو حضرت عمر کے دانشمند اور مضبوط ہاتھوں سے رکے اور دبائے ہوئے تھے کمزور خلفا کے وقت میں برانگیختہ ہو گئے اور اسلام کے اتفاق اور یک جہتی کو چیر ڈالا اور تکلیف اور مصیبت کے وقت لے آئے ۔

قاہرہ بھی اسی طرح بنا پا کر آباد ہوا ہے ۔ مصر کو فتح کر کے عمرو بن العاص سکندریہ کو اپنا صدر مقام قرار دینا چاہتا تھا مگر حضرت عمر نے لشکر سے اتنی دور اور ایسے مقام پر رہنا جس کے راستہ میں دریا کی کئی شاخیں حائل ہوں ناپسند کیا ۔ اسی لئے وہ شمالی مصر کو واپس آ گیا ۔ عربوں کی ایک جماعت دریائے نیل عبور کر کے مغربی جانب مقام غزہ پر جا رہی حضرت عمر نے اس شرط پر وہاں رہنے کی اجازت دی کہ ایک مضبوط قلعہ فوج کی حفاظت کے واسطے بنا لیا جائے ۔ فوج کا صدر مقام ممفس کے قریب مقرر کیا گیا جہاں فسطاط (فسٹات) کے نام سے جس کے معنی لشکرگاہ کے ہیں ایک چھاونی قایم ہو گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ عظیم الشان شہر پیدا ہو گیا جو قاہرہ کے نام سے مصر کا دار السلطنت ہے عمرو بن العاص نے وہاں ایک عظیم الشان مسجد کی بنا رکھی جو اب تک ان کے نام سے مشہور ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) ہو نیلی لکھتا ہے سر ولیم میور کی اپنی رائے یہ ہے کہ تمام غیر اقوام وغیرہ کی آبادی ملا کر ہر ایک شہر میں تین لاکھ سے کم نہ ہوگی ۔

غرض حضرت عمرؓ کے فوج اور ملک کے پرحکمت اور شائستہ انتظام سے جو عجائبات پیدا ہوئے اُن میں سے کوفہ اور بصرہ اور قاہرہ بھی تھا ؎

حضرت عمرؓ کا ایک مستقل اور مستحکم انتظامی اصول عموماً اور فوج کی نسبت خصوصاً عرب کی سادہ طرز معاشرت اور سادگی علوات قایم رکھنے کا تھا۔ جیسے کہ وہ عربوں کے ممالک غیر میں آباد ہونے یا جاگیر پیدا کرنے کے مخالف تھے ویسے ہی وہ اُن کے اپنی سادگی اور سادہ طرز معاشرت چھوڑ کے دوسرے ممالک کی عادات اختیار کرنے کے عیش و عشرت میں پڑجانے کے خوف سے سخت مخالف تھے ؎

فوج کے انتظام کے بعد صیغہ مال۔ دیوانی خراج محاصل اور محصولات وغیرہ کا انتظام تھا۔ کوئی شخص دنیا میں اس حیرت ناک امر کو تعجب کے بغیر نہ سُنے گا کہ حضرت عمرؓ کی دس سالہ خلافت کے زمانہ میں جو ممالک اور صوبہ فتح ہو گئے تھے اُن کا مجموعی رقبہ ہمارے وسیع ملک ہندوستان کے رقبہ کے قریب قریب ہوگا اور اگر عرب کا رقبہ بھی اُس میں شامل کر لیا جائے تو روس کو خارج کرکے باقی تمام یورپ کے رقبہ سے زیادہ ہوگا اتنی بڑی سلطنت کا جو اسقدر جلد فتح ہوئی انتظام کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا اور ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت عمرؓ کما حقہٗ انتظام کر لینے میں کامیاب ہوئے بلکہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جو اصول نظم و نسق کے اُنھوں نے اختیار کئے تھے اُس سے بہتر اور شائستہ اصول ہو سکتے تھے یا نہیں۔ حضرت عمرؓ کا اپنے کام پر اختیار تھا مگر وقت پر اختیار نہیں تھا اُنکو صرف اُس بُنیاد کے قایم کرنے کی مہلت ملی جس پر اسلامی سلطنتوں کی عظیم الشان عمارتیں بنائی گئیں۔ اگر اُن میں کوئی نقص تھا تو وہ اُس بنیاد سے تجاوز کرنے کا تھا ؎

فتوحات کے عقب میں ممالک مفتوحہ کا سول یعنی دیوانی انتظام تھا۔ اس قسم کے انتظام کے واسطے تقسیم ممالک کی ضرورت تھی مگر کوئی نئی تقسیم زیادہ تر نہیں کی گئی۔ اُنہیں اضلاع اور صوبہ جات میں جن میں کہ وہ پہلے تقسیم تھے اُن کو منقسم رہنے دیا اور ہر ایک شہر میں جو صوبہ یا ضلع کا صدر مقام تھا عمال مقرر کرکے بھیجے۔ یہ عمال عموماً چار قسم کے تھے۔ ایک امیر جس کے تعلق

انتظام کل امور ریاست اور فوج کا انتظام تھا۔ دوسرا قاضی جو انفصال مقدمات اور عدالت کا کام کرتا تھا تیسرا تحویلدار جس کی سپردگی میں خزانہ رہتا تھا۔ چوتھے وہ علما جو مذہب کی تلقین اور وعظ کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔ اُن کے اپنے اپنے کام علیحدہ علیحدہ تھے اور ہر ایک اپنے کام کے واسطے جوابدہ تھا اس طرح پر عہدوں اور اختیارات کو تقسیم کیا اور بڑی دانشمندی کا کام حاکم انتظامی اور مالی اختیارات اور عدالت کا جدا کر دینا تھا جس کی ضرورت پر اس شائستگی کے زمانہ میں بھی معقول بحثیں پیش کی جاتی ہیں*

ملک کا باقاعدہ بندوبست شروع کیا۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو پیمائش کرنے کے کام پر مقرر کیا۔ سواد کے کل اضلاع کی پیمائش تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوئی اسی طرح پر عراق و شام تک اس سلسلہ کو وسعت دی اور ایک باقاعدہ اصول اور شرح کے موافق خراج اور مالگذاری مقرر ہوئی۔ یہ شرحیں حیثیت اراضی کے موافق مختلف تھیں[۱]۔ مگر عام شرحیں لگان کی حسب ذیل تھیں:-

| | | | |
|---|---|---|---|
| نخلستان | فی جریب یعنی پون بیگھہ پختہ | | ۱۰ درم (بعض روایات میں پانچ درم) |
| انگور | " | " | ۱۰ درم |
| نیشکر | " | " | ۶ درم |
| گیہوں | " | " | ایک درم ایک صاع غلہ (پونے چار سیر) |
| جو | " | " | ایک درم دو صاع غلہ |
| روئی | " | " | ۵ درم |

مصر کا خراج فی جریب ایک دینار مقرر ہوا اور عمرو بن العاص نے جو مصر کے امیر تھے یہ عہد لکھ دیا کہ اس شرح سے کبھی زائد نہ لیا جاوے گا۔ اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہئے۔ ان شرحوں میں بھی اکثر کمی اور تبدیلی ہوتی رہتی تھی[۲]۔ گبن یورپ کا

---

[۱] ازالۃ الخفا باب سیاست فاروق اعظم۔ [۲] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۹۔

مورخ عظیم المقام کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "ایران کا انتظام آدمیوں مویشیوں اور زمینوں کی پیداوار اور پھلوں کے علمی حساب اور پیمایش پر رکھا گیا خلافت کا یہ قابل یادگار کام جس سے خلیفوں کی ہوشیاری اور خبرداری معلوم ہوتی ہے ایسا تھا کہ ہر زمانہ کے حکیم اور فلاسفر اُس سے سبق اور ہدایت حاصل کر سکتے تھے [۵۱]"

مال تجارت پر محصول مقرر کیا گیا۔ یہ محصول مسلمانوں سے زکوٰۃ کی مختلف شرحوں سے لیا جاتا تھا۔ ذمیوں سے پانچ روپیہ فیصدی کے حساب سے اور حربیوں سے دس روپیہ فی صدی کی شرح سے لیکن زکوٰۃ کی طرح یہ محصول سالانہ ہوتا تھا اور سال میں اُسی مال پر پھر محصول نہیں لیا جاتا تھا اگر غلطی سے لیا جائے تو واپس کر دیا جاتا تھا۔ اِن محصولوں کے وصول کرنے کے واسطے ایک جُدا عملہ مقرر تھا جن میں بصرہ کی سمندر کی پیداوار کا محصول وصول کرنے والے عمال بھی شامل ہیں۔

جزیہ صلح اور ذمہ واری حفاظت کا ٹیکس تھا۔ اُسکی مختلف شرحیں تھیں مگر چار درہم ماہوار سے زیادہ نہیں لیا جاتا تھا۔ عام شرحیں ایک درہم اور دو درہم ماہوار تھے لیکن بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والوں اور عورتوں اور مفلوج معطل العضو۔ نابینا۔ مجنون۔ مفلس۔ یعنی جسکے پاس دو سو درہم سے کم عموماً سب کو معاف تھا۔

سر ولیم میور نے پراونشل اور سول اڈمنسٹریشن کو نہایت اختصار سے اِن الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ "فتوحات کے پیچھے سول (دیوانی) انتظام کیا گیا۔ عراق عرب میں نہروں کو جال کیطرح پھیلا دینے کا کام ہاتھ میں لیا گیا۔ دجلہ اور فرات کے بند اور پشتے جو زمانہ دراز سے فراموش ہو گئے تھے اُن کا انتظام و جدا جدا خاص افسروں کے سپرد کیا گیا۔ شام اور عراق کی ایک ایک کھیت کی پیمائش کی گئی اور ریاست اور رعایا کی دونوں قسم کی اراضی پر ایک معین اور یکساں قاعدہ کے موافق لگان مقرر کیا گیا۔ عراق میں دہقانوں یا بڑے جاگیرداروں کی نیابت سے

---

[۵۱] ہسٹری اوف سراسینس مؤلفہ گبن دادکلی صفحہ ۶۴۔

لیساکہ ساسانیوں کے وقت میں دستور تھا پولیس اور خراج کے انتظام میں دی گئی[۱]۔"

غرض ملک کی آبادی سرسبزی اور امن و آسایش کو ترقی دینے کے واسطے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا "جو لوگ اپنی زمینوں اور املاک کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اُن کے واپس بلانیکے واسطے حکم بھیجا اور ایک خفیف اور معتدل خراج مقرر کر کے اُن کو اپنی زمینوں اور املاک میں زمینوں کے نام سے نہایت پختگی سے آباد کر دیا[۲]۔"

اہل عرب کی درخواستیں شام اور عراق کی زمینیں ضبط کر کے اُن کو دی جانے کی نامنظور کیں[۳]"

اُن کی ناراضی بھی گوارا کر لی مگر صحرائے شام کے کناروں سے لیکر ایران کے سلسلۂ کوہ تک کسی ایک مکڑہ اراضی وغیرہ کی فروخت منع کر دی گئی اسی طرح اصلی مزارعین اور رعایا کے واسطے دو گونہ حفاظت کا انتظام ہو گیا جو کسی صورت میں بھی اپنی زمینوں اور املاک سے خارج نہیں کئے جاتے تھے۔ پس ملک اپنے اصلی کاشتکاروں کے ہاتھ میں رہ کر اور پرورش پاکر سرسبز اور زرخیز اور مستقل خراج کا ذریعہ ہو گیا[۴]۔"

آبپاشی کے کام کو اعلیٰ شائستگی کی دانشمندی سے نہایت سرگرمی سے ترقی دی گئی جو ترقی زراعت کا اصول اور جڑ تھی۔

فتوحات کی وسعت اور فوجکشی کو کئی دفعہ روک کر امن و آبادی اور زراعت کے کام میں مصروف ہونیکا حکم دیا۔ ہرمزان کو جب ایک دفعہ شکست دیکر سردار لشکر عرب نے اُسکا تعاقب کرنے اور سامنے کے ملک پر قبضہ کر لینے کی اجازت چاہی تو حضرت عمر نے اجازت نہ دی۔ اور حکم دیا کہ آبپاشی کے وسائل اور کام کی درستی اور ترقی خوزستان کی قابل زراعت زمینوں کی نوآبادی اور زراعت کرانے میں مصروف ہو[۵]۔" تمام علاقہ میں نہروں کو جال کی طرح پھیلا دیا[۶]۔

[۱] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۳۰ [۲] انلس اوف خلافت صفحہ ۱۹۴ [۳] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۱۹۵
[۴] انلس اوف خلافت صفحہ ۱۹۵ [۵] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۱۲۵ [۶] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۱۳۰۔

اورحضرت عمر کہا کرتے تھے کہ غنیمت سے خراج اچھا ہے[1]"۔ یعنی فتوحات کی جانب توجہ کرنے سے زیادہ ضروری زراعت اور آبادی اراضی میں مصروف ہونا ہے۔

تجارت کی ترقی کے واسطے بھی ایسے ہی آزادانہ اور شایستہ اصول اختیار کیئے گئے غیر ممالک کے باشندوں یعنی اہل حرب یا حربیوں کو اپنے ممالک مفتوحہ میں آنے اور آزادی سے تجارت کرنے کی اجازت دی اور اُنکی حفاظت کے خود ذمہ وار ہوئے مثلاً اہل منبج نے اسی غرض سے درخواست بھیجی تو اُسکو منظور کرکے اجازت دیدی[2]۔

پولیس[3] اور ڈاکخانہ وغیرہ کی ضروریات کا مناسب انتظام کیا۔ سر ولیم میور خالصہ جاگیرات کو بیت المال میں شامل کرنیکی وجہ میں لکھتے ہیں کہ "سڑکوں کے اُس عظیم سلسلہ کی ضروریات اور ڈاکخانہ اور دوسری قسم کی خدمات کا خرچ آمدنی خراج پر تھا[4]۔"

رفاہ عام کے کام بھی نہایت شایستہ اصولوں پر اختیار کیئے گئے۔ کعبہ کے احاطہ کی وسعت زیادہ کردی اور حرم کے نشانوں کی تجدید کی[5]۔ اور بڑے چوک کی تعمیر کی ابتدا کی گئی جو تمام اقوام کی عبادتگاہ ہونے کے لایق ہو[6]۔ جو مکانات احاطہ کعبہ کے بہت قریب تھے اور ساتھ مِل گئے تھے اُنکو معاوضہ دیکر اُٹھوا دیا گیا[7]۔

مکہ سے لے کر مدینہ تک سڑک پر سایہ او پناہ کا انتظام کرایا گیا اور حاجیوں اور مسافروں کے ٹھہرنے کے واسطے مکانات تعمیر کرائے گئے[8]۔ جہاں جہاں کوئیں موجود تھے اور بھر گئے تھے یا بند ہو گئے تھے اُن کو صاف کرایا گیا اور جہاں پانی نہ تھا وہاں کنوئیں کھدوائے گئے اور تمام کنوئیں اور چشمہ قریب کے قبائل کی ذمہ واری میں سپرد کردیئے گئے[10]۔

---

[1] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۴۳ [2] ازالتہ الخفا باب سیاست [3] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۰۔
[4] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۱۹۵ [5] ازالتہ الخفا و انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳ [6] انلس اوف خلافت صفحہ ۱۶۳ [7] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳ [8] ازالتہ الخفا باب سیاست و انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳۔
[9] ازالتہ الخفا باب سیاست [10] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳۔

مسجد نبوی کو زیادہ فراخ کر دیا گیا۔ اور اُس میں فرش بچھانے کا انتظام کیا۔ سڑکیں اور راستہ نکالے گئے اور آمد و رفت کے وسائل کو ترقی دی گئی۔ نئے شہر اور مکانات تعمیر اور آباد کرائے گئے نہریں کھدوائی گئیں۔ دریاؤں پر پلیں بنائی گئیں۔ مسجدیں تعمیر کرائی گئیں۔ ایک ہزار چھتیس شہروں میں جو بقول ایک مورخ کے اپنے توابع اور ملحقات کے فتح ہوئے چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائی گئیں اور نو سو منبر جامع مسجدوں کے محرابوں میں رکھوائے گئے[۵۱]۔

ایک بڑا عظیم الشان کام حضرت عمرؓ کے زمانہ کا بحر احمر اور دریائے نیل کے پانیوں کو ایک بہت بڑی نہر سے ملا دینے کا تھا۔ جس سے مصر اور عرب کی باہمی تجارت میں بہت بڑی ترقی ہو گئی انگریزی مورخ اس کی کیفیت اس طرح پر بیان کرتا ہے کہ "ایک قابل یادگار کام جو عمرو بن العاص نے سکندریہ سے فسطاط کو واپس آ کر شروع کیا اُس سے مصر سے عرب کو غلہ بھیجے جانے کے وسایل نہایت سہل ہو گئے۔ قدیم زمانہ میں جو شمالی مصر میں دریائے نیل اور بحر احمر کے درمیان سویز پر آمد و رفت کا ذریعہ تھا اُسکی تجدید کر دی گئی۔ یہ بڑی نہر دریا کی سب سے مشرقی شاخ سے بلبیس کے قریب سے شروع ہو کر وادی تملات سے گذر کر اور تمسیہ کے قریب کھاری جھیلوں میں سے ہوتی ہوئی نہر سویز کے نچلے حصہ کے پاس بحر احمر سے جا ملی قدیم اور جدید نہر کے مفصل حالات معلوم نہیں ہوئے مگر اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں قاہرہ سے عرب کے کناروں تک جہاز آتے تھے اور دونوں ملکوں کے درمیان باقاعدہ آمد و برآمد قایم ہو گئی تھی خود خلیفہ نے مدینہ کے بندر ینبو پر جا کر اپنی آنکھوں سے جہازوں کو وہ اسباب اُتارتے ہوئے دیکھا جو مصر کے میناروں کے سایہ کے تلے اُن پر لادے گئے تھے۔ یہ نہر اسی برس تک جاری رہی اور پھر ریت اور مٹی سے بھر جانے سے چھوٹ گئی[۵۲]

شمار تاریخ اور سنین کے واسطے حضرت عمرؓ نے اسلامی سنہ ہجرت سے مقرر کیا جو سنہ ہجری کے نام سے اسلام کے ساتھ باقی رہے گا۔

---

۵۱ ازالۃ الخفاء بسند روضۃ الاحباب ۵۲ انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۴۵

اس سے پہلے سالوں کا شمار مختلف طریقوں سے ہوتا تھا اُسمیں باقاعدگی اور صحت پیدا کرنے کے واسطے سنہ ہجری مقرر کیا - ہجرت اگرچہ چوتھی ماہ ربیع الاول کو ہوئی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے محرم کی پہلی تاریخ سے سال کا حساب شروع کیا جو ابتک بدستور رائج ہے -

غرض حضرت عمرؓ نے سلطنت اور خلافت کی بنا ایسے شایستہ اصولوں پر رکھی اور ایسے شایستہ اصول اختیار کئے کہ کوئی مہذب سے مہذب گورنمنٹ بھی اس سے بہتر اصول رکھنے کا فخر نہیں کر سکتی قوانین کا بنانا - فوج کا انتظام - پولیس - اشاعت مذہب کی تدبیریں - ڈاک خانہ - باقاعدہ مالگذاری - انتظام ملک کے محکمہ اور انصاف کی عدالتیں - رعایا کی خبرگیری - ارضی و سماوی آفات - قحط و وبا کا انتظام - یہی چیزیں ہیں جن پر ہر ایک مہذب سلطنت کی بنا ہے -

قانون اور عدالت کا ذکر ہم آیندہ کرینگے - لیکن اس باب کے ختم کرنے سے پہلے ہم اُن ناگہانی آفتوں قحط اور وبا کے انتظام کا ذکر کریں گے جس سے مقابلہ کرنے کے واسطے کسی سلطنت کی تاریخ میں اس سے بہتر نظیر نہیں پائی جاسکتی -

حضرت عمرؓ کی خلافت کا پانچواں سال قحط اور وبا کی دوگونہ آفات کے وبال سے تاریک ہوگیا - اس سال کو سال رمادہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے غالباً اس وجہ سے کہ حجاز کی گرم اور خشک ہوا نے پھٹی ہوئی اور جلی ہوئی زمین کی مٹی اور خاک کو اڑا کر آسمان کو گرد و غبار سے آلودہ کر دیا تھا - جزیرہ نما کے شمالی نصف میں قحط اور خشکی اس شدت سے نمودار ہوئی کہ قدرتی روئیدگی کی سبزی اس طرح جلکر راکھ ہوگئی جیسے اس کے اوپر آگ جلادی جاتی ہے - ریگستان کے وحشی اور جنگلی جانوروں کو بھوک اور ضرورت نے ایسا مجبور اور مانوس کر دیا تھا کہ بیدھڑک انسان کے پاس چارہ تلاش کرنے کو دوڑے آتے تھے - گلے اور ریوڑ جانوروں کے بھوک سے مرگئے یا ایسے دُبلے ہوگئے کہ پوست و استخوان کے سوا اُن میں کچھ نہ رہا جو انسان کی غذا کے کام آتا - بازار خالی اور ویران ہوگئے - لوگ محصور فوج کی تنگی کی آخری نوبتوں پر پہنچ گئے اور تکلیف اور مصیبت کی کوئی حد نہ رہی - قبایل اعراب کے طائفہ مدینہ میں

آکر جمع ہوگئے اور اس مصیبت اور تکلیف کو اور بھی بڑھا دیا[2]

حضرت عمرؓ نے خواب و خورش اپنے پر حرام کر لی اور مسلمانوں کی خبرگیری اور اس مصیبت کو دفع کرنیکے واسطے کمرِ ہمت باندھ لی۔

بیت المال میں جو کچھ کہ تھا یا آتا تھا آخری درہم تک مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور جو لوگ غلہ کو بند رکھنے کا کام کرتے تھے اُن کو اس حرکت سے روک کر غلہ کی فروخت کرائی جاتی تھی۔ آسودہ مسلمانوں کے گھروں کے ساتھ محتاج لوگوں کو شامل کر دیا اور اُن کی خبرگیری کا ذمہ دار ٹھیرایا[3] اور دور و نزدیک کے تمام امیروں اور عمال کو حکم بھیجا کہ غلہ جسقدر ممکن ہو مدینہ کی طرف روانہ کریں اور اُنہوں نے بھی اس مصیبت کے دفع کرنے میں بہت کوشش اور ہمت اور جلدی سے مدد دی۔ کوئی کوشش اس مصیبت کے دور کرنے میں حضرت عمرؓ نے اُٹھا نہ رکھی[4] اور اطراف کے امیروں میں ابو عبیدہ بن جراح شام سے چار ہزار اونٹ غلہ کے لادکر لائے جو محتاجوں اور قحط زدہ لوگوں میں دست بدست تقسیم کر دیئے گئے[5] عمرو بن العاص نے مصر سے خشکی اور تری دونوں کے راستے سے غلہ بھیجا اور عراق سے بھی امداد ہوئی بیشمار جانور ذبح اور حلال کر کے اہل مدینہ اور قحط زدہ مخلوق کو کھلا دیئے گئے حضرت عمرؓ کے ممالک غیر سے غلہ منگوانے اور فراہم کرنے کی کوششوں کی کامیابی اس روایت سے ظاہر ہے کہ چند ہی روز میں مصر اور عرب کا نرخ برابر ہوگیا[6]

جس قدر کہ اپنے وسائل سے اس مصیبت کے دفع کرنیکی کوشش کیجاتی تھی اُس سے زیادہ خداوند کریم سے اس بلا کو دور کرنے کے واسطے دعائیں مانگتے تھے۔ یہاں تک کہ آخر نو ماہ کی تکلیف اور امتحان کے بعد خدا نے بارانِ رحمت سے فضل کیا اور اس مصیبت سے نجات ملی گھاس اور سبزی بہت جلد اُگ آئی اور قبائل اعراب اپنے اپنے گھروں کی طرف رخصت کر دیئے گئے

---

[1] الفاروق دی خلافت صفحہ ۲۳۲ [2] ازالۃ الخفا باب سیاست [3] ازالۃ الخفا باب کلمات [4] الفاروق دی خلافت صفحہ ۲۳۲ [5] الفاروق دی خلافت صفحہ ۲۳۳ [6] ازالۃ الخفا باب سیاست۔

اُس مصیبت سے ایک یہ فائدہ حاصل ہوگیا کہ ممالک شمالی اور عرب کے درمیان مستقل آمد و رفت اور تجارت کُھل گئی اور حجاز کے بازاروں میں زمانہ دراز تک شام اور مصر کا غلہ فروخت ہوتا رہا[1]

حضرت عمرؓ نے جس مصیبت اور تشویش و تردد سے یہ دن کاٹے وہ خلق اللہ کی ہمدردی۔ خبرگیری اور غمخواری کی ایک بےنظیر مثال ہے۔ اُنھوں نے عہد کرلیا تھا کہ جبتک مخلوق خدا کو آسایش اور کشایش نہ حاصل ہوگی گوشت اور گھی اور دودھ نہ استعمال کرونگا[2] چنانچہ ایسا ہی کیا۔ ایکدفعہ اُن کے غلام نے نہایت گراں قیمت کو گھی اور دودھ خریدا حضرت عمرؓ نے اُسکو محتاجوں میں تقسیم کرنیکے واسطے بھیجدیا اور کہا کہ میں کوئی چیز جو بیشکی آ دیگی استعمال نہ کروں گا کیوں کہ پھر مجھے مسلمانوں کی تکلیف اور مصیبت کی خبر نہ رہے گی[3]

زیتون کے ساتھ روٹی کھاتے تھے۔ ایکدن جب اُن کا کھانا سامنے آیا تو ایک اونٹ کے گوشت میں سے جو اُس روز ذبح کیا گیا تھا اچھا گوشت چھانٹ کر اُن کے واسطے پکا کر ایک پیالہ میں لایا گیا مگر اُنھوں نے اُس کے کھانے سے انکار کیا اور کھانا منگوایا اور اُس گوشت کو اپنے یرفا غلام کو کہا کہ فلاں گھر میں جو تمتع میں جا کر دے آئے میں وہاں نہیں گیا اور وہ بھوکے ہوں گے[4]

اپنے بیٹے پر ایک دن کھیرا کھانے پر ناراض ہوئے اور گھوڑے کی سواری تک ترک کردی۔ قبائل اعراب کے اکٹھا ہوجانے سے ایک مدینہ کے کئی مدینہ بن گئے۔ حضرت عمرؓ کا معمول ہوگیا کہ دن اور رات گھر گھر اور کوچہ کوچہ اور اعراب کی جماعتوں میں غلہ اور کھانا تقسیم کرتے ہوئے پھرتے اور اپنی اِن تکلیفوں کو راحت سمجھتے۔ بے شمار واقعات اُن کی خداترسی۔ مخلوق کی محبت اور ہمدردی۔ رعایا کی خبرگیری اور غمخواری۔ اور اپنے فرائض کو ایک ایسے عجیب و غریب طریقہ میں ادا کرنے کے بیان کئے گئے ہیں اور کتب سیر و تواریخ کے بہت سے صفحوں کا

---

[1] انلس اوف دی خلافتہ صفحہ ۲۳ [2] ازالۃ الخفا باب سیاست و انلس اوف دی خلافتہ صفحہ ۲۳۲ [3] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۲۔ [4] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک۔ ذم الدنیا۔

دلچسپ مضمون ہیں مگر ہم ایک دو روایتوں پر اکتفا کریں گے۔ غالباً انہیں دنوں میں رات کو پھرتے ہوئے ایک گھر میں پہونچے جہاں سے بچوں کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ دیکھا کہ ایک عورت چولھے پر ہنڈیا رکھے ہوئے بیٹھی اس کے نیچے آگ جلا رہی ہے اور بچے اُس کے گرد درد رہے ہیں۔ حضرت عمر نے دروازے کے قریب ہوکر پوچھا کہ یہ بچہ کیوں روتے ہیں اُسنے جواب دیا بھوک سے تو کہنے لگے کہ یہ ہنڈیا آگ پر کیسی رکھی ہوئی ہے اُسنے کہا کہ بچوں کے بہلانے کے واسطے اس میں پانی ڈال کر رکھ چھوڑا ہے کہ اس کو دیکھتے دیکھتے سو جائیں گے یہ سُنکر حضرت عمر کے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے بیٹھ گئے۔ پھر اُٹھ کر بیت المال کی طرف بھاگے اور ایک بوری کو اُس میں آٹا۔ اور گھی اور چربی۔ خشک کھجوریں اور کچھ کپڑے اور درہم ڈالکر بھر لیا اور اسلم اپنے غلام کو کہا کہ یہ مجھے اُٹھوا دے۔ اسلم نے کہا یا امیر المومنین میں جو ساتھ ہوں میں اُٹھاؤں گا حضرت عمر نے کہا کہ خدا کے سامنے اسکا میں جوابدہ ہوں میں ہی اُٹھاؤں گا۔ اسلم نے وہ بوجھا اُٹھوا دیا اور اُس کو لے کر اُس عورت کے گھر پہونچے خود ہی اُس کی ہنڈیا میں کھانا چڑھایا اور بیٹھ کر آگ جلا کر پکایا۔ اسلم کہتا ہے کہ آگ کو پھونکنے میں اُن کی ریش دراز سے دھواں نکل رہا تھا۔ جب کھانا پک گیا تو اُن بچوں کو کھلا کر اور باقی غلہ وغیرہ اُن کو دے کر وہاں سے چلے آئے [1]

ابو ہریرہ کہا کرتے تھے کہ فاروق کی قبر پر خدا کی رحمت نازل ہو کہ سال رمادہ میں میں نے اُن کو دیکھا کہ ایک چرمی تھیلہ طعام سے بھرا ہوا اپنی پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔ ہاتھ میں ایک برتن ہے جس میں زیتون ہے۔ اسلم بھی اُٹھانے میں اُن کے ساتھ شریک ہے میں بھی اُن کے ساتھ ہولیا یہاں تک کہ ہم چشمہ صرار پر پہونچے میں نے دیکھا کہ بنی محارب کے بیس خانہ بدوش وہاں اُترے ہیں۔ اُن کے آنے کا سبب پوچھا اُنھوں نے اپنی بھوک اور محتاجی بیان کی اُسوقت بوجھ کو اُتار کر زمین پر رکھا اور اُن کے

---

[1] ازالتہ الخفا باب تصرف و سلوک ذم الدنیا۔

واسطے روٹی پکانے میں مصروف ہوگئے اور پکا کر کھلا دی اور لباس اور طعام کے کچھ اونٹ منگوا کر اُن میں تقسیم کر دیئے۔[۱]

یہ سلوک اُن کا رعایا اور غیر رعایا سب کے ساتھ برابر تھا دور و دراز سے لوگ مزدوری اور تلاش معاش میں آتے تھے اُن کو کھانا اور کپڑا دیا جاتا تھا اور قحط کے رفع ہونے تک جبتک لوگ وہاں ٹھہرے رہے اُنکی ہمیشہ خبر گیری کرتے اور اُن میں پھر کر اُن کی حاجتوں کو رفع کر دیتے تھے۔[۲] غرض نہایت جانفشانی اور مصائب برداری سے اپنی ذات پر تمام تکلیفیں گوارا کر کے لوگوں کی تکالیف کو رفع کرتے رہے۔ زیتون اور روٹی کے مدت تک کھانے اور دودھ گھی کے چھوڑ دینے سے حضرت عمر کا چہرہ کی قدرتی تروتازگی اور روشن اور صاف رنگ زردی اور سیاہی سے مبتدل ہوگیا اور لاغر اور دُبلے ہوگئے۔[۳]

قحط کے بعد ۱۸ھ ہجری میں اُس سے بھی بُری آفت وبا کی نمودار ہوئی۔ یہ وبا شام میں پیدا ہوئی اور حمص اور دمشق وغیرہ مقامات میں جو اہل عرب کے صدر مقام تھے عربوں کی عزیز جانیں اِس آفت ناگہانی کا شکار ہوگئیں۔ اور مُلک میں ویرانی اور تباہی پڑگئی۔ شام سے گذر کر پھرا سے گذرتے ہوئے یہی وبا عراق میں پہونچی اور بصرے تک اپنے مہلک پنجوں سے شکار کر لیا۔ تمام طرف موت اور مصیبت گونج رہی تھی اُس کے بے رحم حملوں کے سامنے چھوٹے اور بڑے خاص اور عام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ حضرت عمر نے ابوعبیدہ کو مدینہ بُلا بھیجا۔ مگر اُنھوں نے مسلمانوں کو اِس مصیبت میں چھوڑ کر خود جان بچا کر چلا آنا منظور نہ کیا ابوعبیدہ کا خط پڑھ کر حضرت عمر کو نہایت رنج ہوا اور آخر کار خود شام میں جانے اور لوگوں کی مصیبت میں شریک ہونے اور اُس کا سبب معلوم کرنے اور اُس کے دفعیہ کی کوشش کرنے کا ارادہ کیا اور مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حوالی تبوک پر مقام ینبوع پر ٹھہرے۔ جہاں اصحاب اور

---

[۱] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت [۲] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک ذم الدنیا۔ [۳] انلس (؟) اوف دی خلافت صفحہ ۲۲۳ و ازالۃ الخفا۔

دوسرے خاص لوگ آگے سے آن ملے اور نہایت اصرار سے یہ صلاح دی کہ امیر المومنین وہاں سے لوٹ جائیں حضرت عمرؓ نے آخر اس صلاح کو مان لیا اور مدینہ کو واپس چلے آئے یہی وہ موقع ہے کہ جب بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ آپ خدا کے حکم سے بھاگتے ہیں اور اُنہوں نے جواب دیا تھا کہ ہاں خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتا ہوں۔

حضرت عمرؓ گو خود چلے آئے مگر کیفیت دریافت کرکے ابوعبیدہ کو حکم دے آئے کہ وبائی شہروں سے تمام لوگوں سمیت اُٹھکر صحرا کے بلند اور مرتفع مقامات پر چلے جائیں ابوعبیدہ اس حکم کے مطابق لوگوں کو لیکر حوران کی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے ابوعبیدہ کا راستہ ہی میں وبا سے انتقال ہوگیا مگر حوران میں پہونچکر وبا جاتی رہی۔ اس وبا سے جو نقصان ہوا وہ پچیس ہزار جانوں تک بیان کیا جاتا ہے[۵۱] مدینہ کے گھروں پر تباہی پھر گئی اور بہت سے مشہور اور معروف اور نامی اصحاب واشخاص نے دار فانی سے انتقال کیا۔

حضرت عمرؓ گو سفر شام سے روک دیئے گئے تھے مگر جو قلق اُن کو اس بلائے بے درمان کے پیدا ہونے اور عظیم نقصان کرنے سے ہو رہا تھا اُس نے اُن کو باز نہ رہنے دیا اور آخر سنہ ۱۸ہجری میں شام کا سفر کیا اور ملک کا انتظام کیا اور متوفی اشخاص کے ترکوں کی بابت جو جھگڑے تھے اُن کا فیصلہ کیا اس سفر کی زیادہ کیفیت ہم آئندہ باب میں لکھیں گے۔

بعض مورخ حضرت عمرؓ کے خاص خاص کاموں کو جن کو سب سے پہلے اُنہوں نے ہی رواج دیا۔ اُنکی اولیات کے نام سے شمار کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ پہلے ہیں جنہوں نے امیر المومنین لقب اختیار کیا۔ اور پہلے ہیں جنہوں نے سنہ ہجری مقرر کیا اور بیت المال و دیوان مقرر کیا۔ غرض اُنکے بہت سے کام اولیات کے نام سے شمار کرتے ہیں۔ لیکن سچ پوچھو تو اُن کے تمام انتظامی کام اُن کے اولیات ہیں کن کن کو شمار کیا جائے ۔

---

[۵۱] طبری پانچ ہزار اور انگریزی مورخ پچیس ہزار لکھتا ہے۔

# چھٹا باب

## ذاتی فرائض اور اُن کی بجا آوری

ان تمام حالات اور واقعات سے جو بیان ہوئے ہیں اور ہوں گے صاف ظاہر ہے کہ خلافت کا ہر ایک امر حضرت عمر کی ذات ہی سے متعلق تھا اور جس طرح پر وہ اپنے فرائض کو بجا لاتے تھے انسان کے واسطے سبق حاصل کرنیکے لئے وہ سب سے عمدہ نظائر ہیں لیکن اس باب میں ہم اُنکے خاص ذاتی فرائض کے نام سے بعض واقعات اور امور کا ذکر کریں گے۔

سب سے بڑا اصول جس پر کہ اُن کے کاروبار کی بنا تھی اور جس کے کہ ہر وقت اور ہر حال میں پابند رہتے تھے وہ ہر ایک چھوٹے بڑے امر میں اصحاب سے مشورہ لینا تھا۔ بلا اصلاح اور مشورہ کوئی کام نہیں کرتے تھے اور شاورھم فی الامر کے ایسے ہی پابند تھے جیسا کہ ہونا چاہئے تھا۔

"ہر ایک جمعہ کو نماز سے فارغ ہو کر امیر المومنین تمام اہم تقررات اور ہفتہ بھر کے واقعات جماعت کے روبرو بیان کر دیتے تھے اور یہی واقعات اور امور اور فیصلے عاملوں اور صوبوں کے امیروں کے پاس تحریری بھیجے جاتے تھے وہ خود اُن کو بطور نظیر سمجھ کر ان پر عمل کرتے تھے اور لشکر اور عامۃ المسلمین کے درمیان اُن کو اعلان اور مشتہر کر دیتے تھے کوئی شخص شہری یا لشکری امور ملک سے ناواقف نہیں رہتا تھا اور کوئی شخص عوام الناس کی جماعت سے خارج نہیں سمجھا جاتا تھا"[1]

یہ وہ اصول ہیں جنہوں نے اُن کی خلافت کو جمہوری سلطنت اور دنیا کی بہترین

---

[1] سپرٹ آف اسلام صفحہ ۲۱۴۔

گورنمنٹ کہلاتا ہے۔

فوج اور لشکر کے انتظام اور اس کی خبر گیری اور نگرانی کے حالات بیان ہو چکے ہیں۔ اہل عرب کی طرف آپ ہمیشہ ضروری ہدایتیں جاری کیا کرتے تھے کہ مثلاً اپنی اولاد کو تیرنا۔ اور تیر چلانا اور سواری کرنا اور مصیبتوں میں متحمل ہونا اور تکالیف کا عادی ہونا سکھاؤ نیک اور مشہور مثلیں انکے سامنے بیان کرو۔ نیک اشعار سکھاؤ۔ جبتک عربوں کی کمان میں تیر رہیگا اور وہ گھوڑوں کی پیٹھ پر ہوں گے عزیز رہیں گے۔ گھوڑوں کو سدھاؤ اور اُن کو کام کرنے کے لایق اور دبلے رکھو[ل۵]

سرداران لشکر اور افواج کو سخت تاکید کیا کرتے تھے کہ اپنے آپکو خطرے میں نہ ڈالیں اپنی فوج کی جانوں کو عزیز سمجھیں۔ احتیاط اور دور اندیشی سے کام کریں اسی سبب سے خالد سے ناراض ہوا کرتے تھے کہ وہ لڑائی میں بے احتیاط اور بیدھڑک تھا۔ آخری دفعہ جب خالد سے ناراض ہوے تو اسکا ایک یہ بھی سبب تھا کہ شام کے غدر کے وقت وہ ابوعبیدہ کو احتیاط چھوڑنے اور حمص سے باہر نکلکر دشمن سے لڑنے کی راے دیتا تھا۔

غرض خطرے میں پڑنے اور کوئی ایسا کام اختیار کرنے سے جسمیں خطرہ کا اندیشہ ہو بہت بچتے تھے اور جو کام ایکدفعہ خطرناک اور مضر ثابت ہوں دوبارہ اُن کو نہونے دیتے تھے چنانچہ ۱۹ سنہ ہجری میں اُنھوں نے ایک دفعہ جنگی جہاز تیار کرواکر بحر احمر میں ابی سینیا کی طرف ایک فوج اس غرض سے روانہ کی کہ مسلمانوں پر جو حملہ ساحل پر ابی سینیا کے کناروں پر ہوتے تھے اُن کو روک دیا جاے۔ جہاز شکستہ ہو گئے اور مہم میں بہت ناکامی اور نقصان ہوا اور حضرت عمرؓ نے عہد کر لیا کہ ایسا خطرناک کام دوبارہ نہ کریں گے۔

کسی ایک لڑائی کے فتح ہونے کے بعد فوج کو مہینوں اور بعض وقت سالوں تک باوجود اُن کے اصرار کے آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے عموماً اُن کی

[ل۵] ازالۃ الخفا باب کلمات۔

لڑائیاں حملوں کے روکنے اور دشمن کو دفع کرنے کے واسطے ہوتی تھیں۔ لڑائی سے صلح کو زیادہ پسند کرتے تھے اور ایک بڑی احتیاط یہ کرتے تھے کہ جب ایک ملک میں لڑائی ہوتی تھی تو دوسرے ملک میں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے تاکہ ایک ہی وقت میں لڑائیوں میں مصروف ہو کر ایک دوسرے کی امداد کے ناقابل نہ ہو جائیں۔ اسی قسم کی احتیاطوں اور نگرانی کا نتیجہ وہ عظیم الشان کام ہا بی تھی سپاہیوں کی درستئ اخلاق کے لحاظ سے یہ حکم دیا تھا کہ چار ماہ سے زیادہ کسی سپاہی کو لشکر میں رہنے کو مجبور نہ کیا جائے اگر وہ گھر آنے کی رخصت چاہے تو اجازت دیدی جائے۔

اُن کا ایک ممتاز اور مستقل اصول جو مسلمانوں کو عموماً اور اہل لشکر کو خصوصاً اپنی قدیم سادگی اور اسلامی ابتدائی سادہ دستورات معاشرت اور طرز زندگی قایم رکھنے کا تھا اُسکی نہایت عجیب و غریب اور دلچسپ طریقہ میں نگرانی کرتے تھے اور اپنے ضروری اور اہم فرائض میں اُس کو شمار کرتے تھے وہ خوب جانتے تھے کہ جو عظیم الشان سلطنتیں ایک مُردہ جسم کی طرح اُنکو ملی ہیں وہ عیش و عشرت کے زہریلے سانپ کی کاٹی ہوئی ہیں اور یہی زہر قاتل اگر مسلمانوں میں اثر کر گیا تو وہ رفتہ رفتہ خون مردانگی اُنکے جسم سے نچوڑے گا اور ایسے ہی مُردے رہ جائیں گے اِسی اصول کے مطابق سب سے اوّل تو اپنی زندگی عجیب و غریب سادگی سے بسر کرتے تھے جس کے حالات آیندہ بیان ہوں گے اور اُس کے بعد اپنے عمال اور عہدہ داروں کو سخت تاکید اِس امر کی کرتے تھے اور اِس کی خلاف ورزی کو اتنا بڑا جرم سمجھتے تھے کہ اُن کو امیری اور عمالی سے معزول اور برطرف کر دیتے تھے جیسا کہ بعض امیروں اور عمال کے حالات سے جو ہم لکھیں گے معلوم ہوگا۔ عام طور پر بھی لوگوں کو ایسی غلطی کرنے پر نہایت متنبہ کرتے تھے اور اُن کی حقارت کرتے تھے۔ اِس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے صرف ایک واقعہ بطور مثال کے ہم بیان کریں گے اور باقی بخوف طوالت چھوڑ دیں گے۔ گو بعض اور حالات سے اُنکی اِس اصول کی پیروی واضح طور پر معلوم ہوگی۔

احنف بن قیس بیان کرتا ہے کہ فتوحات عراق اور ایران کے زمانہ میں ہم کو عُمدہ اور سفید پوشاکیں بھی دستیاب ہوئیں۔ جب ہم مدینہ کو آئے تو ہم اُنھیں پہن کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہماری طرف دیکھ کر مُنہ پھیر لیا اور ہم سے ملنا اور گفت و گو کرنا پسند نہ کیا۔ ہم کو یہ بُرا معلوم ہوا اور عبداللہ بن عمرؓ سے ہم نے شکایت کی اُنھوں نے کہا کہ اس کا سبب یہ تمھارا لباس ہے جسکو وہ پسند نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے گھر آکر اُس لباس کو اُتار ڈالا اور معمولی کپڑے پہن کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ ہم کو دیکھ کر حضرت عمرؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہم میں سے ہر ایک آدمی پر سلام کیا اور ہم کو گلے سے لگایا گویا اس سے پہلے اُنھوں نے ہم کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ جب ہم نے مال غنیمت اُن کے سامنے پیش کیا تو اُس کے تقسیم کرنے میں اُس میں سے ایک قسم کی لذیذ اور خوشبودار مٹھائی نکلی۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو چکھا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ "اے مہاجرین اور انصار کی جماعت۔ یہ وہ طعام ہے جو بیٹے سے باپ کو اور بھائی سے بھائی کو قتل کرائیگا"۔

وہ مٹھائی کسیکو نہ دی اور آخر ایسے مسلمانوں کے بچوں میں تقسیم کرادی جو مہاجرین اور انصار میں سے آنحضرت صلعم کے سامنے شہید ہوئے تھے[1]۔

سرداران لشکر اور عمال کو اس اصول کی پابندی کی ہمیشہ تاکید کرتے رہتے تھے چنانچہ ابوعثمان نہدی بیان کرتا ہے کہ جب ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذربیجان میں تھے تو حضرت عمرؓ کا نامہ اس مضمون کا پُہنچا کہ سب لوگ تہبند باندھیں چادر اوڑھیں اور جوتے پہنیں۔ اپنے باپ اسمٰعیل کے لباس کو ضروری سمجھیں۔ عیش و عشرت اور عجمیوں کے لباس سے بچیں۔ دھوپ برداشت کرنے کے عادی رہیں۔ کیونکہ یہی عرب کا حمام ہے۔ سختی اُٹھانے اور سخت اور موٹے کپڑے پہننے ضروری سمجھیں۔ کپڑے کو پُرانا ہونے تک پہنیں۔ گھوڑے پر جست کرکے سوار ہونے اور نشانہ بازی کرنے کی مشق کرتے رہیں[2]۔

---

[1] ازالۃ الخفا تصرف و سلوک [2] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

حضرت عمر اپنے اس خیال کو صرف مسلمانوں اور عربوں کی نسبت ہی پورا نہیں کرتے تھے بلکہ غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں کو بھی شاندار لباس پہنے دیکھنا اور اُن سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے سر ولیم میور کے الفاظ میں ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ پہونچا تو اُسکو حضرت عمر کے سامنے پیش کرنے کے واسطے لیکر چلے۔ حضرت عمر کوفہ کی سفارت سے ملاقات کر کے جس میں اُنہوں نے صوبہ کے بہت سے انتظامی کام کو انجام دیا تھا تھکن سے بڑی مسجد میں اُسی طرح دُرّہ ہاتھ میں لئے ہوئے فرش پر پڑ کر سو گئے تھے ہرمزان جب صحن مسجد میں پہونچا تو ہرمزان نے پوچھا کہ خلیفہ کہاں ہیں اور اُن کے محافظ اور پہرہ دار کہاں ہیں۔ درحقیقت کسرائے ایران کے عالیشان محلوں کے مقابلہ میں جن کے دیکھنے کا وہ عادی تھا اس قوی تر خلیفہ کے گرد وپیش کے سادہ سامان کو دیکھنا ایک عجیب نظارہ تھا۔ حضرت عمر آواز سے چونک اُٹھے اور معلوم کر کے کہ یہ اجنبی کون شخص ہے فرمانے لگے کہ حمد ہے اُس خدا کے لئے جس نے تجھے اور تیرے حبیبوں کو مغلوب کیا ہے۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ اُس کا یہ شاندار لباس اُتروا کر موٹے کپڑے پہنا کر اُنکے سامنے لایا جائے۔ تب اُسی طرح درہ ہاتھ میں لئے ہوئے اُنہوں نے اُس کو اُس کی متواتر عہد شکنی پر ملامت کی۔ ہرمزان نے پانی مانگا۔ حضرت عمر نے پانی پلانے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ پانی پینے سے پہلے کوئی بے خبر مجھ کو مار ڈالے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ پانی پینے تک تیری جان سلامت رہے گی۔ ہرمزان نے یہ عہد لے کر پانی پیالہ سے گرا دیا اور کہا کہ میں تو اس طرح اپنی جان بچانا چاہتا تھا حضرت عمر نے فرمایا کہ تیرا یہ دھوکا نہ چلے گا۔ مسلمان ہونا یا زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوا اور وظیفہ پاکر بڑی حرمت کے ساتھ مدینہ میں رہا[۱]

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی اُن کے اپنے ذمہ تھی۔ اور عجیب وغریب طریقہ سے اپنے اس فرض کو بجا لاتے تھے ایک دن احنف بن قیس شرفاء عرب کی ایک جماعت کے ساتھ عراق سے

[۱] انلس آوف خلافت صفحہ ۲۵۳۔

حضرت عمرؓ کے پاس آیا کیا دیکھتا ہے کہ آپ ایک چادر کمر سے باندھے ہوئے بیت المال کے ایک گم شدہ اونٹ کی تلاش میں دوڑے جاتے ہیں نہایت گرمی کا وقت تھا۔ جب احنف کو دیکھا تو کہا آؤ تھوڑی دیر تک اونٹ تلاش کریں کیوں کہ اُس میں بیواؤں اور یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے۔ ایک آدمی اُن میں سے کہنے لگا کہ اے امیر المومنین آپ بیت المال کے نوکروں کو اونٹ تلاش کرنے کا حکم کیوں نہیں دیتے۔ کہنے لگے کہ مجھ سے اور احنف سے کونسا غلام اچھا کام کرے گا جو شخص مسلمانوں کا والی ہو اُسکے ذمہ وہی فرائض ہوتے ہیں جو ایک مالک کے اپنے نوکر کے ذمہ ہوتے ہیں [1]

ابی بکر انسی بیان کرتا ہے کہ ایک دن میں حضرت عمرؓ۔ عثمانؓ اور علیؓ کے ساتھ بیت المال میں گیا حضرت عثمانؓ سایہ میں بیٹھ گئے اور حضرت علیؓ اُن کے پاس کھڑے ہو گئے حضرت عمرؓ صدقہ کے اونٹوں کے رنگ اور دانت دیکھ کر بتاتے تھے اور حضرت عثمانؓ لکھتے جاتے تھے سخت گرمی کا دن تھا حضرت عمرؓ دھوپ میں کھڑے ہوئے تھے دو کالی چادریں اُنکے اوپر تھیں ایک کمر میں باندھی ہوئی تھی اور دوسری سے سر لپٹا ہوا تھا حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو اس حال میں دیکھ کر قرآن مجید کی شعیب کی بیٹی کا قول استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین پڑھا اور حضرت عثمانؓ سے حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ہم میں یہ "قوی امین" ہیں۔

حضرت عثمانؓ کا ایک غلام بیان کرتا ہے کہ ایک گرمی کے دن میں میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ اُن کے ایک بالاخانہ میں مال وغیرہ کے سنوارنے کا کام کر رہا تھا۔ دفعتہً ایک آدمی پر نظر جا پڑی جو دو شتر بچے ہانکے ہوئے لئے جا رہا ہے زمین ایسی تپی ہوئی تھی کہ آدمی پیرواؤں کی طرح آگ میں چلے جاتے تھے حضرت عثمانؓ نے دیکھ کر کہا کہ یہ کون شخص ہے اور اُس کو کیا ہوا ہے کہ ایسی شدت حرارت میں جا رہا ہے ٹھنڈا ہونے تک یہ شہر میں کیوں نہ ٹھہر گیا۔ حضرت عمرؓ ایک چادر سر سے باندھے ہوئے تھے دور سے پہچانے نہیں گئے۔ جب قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہیں

[1] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت

اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ یہ تو امیر المومنین جا رہے ہیں۔ حضرت عثمان نے کھڑکی سے منہ باہر نکالا مگر لو کی گرمی سے پھر اندر کر لیا۔ جب حضرت عمرؓ برابر میں آئے تو اُنسے پوچھنے لگے کہ ایسے وقت میں آپ کیوں گھر سے نکلے ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ صدقہ کے اونٹ چرنے کو چلے گئے تھے اور دو شتر بچے پیچھے رہ گئے تھے میں نے ارادہ کیا کہ اُن کو چراگاہ میں چھوڑ آؤں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ آپ سایہ میں ٹھہریں ہم آپ کا کام کر دیں گے مگر وہ یہ جواب دے کر "آپ یہیں رہیں" نکل گئے۔ حضرت عثمان بولے کہ جس نے "قوی امین" کو دیکھنا ہو وہ ان کو دیکھے[1] اپنے ہاتھ سے بیت المال کے اونٹوں کو تیل ملتے تھے ایک دن ایک شخص نے کہا کہ اپنے ہاتھ سے یہ کام کیوں کرتے ہو تو کہنے لگے کہ خدا نے مجھے اِن کا نگہبان کیا ہے اور مجھ سے ہی اسکا سوال ہوگا[2]۔ حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ اُنہوں نے ایکدن حضرت عمرؓ کو ایک اونٹ کا پالان اُٹھائے ہوئے ابطح کیطرف جاتے دیکھا اور پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ الگ ہو گیا ہے اُسکی تلاش میں جاتا ہوں[3]

بیت المال کی حفاظت اور تقسیم میں اپنے اہل و عیال کے کسی ناروا رعایت کے روادار ہونیکی نہایت احتیاط کرتے تھے بحرین سے ایک دفعہ مشک آئی تو کہنے لگے کہ کسی عورت سے اسکو وزن کرانا چاہئے اُن کی بیوی عاتکہ نے کہا کہ میں وزن کر دیتی ہوں۔ مگر اس خیال سے انہوں نے منانا کہ اس کے کپڑوں میں کچھ لگی رہ جائیگی[4]

شام سے ایک دفعہ جب زیتون آیا پیالہ سے اسکو تقسیم کیا۔ جب تقسیم ہو چکا تو پیالہ میں جو کسی قدر تیل رہ گیا وہ اُن کے ایک بیٹے نے پونچھ کر اپنے سر کے بالوں کو مل لیا۔ حضرت عمرؓ نے جو دیکھا تو بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ تیرے بال مسلمانوں کے مال کی طرف بہت رغبت کرنے والے ہیں اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے حجام کے پاس لے گئے اور اُسکے سر کے بال منڈوا ڈالے[5]

---

[1] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت [2] طبری صفحہ ۵۱۲ - [3-4-5] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت

ایکدن اُن کی ایک لڑکی نے جو بیت المال میں کھیل رہی تھی ایک درہم لے کر منہ میں ڈال لیا۔ حضرت عمر کو جو معلوم ہوا تو اُٹھ کر بھاگے۔ چادر بھی کندھے پر سے گر گئی۔ لڑکی روتی ہوئی گھر چلی گئی تھی۔ وہاں پہونچ کر اُس کے منہ سے نکال لائے[۱] اور کہنے لگے کہ عمر اور عمر کی اولاد کا اتنا حق نہیں ہے جتنا اور مسلمانوں کا ہے۔ اسی طرح ایک دن ابوموسی نے بیت المال کو صاف کرتے ہوئے ایک درہم پایا اور وہ حضرت عمر کے ایک چھوٹے لڑکے کے ہاتھ میں کھیلنے کو دے دیا۔ حضرت عمر کو جب معلوم ہوا تو ابوموسی کو بھی ملامت کی اور درہم لوٹا دیا[۲]

حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ نے چراگاہ میں اونٹ چرائے اُنسے محصول میں نصف لے لیا[۳] غرض ایسے عجیب طریقہ سے اپنی حفاظت اور نگرانی کے فرائض کو ادا کرتے تھے۔

مدینہ میں تو وہ امیر اور حاکم اور قاضی امام اور کوتوال چوکیدار اور سپاہی اور پیادہ اور چٹھی رسان وغیرہ ہر ایک کا کام قریبًا وہ خود ہی کرتے تھے۔ سعید بن مسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی حفاظت اور خبرگیری کی یہاں تک نوبت تھی کہ آپ خود اُن عورتوں کے پاس چلے جاتے تھے جن کے خاوند لشکروں میں گئے ہوئے تھے۔ اُن کے دروازے پر جا کر سلام کہتے اور پوچھتے کہ تم کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو منگوالو۔ میں خود بازار سے خرید دوں۔ تم خرید و فروخت میں دھوکا کھاتی ہوگی۔ اُن کی ضرورت کی چیزیں معلوم کر کے اور اُن کے لونڈی غلاموں کو ساتھ لے کر بازار کی طرف چلے جاتے تھے۔ بازار میں جب پہونچتے تو لوگوں کی لونڈیوں اور غلاموں کا ایک لشکر اُن کے پیچھے ہوتا اور سب کو اُن کی ضروریات کی چیزیں خرید کر دیتے جو بسبب محتاجی کے خود نہیں خرید کر سکتے تھے اُنکو اپنے پاس سے خرید کر دیتے۔

[۱و۲و۳] ازالۃ الخفا حکایات گشت۔

لشکروں سے جب قاصد چٹھیاں اور خطوط لے کر آتے تھے تو خود بنفس جا کر اُنکے گھروں میں خطوط پہونچا آتے تھے اور کہتے کہ تمہارے خاوند خدا کی راہ میں کام کر رہے ہیں اور تم رسول اللہ صلعم کے شہر میں ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی خط پڑھنے والا ہو تو بہتر ورنہ دروازہ کے قریب آجاؤ میں پڑھ کر سُنا دوں گا۔ چلتے وقت یہ بھی بتا آتے کہ فلاں روز قاصد مدینہ سے روانہ ہوگا۔ اگر خط دینا ہو تو لکھ رکھنا اُس روز پھر اُن گھروں میں جاتے۔ قلم دوات اور کاغذ ساتھ لیجاتے جنے خط لکھوا رکھا ہوتا اُس سے لے لیتے اور جو نہ لکھوا سکے ہوتے اُن کو خط لکھ دیتے اور سب جمع کر کے روانہ کر دیتے[1]

حضرت عمر ایک مدت تک خود کوتوال اور چوکیدار کا کام بھی کرتے رہے دن کو اور رات کو شہر میں اور رعیت کے درمیان گھومتے تھے اور نگرانی حفاظت اور خبر گیری کرتے تھے اور اُس کا کما حقہ انتظام کرنے کے واسطے امتحان کرتے تھے۔

مثلاً ایک رات گشت کرتے ہوئے ایک اعرابی کے پاس سے گذرے جو اپنے خیمہ کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے پاس اُس کا حال پوچھنے کے واسطے بیٹھ گئے کہ وہ شہر کی طرف کس ضرورت سے آیا ہے۔ اسی اثنا میں خیمہ میں سے رونے کی آواز سُنی تو پوچھا کہ یہ کون روتا ہے اُس نے جواب دیا کہ تمہارے پوچھنے کی کوئی بات نہیں۔ میری عورت کو درد زہ ہو رہا ہے حضرت عمر اُسکا یہ جواب سُنکر سیدھے اپنے گھر کو آئے اور اپنی بیوی ام کلثوم سے کہا کہ کپڑے پہن کر میرے ساتھ چلو اور اُنھیں ساتھ لے کر اُس اعرابی کے پاس گئے اور اُس سے اجازت لیکر ام کلثوم کو خیمہ کے اندر بھیجا۔ کچھ عرصہ کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمر سے کہا کہ یا امیر المومنین اپنے صاحب کو لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری دیجئے وہ اعرابی امیر المومنین کا نام سُنکر چونکا اور سامنے آکر معذرت کرنے لگا حضرت عمر نے کہا کچھ مضایقہ نہیں تو صبح میرے پاس آنا وہاں سے گھر چلے آئے اور صبح وہ شخص حاضر ہوا اور اُس کے لڑکے کا وظیفہ مقرر ہو گیا[2]

---

[1] ازالۃ الخفا حکایات سیاست [2] ازالۃ الخفا حکایات گشت۔

عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ ایکرات فاروق اعظم میرے گھر میں آئے۔ میں نے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں نہ بلا بھیجا تو فرمانے لگے مجھے خبر ملی ہے کہ اسوقت ایک قافلہ آ کر مدینہ کے باہر اترا ہے اور قافلہ والے لوگ سفر کی تکان سے بیہوش سو رہے ہیں چلو ہم چلکے انکی حفاظت کریں۔ چنانچہ ہم جا کر ایک ٹیلہ پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور صبح تک جاگتے رہے۔[۵]

اس شبانہ گشت سے بعض اوقات نہایت نتیجہ خیز باتیں پیدا ہوتی تھیں مثلاً جب ایک دفعہ اسی طرح ایک قافلہ کی حفاظت کرنے کے واسطے گئے تو ایک عورت کے بچے کا دودھ چھڑانے کی کوشش کرتے میں بچہ کو روتا دیکھ کر اور اسکا سبب معلوم کر کے بچوں کے دودھ چھڑانے پر وظائف مقرر ہونیکی قید اٹھا دی۔

اسی طرح ایک رات مدینہ میں پھر رہے تھے کہ ایک مکان سے ایک عورت کی آواز آئی جو یہ اشعار پڑھ رہی تھی:۔

| | |
|---|---|
| تطاول ھذا اللیل تسری کواکبہ | آج کی رات لمبی ہو گئی اور ستارے گھوم رہے ہیں۔ |
| وارقنی ان لا ضجیع الاعبہ | اور میں جاگ رہی ہوں کہ میرے پاس میرا ہمخواب نہیں جس سے میں کھیلوں۔ |
| فواللہ لولا تخشی عواقبہ | خدا کی قسم اگر اسکی عاقبت کا خدا سے خوف نہ ہوتا |
| لزعزع من ھذا السریر جوانبہ | تو اس چارپائی کی طرفین ہلا چولیں ہل رہی ہوتیں۔ |
| مخافۃ ربی والحیاء یصدنی | اپنے رب کا خوف اور حیا مجھے روکتا ہے۔ |
| واکرم بعلی ان تنال مراتبہ | اور اپنے خاوند کی تعظیم کرتی ہوں کہ اسکی جگہ کوئی اور ہو۔ |

حضرت عمر کے دل میں یہ بات کھٹک گئی اور تحقیق کیا کہ ایک عورت مرد سے کبتک علیحدہ رہ سکتی ہے آخر چار مہینہ حد مقرر کی اور سرداران لشکر کو لکھا کہ کسی آدمی کو چار ماہ سے زیادہ بند رکھیں اور اگر اجازت مانگے تو اجازت دیں۔

---

[۵] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت۔

اِس قسم کے واقعات رات کو گشت کرنے اور لوگوں کے حالات کو تفحص کرنے اور خبرگیری کرنے کے بہت سے ہیں۔ مگر صرف رات کی گشت ہی میں لوگوں کے حالات نہیں دریافت کرتے تھے دن میں بھی گھومتے تھے مدینہ میں پھرنے کے واقعات کے علاوہ جیسے کہ خفاف بن ایمن غفاری کی لڑکی کے ساتھ سلوک اور رحم کرنے کا واقعہ ہے جو آیندہ بیان ہوگا سفر میں بھی جہاں موقع ملتا تھا رعایا کا حال دریافت کرتے تھے اور اپنا فرض ادا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ جب شام سے واپس آ رہے تھے ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہو کر اِدھر اُدھر لوگوں کا حال دریافت کرتے ہوئے پھر رہے تھے کہ ایک بڑھیا کے جھونپڑے میں داخل ہوئے اور اُس سے باتیں کرنے لگے۔ اُس عورت نے پوچھا کہ اے شخص عمر کا کیا حال ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ شام سے واپس آرہا ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ خدا میری طرف سے اُسے جزاے خیر نہ دے حضرت عمر نے پریشان ہو کر پوچھا کہ کیوں اُس نے جوابدیا کہ جب سے وہ والی ملک ہوا ہے مجھے کچھ وظیفہ اور عطیہ نہیں دیا آپ نے کہا کہ اُسکو تیرا حال کیوں کر معلوم ہوتا کہ تو تنہا جنگل میں اِسی مقام پر رہتی ہے اُسنے جوابدیا کہ سُبحان اللہ وہ لوگوں میں گھومے اور میرا حال نہ جانے۔ خوف خدا سے حضرت عمر کے آنسو نکل آئے اور اپنے حال پر افسوس کرنے لگے اور اُس بڑھیا کو کہا کہ تو اپنی شکایت کو کتنی رقم کے عوض بیچنا چاہتی ہے۔ اُس نے جواب دیا اے بندۂ خدا مجھ سے کیوں ہنسی کرتا ہے آپ نے جوابدیا مسخری نہیں کرتا سچ کہتا ہوں دیر تک اُس سے باتیں ہوتی رہیں آخر پچیس دینار مقرر ہوئے اِسی حال میں حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود آگئے اور السلام علیک یا امیرالمومنین کہا وہ عورت امیرالمومنین کا نام سنکر چونکی اور اپنے ہاتھ سر پر رکھکر پشیمان ہونے لگی۔ حضرت عمر نے کہا کہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں اور پچیس دینار اُس کو دیکر اور راضی کر کے چلے آئے[۱]

اُن کی خلق اللہ کی خدمت اور خبرگیری کرنیکی بعض مثالیں انتہائی مثالیں ہیں جس سے بڑھ کر کوئی خدمت خیال میں نہیں آسکتی ایک اندھیری رات کو وہ گھر سے نکلے اور طلحہ کہیں جاتے

[۱] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت۔

دیکھ کر اُن کے پیچھے ہولیا۔ ایک گھر میں داخل ہوئے تھوڑی دیر کے بعد نکلے اور ایک دوسرے گھر کے اندر چلے گئے۔ صبح کے وقت طلحہ اُسی گھر کی طرف گیا۔ گھر میں ایک بوڑھیا اندھی اور اپاہج عورت تھی اُس سے پوچھنے لگے کہ رات کو ایک شخص تیرے پاس کیوں آیا تھا اُس نے جواب دیا کہ اُسنے اتنی مدت سے مجھ سے عہد کیا ہوا ہے کہ اپنی معذوری کے سبب سے جو کام اپنا میں نہیں کر سکتی وہ کر دے کوڑا اور نجاست گھر سے اُٹھا دے۔ طلحہ یہ سُنکر خاموش چلا آیا اور اس اپنی تفتیش پر نادم ہوا[۵۱]

اِس طرح پر خلق اللہ کی خدمت اور خبرگیری کرنا انکی اپنی خلافت کے زمانہ سے مخصوص نہ تھا پہلے بھی اِس قسم کی نیکی کے کام وہ ہمیشہ کیا کرتے تھے حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ایک رات وہ اندھی بیوہ عورت کی اسی قسم کی خبرگیری کو گئے تو حضرت ابوبکر کو وہاں پایا[۵۲]

حضرت عمر کے انصاف اور عدالت کی تو قسم کھانی چاہیئے یہی اُن کا عظیم الشان وصف تھا جس نے جناب سرورِ کائنات سے "فاروق" کا پیارا اور بزرگ خطاب دلوایا تھا اور جو کہ اُن کی ہر ایک قسم کی قابلیت اور طبیعت کی پناہ اور ہر کام میں اظہر من الشمس تھا مسلمان غیر مسلمان رعایا۔ غیر رعایا۔ عزیز و بیگانہ۔ ہر ایک کے ساتھ یہاں تک کہ اپنی ذات کے ساتھ انکو انصاف اور عدالت کو یکساں تعلق تھا۔ آں حضرت صلعم کے زمانہ کے واقعات ہم بیان کر چکے ہیں جنکی بنا پر آنحضرت صلعم کا یہ فیصلہ تھا کہ "عمر حق کہتا ہے گو کڑوا ہو" اُن کی خلافت کے واقعات میں سے چند مشہور واقعات کا لکھنا کافی ہوگا۔

جبالہ کا واقعہ اسی قسم کے واقعات میں سے ہے جو غسان کا آخری بادشاہ اور قیصر روم کا برائے نام نائب دراصل اِس شمالی صوبہ کا خودمختار حکمران تھا۔ ابتدا رفتوحات شام کے معرکوں میں جبالہ قیصر کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ مگر آخر شاہنشاہ کے بھاگ جانے پر ابوعبیدہ کے پاس آکر مسلمان ہوگیا اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مدینہ میں آیا جہاں اُس کے

---

[۵۱] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت [۵۲] الفاروق خلافت صفحہ ۱۲۳۔

خاندان کی شہرت کے سبب سے بہت کچھ عزت ہوئی اور حضرت عمر کے ہمراہ مکہ میں حج کرنیکے واسطے آیا۔ طواف کی حالت میں ایک غریب اعرابی کا پاؤں اسکے فاخرہ لباس پر اتفاق سے رکھا گیا جس سے اسکا پاؤں لڑکھڑا گیا۔ متکبر بادشاہ نے غصہ میں آکر اس مسلمان کے مُنہ پر تھپڑ مار دیا۔ اس نے حضرت عمر کے پاس جاکر فریاد کی اور جبالہ طلب ہوا۔ جبالہ اس طلبی سے بہت حیران ہوا اور گھبرایا جب حضرت عمر کے سامنے پیش ہوا تو اُنہوں نے جرم کا اقرار کرنے پر اس اعرابی سے ایک تھپڑ کھا لینے یا معاف کرانے کا سادہ فیصلہ صادر کیا۔ جبالہ نے متحیر ہوکر کہا کہ کیا بیابان کا ناچیز اعرابی میری برابری کریگا جو غسان کا بادشاہ ہوں۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ اسی طرح ہوگا کیونکہ مسلمان سب مساوی رتبہ رکھتے ہیں۔ معافی چاہنے کے بہانہ سے جبالہ اُسوقت چلا گیا اور رات کو بھاگ نکلا اور قسطنطنیہ میں جا پہونچا اور پھر عیسائی ہوگیا۔ اس کے بعد وہ پھر مسلمان ہوا ہو یا نہ ہوا ہو حضرت عمر کی عدالت اور انصاف کو اسی قدر واقعہ سے تعلق تھا[۵۱]

حضرت عمر کے اپنے بیٹے ابوشحمہ کو جسکا نام عبدالرحمن تھا شراب پینے اور زنا کرنے پر مارنے کا واقعہ اس قدر اختلاف کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اُسکی اصلیت کا اندازہ کرنا مشکل ہے ابن عباس سے جو روایت منسوب کی جاتی ہے اگر صحیح ہو تو حضرت عمر کو اس واقعہ کی اطلاع پہونچنا۔ اور اپنے بیٹے سے عجب طریقے سے اقرار کروانا۔ اور پھر دُرّے لگوانا اور غلام کا یہ حکم سُنکر رونا۔ مگر حضرت عمر کا دُرّے لگانے کے واسطے اُسے مجبور کرنا۔ لڑکے کا چیخنا اور بیتابی سے گرجانا۔ لوگوں کا اور خود حضرت عمر کا رونا۔ لڑکے کا پانی مانگنا اور حضرت عمر کا نہ دینا اور آخر آخری دُرّہ پر اس کے دم کا نکلجانا ایک دردناک افسانہ کا مضمون ہے مگر مختلف روایات کی اصلیت اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ اُن کا ایک بیٹا عبدالرحمن المعروف ابوشحمہ نے مصر میں عمرو بن العاص کی حکومت میں اس قسم کا کوئی قصور کیا تھا

[۵۱] اَنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۰۲ و سیوطی وغیرہ۔

وہاں اسکو حد لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو حضرت عمرؓ نے اُس کو مارا اور اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد وہ فوت ہو گیا۔[1]

قدامہ بن مظعون پر جو ابن عمرؓ اور حضرت حفصہؓ کا ماموں تھا حد جاری کی وہ حضرت عمرؓ کا ایسا قریبی رشتہ دار ہی نہیں تھا ایک معزز اور ذی رعب آدمی اور بحرین کا عامل تھا اس کے شراب پینے کی شکایت ہوئی اور ابوہریرہؓ نے اسکو مستی کی حالت میں دیکھنے کی شہادت دی اسکی عورت نے بھی شہادت دی حضرت عمرؓ نے اسکو درے مارنے کا حکم دیا اور لوگ سب ایسا کرنے کے مخالف تھے کہ وہ بیمار تھے حضرت عمرؓ اس عذر پر چند روز ٹھہر گئے مگر تھوڑے دنوں بعد پھر اُسکو سزا دینے کا ارادہ کیا اور دُرّے مروا ہی دیئے قدامہ حضرت عمرؓ سے ناراض ہو گیا اور اُن سے کلام کرنی چھوڑ دی حضرت عمرؓ کو آخر اسکو راضی کرنا پڑا مگر انصاف کی تعمیل سے اُن سے درگذر نہ ہو سکا۔[2]

ایک یہودی اور ایک مسلمان کے درمیان تنازعہ ہو گیا اور مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا یہودی سچا تھا اور حضرت عمرؓ نے اُسکے حق میں فیصلہ دیا۔ یہودی صفت و ثنا کرتا ہوا گیا۔[3] اور حیران تھا کہ اُس کی توقع کے خلاف ہوا کیونکہ مسلمان کی رعایت ہونے کا اُس کے دل میں خیال تھا۔

ایک دن آپ راستہ میں جا رہے تھے کہ ایک شخص کو ایک عورت سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا بداخلاقی کا شبہ ہوا اور اُسکو دُرّہ سے ڈرایا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اُس عورت کا خاوند تھا۔ اپنے اس تعرض پر پشیمان ہوئے اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سامنے افسوس کیا اُسنے کہا کہ امیر المومنین آپ ادب سکھانے والے ہیں آپ نے کچھ بیجا نہیں کیا مگر حضرت عمرؓ کا اس سے بھی اطمینان نہ ہوا اور اُس شخص کے پاس جا کر دُرّہ اُسکے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ تو اپنا بدلہ لے لے مگر اُسنے تسلیم کیا کہ آپ کا حق تھا۔[4] اپنی ذات کے ساتھ انصاف کرنے کی یہ انتہائی مثالیں ہیں۔

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء باب تصوف سلوک [2] ازالۃ الخفا باب تصوف سلوک [3] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافۃ والقضا [4] ازالۃ الخفا باب تصوف سلوک۔

اسی طرح ایک دفعہ اُن کے ہاتھ سے غلطی سے یاسر (یا ایاس) بن سلمہ کو راستہ سے ہٹانے میں درہ کا سرا لگ گیا تھا کچھ زمانہ گذرنے کے بعد یاسر نے ایک دن حج کو جانیکی اجازت چاہی حضرت عمر نے اسکو اجازت دی اور چھ سو درہم لیکر اُس کے گھر گئے اور کہا کہ ایک دن درہ میرے ہاتھ سے تمہارے پہلو میں لگا تھا - اُس کی معافی طلب کرتا ہوں کہ میرے پر اُسکا قصاص ہے یاسر نے کہا کہ امیر المومنین وہ کچھ بات نہ تھی اور میں اُسکو بھول گیا ہوں حضرت عمر نے کہا مجھ کو تو یاد ہے اور بھول نہیں سکتی - غرض اُس سے معافی لی اور حج کے خرچ کے واسطے چھ سو درہم اپنے پاس سے اُن کو دیئے[1]

مقدمات کی تحقیق میں بڑے شایستہ اصولوں کے ساتھ نہایت چھان بین کرتے تھے شہادت کے جانچنے میں بڑی عمدگی سے عمل کرتے تھے ایک شخص نے اپنی صفائی کا گواہ پیش کیا حضرت عمرؓ نے بعد استفسار کے کہ نہ وہ اسکا ہمسایہ ہے نہ ہمسفر ہوا ہے نہ اس سے لین دین کیا ہے اُسکی گواہی کو نا قابل اعتبار ٹھیرایا[2]

مقدمات میں صلاح اور مشورہ کو نہایت احسان مندی سے قبول کرتے تھے اور یہ بھی اُن کے ہاتھوں سے بے انصافی نہونیکا ایک بڑا سبب تھا مثلاً ایکدفعہ ایک حاملہ عورت کو سنگسار کرنیکا آپ نے حکم دیا معاذ بن جبل نے کہا کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ بھی اس حکم سے متاثر ہوگا حالانکہ اُس سے آپ کو کچھ علاقہ نہیں - حضرت عمر نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور کہا کہ اگر معاذ نہوتا تو عمرؓ ہلاک ہوگیا تھا[3]

اسی طرح ایک دفعہ ایک عورت کے سنگسار کرنے کا حکم دیا حضرت علی نے کہا کہ مجنون نابالغ اور سوتے پر شرعاً تعزیر واجب نہیں ہے اور یہ مجنونہ ہے حضرت عمر نے اپنا حکم واپس لیا اور شکرگزار ہوئے[4]

غرض فیصلوں میں رائے و مشورہ دینے اور اُن کے فیصلہ پر نکتہ چینی کرنیکی عام اجازت تھی -

---

[1] طبری صفحہ ۲۷۴۱ و ازالۃ الخفا کلمات - [2][3][4] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا باب تصوف وسلوک -

"ان کی مجلس جوان بوڑھے قاریوں سے بھری رہتی تھی اکثر اوقات اُن سے رائے لیتے اور کہا کرتے کہ کسیکو رائے دینے کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ علم بوڑھا اور جوان ہونے پر موقوف نہیں ہے یہ خدا کی نعمت ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے [۵۱]"

عوام الناس کو جو خلیفہ وقت کے ساتھ ساوات اور آزادی حاصل تھی اسکی بہت رعایت کی جاتی تھی۔ حضرت عمر ایک رات مدینہ میں پھر رہے تھے ایک گھر سے گانے کی آواز سنی دیوار کی راہ سے اُس گھر میں گئے ایک مرد اور ایک عورت کو شراب پینے میں مشغول دیکھا اُسے ملامت کرنے لگے اُس نے جواب دیا کہ میں نے ایک جرم کیا ہے اور تم نے تین۔ خدا نے تجسس کرنے اور پس دیوار سے گھر میں داخل ہونے اور کسی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت جانے سے منع کیا ہے۔ آپ نے یہ تینوں کام کئے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ اگر میں تجھ کو معاف کر دوں تو آیندہ اس فعل سے توبہ کرے گا اس نے اقرار کیا کہ امیر المومنین پھر ایسی حرکت کبھی نہ کروں گا [۵۲]۔ گویا ضابطہ معین کے خلاف مجرم کو ماخوذ کرنا اُنہوں نے روا نہ رکھا اور مدعا بھی حاصل ہوگیا اسی قسم کے بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں ہم بخوف تطویل نہ لکھیں گے۔

آزادی درحقیقت اِس درجہ کو پہونچی ہوئی تھی کہ حضرت عمرؓ کے روبرو اُنپر اعتراض کیا جاتا تھا اور وہ بڑے تحمل کے ساتھ سنتے اور داد دیتے تھے ایک دن خطبہ پڑھتے ہوئے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت کی۔ ایک بڑھیا عورت اُٹھ کھڑی ہوئی اور آیت قنطاراً مقنطرۃ پڑھ کر کہا کہ خدا جس چیز کو جائز اور مباح کرے تم کیوں منع کرتے ہو حضرت عمر نے داد دی اور کہا کہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات [۵۳]

ایک دفعہ غنیمت میں یمنی چادریں آئیں اور سب میں تقسیم ہوئیں۔ حضرت عمر اُسی چادر کا پیراہن بنوا کر اور پہن کر خطبہ پڑھنے کو ممبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سنو اور مانو۔ یہ صدا پوری نہ ہونے

---

۵۱ ازالتہ الخفا باب احکام الخلافت والقضا ۵۲ ازالتہ الخفا باب حکایات گشت۔

۵۳ ازالتہ الخفا۔

طے نہیں کر چکی تھی کہ سامعین میں سے ایک بول اٹھا کہ نہ سنیں اور نہ مانیں گے حضرت عمرؓ نے فرمایا آخر کیوں؟ اُسنے کہا کہ ایک چادر آپ کے حصہ میں آئی تھی۔ اس سے آپ کے بدن کا پیرہن کسطرح بن گیا عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا کہ جتنا کم تھا میں نے اپنی چادر میں سے دیا تھا اب وہ شخص یہ کہکر بیٹھ گیا کہ ہاں اب سُنیں گے اور مانیں گے[۱]

ہر زمانہ میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں حضرت عمرؓ کے انصاف پر اثر ڈالنے کی کوشش کرنے کا ایک واقعہ بھی موجود ہے۔ انصار میں سے ایک شخص اونٹ کی ران حضرت عمرؓ کو تحفۃً دیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے سامنے کسی کے ساتھ اُس کا مقدمہ پیش ہوا۔ کہنے لگا یا امیرالمومنین میرے مقدمہ کو اس طرح انصاف کیجئے جس طرح اونٹ کی ران جُدا کی جاتی ہے۔ اُسکے کئی دفعہ کہنے سے حضرت عمرؓ ناراض ہوئے۔ مقدمہ کا فیصلہ تو اُس کے خلاف ہی ہوا اگر حضرت عمرؓ نے اپنے تمام عاملوں کو تحفہ تحائف لینے سے قطعی ممانعت کر دی[۲]

اسی طرح ایک دفعہ کسی نے اُنکی بیوی سے سفارش کرانی چاہی تو آپ نے اُسے جھڑک دیا اور کہا تو ایک کھلونا ہے تجھے اِن امور سے کیا مطلب[۳]

جن مقدمات کے فیصلہ میں اُن کو شبہ ہوتا تھا جو مجرم ثبوت کے بہم پہونچنے یا کسی اَور صورت میں بچ جاتے تھے وہ ہمیشہ اُن کی طبیعت میں کھٹکتا رہتا تھا ایکدفعہ ایک شخص کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اصحاب سے مشورہ کیا کہ خلیفہ کو اپنی روئیت پر تعزیر کرنیکا اختیار ہے یا نہیں حضرت علیؓ نے کہا کہ چار گواہوں کی ضرورت پر نص صریح موجود ہے تو صرف اپنی روئیت پر تعزیر کا اختیار کیونکر ہے حضرت عمرؓ اسوقت خاموش ہوگئے مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر یہی سوال کیا اور حضرت علیؓ نے وہی جواب دیا۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس میں متردد تھے[۴]

سلیمان بن ربیعہ جب اپنا لشکر ارمینیا کو لیگیا تو لشکر کیواسطے گھوڑے خریدے سلیمان

---

[۱] المامون حصہ دوم صفحہ ۸۷ [۲] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ [۳] ازالۃ الخفا۔

[۴] ازالۃ الخفا حکایات گشت۔

سوائے اصیل گھوڑے کے وہ کسیکو پسند نہیں کرتے تھے عمرو بن معدی کرب ایک مخلوط نسل کا گھوڑا لے گیا سلیمان نے ناپسند کرکے واپس کیا اور کہا کہ دوغلہ ہے عمرو نے کہا کہ دوغلہ نہیں ہے یوں ہی سرکش جانور ہے۔ سلیمان نے پھر بھی اسکو دوغلہ ہی کہا۔ عمرو نے کہا کہ دوغلہ ہی ہوگا کیونکہ دوغلہ دوغلہ کو پہچانتا ہے۔ سلیمان نے حضرت عمر کے پاس شکایت کی اُنہوں نے سلیمان کو ملامت کی کہ تو نے کیوں سزا دینے میں تامل کیا اور حلم روا رکھا اور عمرو کو لکھا کو تو نے اپنی امیر کی بے ادبی کی ہے تو اپنی تلوار پر بہت نازاں ہے جسکا نام تو نے صمصامہ رکھا ہے مگر تجھے معلوم نہیں کہ میرے پاس بھی ایک تلوار ہے جسکو میں مصمم کہتا ہوں جسروز تیرے کانوں کے درمیان رکھ دونگا تیری کھوپری چیرے بغیر نہ نکلیگی [۱]

حضرت عمر کے سامنے ایک قتل کی واردات کا مقدمہ پیش ہوا ایک نوجوان شخص کی لاش راستہ میں پڑی ہوئی پائی گئی۔ حضرت عمر نے بہت تفتیش کی مگر پتہ نہ چلا اور نہایت تشویش میں دعا مانگا کرتے تھے کہ خدایا اسکے قاتل کا پتہ لگا دے ایک سال کے قریب گذر گیا ایکدن پھر اُسی مقام پر جہاں سے لاش ملی تھی ایک بچہ پڑا ہوا ملا۔ حضرت عمر نے پرورش کے واسطے ایک عورت کے سپرد کیا اور کہا کہ اگر تو کسی کو اس کی طرف متوجہ پائے تو مجھے اُس کی خبر کر دیجیو۔ لڑکا جب کچھ بڑا ہو گیا تو ایک دن اُس عورت کے پاس ایک خادمہ لڑکی آئی اور کہا کہ میری بیوی چاہتی ہیں کہ یہ لڑکا اُن کے دکھلانے کو لے چلے وہ دیکھ کر لوٹا دیں گی۔ وہ لڑکا لے کر اُس کے ساتھ گئی۔ ایک جوان عورت نے اُس سے لیا اور اُسکا منہ چوما اور پیار کیا اور پھر لوٹا دیا۔ اصحاب رسول اللہؐ میں سے وہ ایک انصاری کی لڑکی تھی۔ حضرت عمر نے جب یہ کیفیت اُس عورت سے معلوم کی تو اُس مکان کی طرف گئے اُس جوان عورت کے باپ کو اپنے دروازے پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا پایا اُس سے پوچھا کہ تو اپنی لڑکی کا حال جانتا ہے اُس نے جواب دیا کہ ہاں۔ خدا کے حق کو لوگوں کی نسبت وہ اچھا جانتی ہے اپنے باپ کے حق کو بھی ادا کرتی ہے اور نماز روزہ بھی بجا لاتی ہے اور دیندار ہے

---

[۱] ازالۃ الخفا کالمات حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اُس کے پاس جانا اور نیکی کی نصیحت کرنا چاہتا ہوں ۔ وہ بوڑھا اندر گیا اور بیٹی کو مطلع کر کے حضرت عمر کو بُلا لیا ۔ حضرت عمر نے سب لوگوں کو جو موجود تھے ہٹا دیا اور اکیلے اُس سے باتیں کرنے لگے اور کہا کہ بیان کر اُس لڑکے سے تیرا کیا تعلق ہے وہ عورت متردد ہوئی حضرت عمر نے ہاتھ تلوار پر بڑھایا وہ ڈر گئی اور کہا یا امیر المومنین آپ ٹھہر جاویں میں سچ سچ عرض کر دیتی ہوں ۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ زمانہ ہوا ایک بڑھیا عورت میرے پاس آئی اور کام کاج کرنے کو میرے گھر میں رہنے لگی میں بطور والدہ کے اُس کو رکھتی تھی اور اُس کا ادب کرتی تھی ۔ اسی طرح پر کچھ مدت گذر گئی کہ ایک دن اُس نے مجھ کو کہا کہ مجھے ایک سفر درپیش ہے اور جانے کا ارادہ رکھتی ہوں ۔ میری ایک بیٹی ہے اُس کی تنہائی کے خیال سے میں سفر سے واپس آنے تک اُسے تمہارے پاس چھوڑ جانا چاہتی ہوں دراصل وہ اُس کی لڑکی نہیں تھی لڑکا تھا اُسکو وہ عورتوں کا لباس پہنا کر میرے پاس چھوڑ گئی ۔ مجھے کبھی اُس کے مرد ہونے کا شُبہ نہیں ہوا اور اُس سے کسی قسم کا پردہ نہیں کرتی تھی ۔ ایک دن سوتے میں مجھ کو غافل پاکر وہ میرے قریب ہوا اور مجھ سے مخالطت کی ۔ میرے قریب ایک چھری رکھی تھی میں نے ہاتھ لمبا کر کے اُسے پکڑا اور اُس سے اُس کا کام تمام کر دیا اور اُٹھا کر بازار میں پھینک دیا ۔ مگر میں اُس سے حاملہ ہو گئی اور یہ لڑکا پیدا ہوا خداوند علیم واقف ہے کہ اصل واقعہ یہی ہے حضرت عمرؓ نے کہا خدا تجھے برکت دے تو نے سچ کہا ہے اور اُسکو نصیحت کرتے رہے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے آئے اُس قتل کے واقعہ کا پتہ نہ چلنے سے جو بوجھ اُن کے دل پر تھا ہلکا ہو گیا۔

غرض عدل و انصاف کے حامی اور سرپرست تھے اور انصاف کے سامنے کسی چیز کی پروا نہیں کرتے تھے ۔ عاملوں اور حاکموں کی زیادتیوں اور ظلم کی رعایا اور محکومین کی شکایت پر اُن کو سزائیں دیتے تھے لوگوں کو عام اجازت تھی کہ اپنے عاملوں کے فیصلوں اور حکموں کے اپیل خود اُن کے پاس کریں ۔ حج کے وقت تمام عامل اکٹھے ہوتے تھے تو اُن کے احکام کی نسبت

---

لہ از القتہ المحفا کلمات حضرت عمرؓ۔

شکایت کرنیکی پوری آزادی دی جاتی تھی چنانچہ ایکدفعہ جب مجمع عام میں حضرت عمر نے پکار کر کہا کہ عاملوںکو میں نے تم پر عدل وانصاف کرنے کے واسطے بھیجا ہے اگر کوئی عامل ظلم وزیادتی کرے تو اسکی میرے پاس شکایت کرو۔ یہ سنکر ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ یا امیرالمومنین میرے عامل نے مجھے بیگناہ سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمر نے کیفیت سنکر حکمدیا کہ اُسکو سو کوڑے مار کر اپنا بدلہ لے لے عمرو بن العاص اس پر معترض ہوئے اور کہا کہ اگر اس طرح پر آپ نے عاملوں کی شکایتیں سننے کا دروازہ کھولدیا تو بہت واقعات اس قسم کے ہونے لگیں گے حضرت عمر نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ اپنے نفس سے بدلہ لیتے تھے تو میں کیوں اُس سے بدلہ نہ لونگا عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ اسطرح سزا نہ دلوائیں ہم اُسے راضی کرلیں گے یہ بات حضرت عمر نے مان لی اور اُس مستغیث کو اسطرح راضی کیا گیا کہ فی کوڑا دو دینار یعنی کل دو سو دینار اُسے دلوائے گئے[۱] اُن کا قول تھا کہ "جو عامل میرے عاملوں میں سے کسی پر ظلم کرے اور مجھ کو اُس کے ظلم کا حال معلوم ہو جائے اگر میں اُسکی اصلاح نہ کرونگا تو وہ ظلم میں نے ہی کیا ہوگا"[۲]

حضرت عمر کے فیصلوں میں نرمی اور رحم بھی شامل ہوتا تھا مگر ایسی نرمی اور رحم جس سے انصاف کے پہلو میں کچھ خلل نہ واقع ہوتا ہو۔ مثلاً ایک دفعہ چند آدمیوں نے مزینہ کے قبیلہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرا کر اُسے ذبح کر ڈالا۔ ہاتھ کاٹنا اس جرم کی سزا تھی۔ حضرت عمر نے مزنی سے اونٹنی کی قیمت دریافت کی اُسنے چار سو درہم بتائے۔ مجرموں سے آٹھ سو درہم تاوان دلوا کے چھوڑ دیا[۳]

ایک قتل کے مقدمہ میں قاتل کو حضرت عمر کے پاس لائے ثبوت جرم پر قاتل کو سزائے موت کا حکم دیا۔ اسی اثنا میں مقتول کے دعویدار عزیزوں میں سے بعض نے معافی دے دی۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود کے مشورہ سے باقی ورثا کو دیت کے طور پر ایک رقم

---

[۱] ازالتہ الخفا باب سیاست [۲] ازالتہ الخفا تصوف وسلوک [۳] ازالتہ الخفا باب احکام الخلافت والقضا۔

دلوا کر چھوڑ دیا[1]

ابوموسیٰ نے ایک دفعہ ایک شخص کو جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا مروا ڈالا۔ حضرت عمر نے جب یہ واقعہ سنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ اُسے بند رکھ کر اُس سے توبہ کیوں نہ طلب کی[2]

ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو حضرمی اپنے غلام کو حضرت عمر کے سامنے لایا اور کہنے لگا کہ اسنے میری عورت کا آئینہ ساٹھ درہم کا چرایا ہے اسکے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیجئے حضرت عمر نے کہا کہ یہ تمہارا نوکر ہے اس پر قطع کا حکم نہیں ہے[3]

اس قسم کے بہت واقعات ہیں اور اُن کے زمانہ کے مقدمات اور اُنکے فیصلہ موجود ہیں جن سے حضرت عمر کی فقہ مرتب ہوئی ہے۔ لیکن ہمارا مطلب صرف اُن کے عدل و انصاف کی چند مثالیں بیان کرنے سے تھا۔ ورنہ درحقیقت حضرت عمر کا منصفانہ برتاؤ اُن کے ہر ایک عمل اور کام سے ایسا ظاہر ہے کہ اُسپر کسی دلیل اور زیادہ بیان کرنیکی حاجت نہیں ہے۔ آں حضرت صلعم اور حضرت ابوبکر اور بعض اہل الرائے صحابہ کے اقوال ہم اس بارے میں بیان کر چکے ہیں۔ سر ولیم میور حضرت ابوبکر کی طبیعت کے ذکر میں لکھتا ہے کہ " اُن میں حضرت عمر کی سی قوت اور قوت فیصلہ نہیں تھی اور نہ انصاف کی حس و ادراک کا مادہ ایسا تیز اور قوی تھا[4] اور دونوں خالدوں کا واقعہ اسکے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔

حضرت عمر کی طبیعت کے ذکر میں مورخ مذکور لکھتا ہے کہ " عدل و انصاف کا مادہ اُنکی طبیعت میں نہایت پختہ اور قوی تھا خالد کے ساتھ جو سلوک کیا اُس سے قطع نظر کر کے اُن کے ظلم یا بے انصافی کا ایک واقعہ بھی نہیں مل سکتا اور خالد کے معاملہ میں بھی اُس سے دشمنی کرنیکی یہ وجہ بھی تھی کہ وہ اپنے مغلوب دشمن کے ساتھ بے احتیاطی اور بے رحمی سے سلوک کرتا تھا۔ اُن کی سلطنت میں مختلف

---

[1] ازالتہ الخفا باب تصوف و سلوک۔ [2] ازالتہ الخفا باب حدود [3] ازالتہ الخفا باب حدود۔

[4] انالس اوف خلافت صفحہ ۱۲۳۔

قومیں اور مختلف جماعتیں اور فرقے جن کے اغراض اور حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد تھے اُن کی قابلیت میں انتہا درجہ کا اعتبار و اعتماد کئے ہوئے تھے اور اُن کے مضبوط بازوؤں نے انتظام اور قانون اور عدل کی تعمیل کا سکہ بٹھایا ہوا تھا۔[1]

سر ولیم میور کے یہ الفاظ کسی ادنیٰ غور یا سرسری نگاہ سے دیکھ کر نہیں کہے گئے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ گو خالد سے ناراضی کی وجہ کو اُس نے خود بیان کر دیا ہے مگر اُس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا اس کو حضرت عمر رض کے بے لوث اور پاک جامہ انصاف پر ایک ایسا دھبہ دکھاتا ہے اور اُن کے عام اور سراسر انصاف سے اس واقعہ کو مستثنیٰ کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ سر ولیم میور کی رائے پر کیا منحصر ہے خالد کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ بظاہر نظر شاید دوسروں کو بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہو۔ خالد کی بے نظیر بہادری اور شجاعت جو ہمدردی اُس کی نسبت اُس کے حالات پڑھنے والوں کے دلوں میں پیدا کر دیتی ہے وہ ہے جو اُس کے ساتھ اس قسم کے سلوک کو انوکھا دکھلاتی ہے۔ بےشک خالد "سیف اللہ" بہادر تھا اور دلیر ایسا کہ چشم فلک نے اس جیسے کم دیکھے ہیں۔ شجاع تھا اور بے خوف ایسا کہ دنیا کی تاریخ میں تلاش کرنے سے اُس جیسے نہیں پائے جائیں گے کار آزمودہ سپہ سالار اور تجربہ کار جنرل۔ فنونِ جنگ سے ایسا ماہر کہ دنیا کے سب سے بڑے سپہ سالار اُس کی شاگردی پر فخر کرتے۔ اُس کی خون خوار تلوار اور اُس کی تیغ بے دریغ فتح اور نصرت کی ضامن اور ضمانت تھی اُس کی ذات اور موجودگی بقول انگریزی مصنف کے قوت اور ہیبت کا ایک برج تھی اُس کے نام سے کسریٰ اور قیصر کے شاہنشاہی دل کانپتے تھے اسلامی فتوحات اُس کی شجاعانہ جانبازی کی کچھ کم ممنون نہیں ہے۔ شجاعت اور بہادری کے دفتر میں اُس کا نام سنہری حرفوں میں سب سے اوّل لکھا ہوا ہے اور اُس کی یاد اب بھی مسلمانوں کی رگوں میں عربی خون کو جوش میں لے آنے کا ایک طلسم ہے۔

مگر باایں ہمہ جیسا کہ اُس کے اِن بے نظیر اور یگانہ اوصاف کے واسطے لازمی تھا اور

---

[1] المس اوف خلافت صفحہ ۲۸۴۔

جیسا کہ دنیا کے سب سے بڑے جرنیلوں کے حالات میں ہم پاتے ہیں اُسکی بداحتیاطی بے رحمی تک پہونچ جاتی تھی اور ناعاقبت اندیشی اور بے خوفی خوف خطر میں رکھتی تھی۔ اُس کے ذاتی افعال غیروں کی نظروں میں اسلامی خلافت کے نائب کے افعال تھے اور خود اسلام اُس کے برتاؤ اور کردار کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا ناواقف اُسکو مقاصد اسلامی کا ایک جزو سمجھتا تھا۔ بسا اوقات انصاف اور اسلامی تعلیم کے خلاف اُس سے ایسے امور سرزد ہوتے تھے۔ جن کی تلافی بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ خود آنحضرت صلعم کو خالد کی تند مزاجی اور بداحتیاطی پر افسوس کرنا پڑا تھا۔ بنی جذیمہ کا واقعہ تاریخ کے مضمون سے مٹ نہیں سکتا۔ آنحضرت صلعم نے خالد کو ۸ سنہ ہجری میں بنی جذیمہ کی طرف اسلام کی ہدایت کے واسطے بھیجا تھا اگر وہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اسلام کا اقرار کرتے وقت اُن کے مُنہ سے "اسلمنا" کی جگہ غلطی سے "صبانا" نکل گیا جس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا ہے۔ خالد نے نہ سمجھا اور اُن کو قید کر لیا اور صبح کے وقت اُن کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ مہاجرین اور انصار کے پاس جس قدر قیدی تھے وہ انھوں نے نہ مارے اور چھوڑ دیئے مگر بنی سلیم نے بہت سے قیدیوں کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلعم کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ کو نہایت سخت صدمہ گذرا اور خالد کے کام سے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اے خدایا جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اُس سے بری ہوں[۵۱] اسی طرح ایک دفعہ خالد نے عمار بن یاسر پر سختی کی اور سخت و سُست کہا جس سے وہ ناراض ہو گئے اور آنحضرت صلعم کے روبرو شکایت کی۔ آنحضرت نے خالد کو فرمایا کہ عمار سے تیرا کیا کام تھا وہ تو ایک جنتی آدمی ہے جو بدر میں حاضر ہوا ہے عمار کو بھی سمجھایا اور خالد نے معافی مانگی۔

حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت میں خالد سے جو زیادتیاں ہوئیں وہ کسیطرح ناقابل توجہ نہ تھیں مالک بن نویرہ کے مسلمان ہونے اور بیگناہ قتل کا واقعہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ثابت تھا۔ اگر خالد کا کلمہ سمجھنے ہی میں غلطی ہوئی تھی تو کم سے کم اُس کی حسین عورت سے اسی وقت نکاح کرنا

[۵۱] مغازی واقدی صفحہ ۳۴۶ و تفسیر القرآن از سرسید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۱۰۰۔

جب کہ اُس کے مقتول شوہر کا خون زمین پر خشک بھی نہیں ہوا تھا نہایت سرد مہر اور بے ضبط طبیعت کا کام تھا جسکو اسلامی تعلیم روا نہیں رکھ سکتی تھی ۔ خالد کا عراق میں بے دریغ و بلا امتیاز قتل کا حکم دینا بھی حضرت عمر کی انصاف پسند طبیعت پر ایک بار تھا ۔ لیس کی لڑائی میں قتل عام کا حکم دینا اور اسی طرح خون کا دریا بہانے کی قسم کھا لینا کوئی معمولی قابل چشم پوشی امور نہ تھے ۔ خالد کی تمام زیادتیوں اور بے احتیاطیوں کو شمار کرنا ایک طویل اور غیر ضروری کام ہے ۔ وہ خود ہی لوگوں میں انعام واکرام بھی تقسیم کر دیا کرتا تھا ۔ حضرت عمر نے ایک دفعہ حضرت ابوبکر سے لکھوایا کہ بغیر ہماری اجازت کے کسیکو کچھ نہ دے جس کے جواب میں اُس نے لکھا کہ مجھ کو میرے کام پر چھوڑ دیجئے جو چاہوں کروں اور جس کو چاہوں دوں ۔ حضرت عمر ایسے جواب کو کب سننے والے تھے ۔ فوج کو بے سردار چھوڑ کر بے اطلاع اور بلا اجازت مکہ معظمہ کو حج کرنے چلا آنا بھی کچھ معمولی بے احتیاطی نہ تھی ۔ حضرت عمرؓ کے انصاف اور دور اندیشی اور احتیاط کے نزدیک اس قسم کی تمام زیادتیاں اور بے احتیاطیں ناقابل معافی تھیں ۔ مگر حضرت ابوبکر کا در گذر کرنا اور خالد کو تنبیہ کر کے چھوڑ دینا بھی ایک ایسا فیصلہ تھا جس کے خلاف یا انحراف کرنا حضرت عمرؓ اُس تعظیم اور ادب کے لحاظ سے جو وہ اپنے زمانۂ خلافت میں بھی حضرت ابوبکرؓ کا کرتے تھے روا نہیں رکھ سکتے تھے پس سب سے پہلے جو منصفانہ تدبیر اور دور اندیشی کی تجویز کی وہ یہ کی کہ خالد کو سپہ سالاری عراق سے روک کر حضرت ابو عبیدہ کے ماتحت شام میں مقرر کیا خالد کی جزوی بے احتیاطیوں کی شکایت رہتی تھی مگر معاف کر دی جاتی تھی ۔ شام کے فتح ہو جانے پر خالد قنسرین کا امیر اور عامل مقرر ہو گیا مگر اُس کی طبیعت نہیں بدل سکتی تھی ۔ زمانہ اور تجربہ اور عمر نے اُس پر بہت کم اثر کیا ۔ حضرت عمر کا قول کہ میں آل مغیرہ کو آتشیں طبیعت کا سمجھتا ہوں غلط نہیں تھا ۔ شام کی بغاوت کے زمانہ میں خالد کا ابو عبیدہ کو حصار سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی رائے دینا حضرت عمرؓ کی نظروں میں سخت بے احتیاطی اور ناعاقبت اندیشی اور اپنی قوت پر غرور کا اظہار تھا اس سے ناراض ہوئے ہی تھے کہ دو اور اہم شکایتیں اُس کی نسبت پہونچیں اول یہ کہ

حمام میں جاکر خالد شراب ملی ہوئی خوشبو استعمال کرتا ہے اور دوسرے اشعث بن قیس الکندی ایک شاعر کو اپنی تعریف میں ایک قصیدہ کے صلہ میں ایک ہزار دینار[1] خالد نے انعام دیا ہے - پہلے الزام سے تو خالد نے قسم کھائی اور بری ہو گیا دوسری شکایت بہ لحاظ واقعہ کے صحیح تھی - ہزار دینار بہت بڑی رقم تھی اور حضرت عمر نے اسکی تحقیقات کرنی چاہی ابو عبیدہ کے نام حکم بھیجا کہ خالد کو حمص میں بُلاکر مسلمانوں کی جماعت کے سامنے اُس کے ہاتھ باندھ کر اُس سے دریافت کرے کہ یہ روپیہ بیت المال سے صرف کیا ہے یا اپنی گرہ سے - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا - خالد نے کہا کہ میں نے اپنی گرہ سے خرچ کیا ہے - اسی وقت ہاتھ کھول دیئے گئے اور اُسکی وہی تعظیم و تکریم کی گئی[2]

خالد کا اپنی گرہ سے بھی اتنی بڑی رقم ایک شاعر کو انعام دینا حضرت عمر کے نزدیک فضول خرچی کا ایک ناقابل معافی جرم تھا اُس کو قنسرین کی حکومت سے مدینہ بُلا لیا - مگر اطراف میں سب جگہ لکھا کہ خالد کی معزولی بسبب خیانت کے نہیں ہوئی بلکہ اس سبب سے کہ اُس کے دل میں خیال تھا کہ یہ سب فتوحات اُسکی ہی وجہ سے حاصل ہوئی ہیں - حالانکہ یہ سب خدا سے منسوب کرنا چاہیے[3] ہو سکتا ہے کہ اصل مطلب حضرت عمر کا اُس کی نسبت اِس قسم کی شکایات کے سلسلہ کو منقطع کرنیکا ہو - خالد آخر حمص میں جا رہا اور حضرت عمر کی خلافت کے آٹھویں سال میں اُن کا انتقال ہوا رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

غرض یہ واقعہ ہے خالد اور اُس کے ساتھ سلوک کئے جانے کا اور تعجب ہے کہ کوئی شخص اس کو حضرت عمر رضہ کی بے انصافی پر محمول کرے جو خدا اور اپنے پاک مذہب کے روبرو خلق اللہ کے ساتھ انصاف اور عدل اور رحم اور فیاضی سے برتاؤ کرنے کے اپنے آپ کو جوابدہ سمجھتے تھے اور کسی کی کارآمد بہادری اور شجاعت کو انصاف کے روبرو ہیچ جانتے تھے - اِس واقعہ کے

---

[1] سر ولیم میور ایک ہزار دینار اور طبری دس ہزار درم لکھتا ہے - انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۲۰ - اور طبری صفحہ ۴۸۹

[2] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۲۰ و ازالۃ الخفا باب سیاست - [3] ازالۃ الخفا باب سیاست -

سوا اور بہتیرے واقعات اسی قسم کے ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ جیسے کہ انصاف اور سچائی کے حامی اور پشت و پناہ تھے ایسی ہی اس صفت والوں اور حق کے پہچاننے والوں کے عاشق تھے۔ مثلاً ایک رات کو آپ اپنے غلام اسلم کے ساتھ مدینہ میں گشت کر رہے تھے کہ دم لینے کے واسطے ایک مکان کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ ایک بڑھیا کی آواز سنی کہ وہ اپنی لڑکی کو کہہ رہی ہے کہ اٹھ پانی دودھ میں ملا دے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ تو نے نہیں سنا کہ حضرت عمرؓ نے ڈھنڈورا پٹوایا ہے کہ دودھ میں پانی مت ملاؤ۔ اس کی بڑھیا ماں نے جواب دیا کہ اس وقت نہ امیرالمومنین دیکھ رہا ہے نہ اسکا ڈھنڈورچی۔ لڑکی نے جواب دیا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ ظاہرا اطاعت کریں اور در پردہ گناہ کریں۔ حضرت فاروق اعظم اسکو سنکر بے انتہا درجہ خوش ہوئے اور اپنے غلام کو اس مکان کا نشان یاد رکھنے کو کہکر چلے آئے اور اگلے دن اس لڑکی کو بلوایا اور اپنے بیٹے عاصم سے نکاح کروا دیا[۱] کہا کرتے تھے کہ اگر مجھ کو عورت کی ضرورت ہوتی تو میرے سوا اسکے ساتھ کوئی نکاح نہ کرتا۔ اسی کی نسل سے حضرت عمر بن عبدالعزیز وہ عادل اور خدا ترس خلیفہ تھے جنکو خلفاء الراشدین میں پانچواں خلیفہ شمار کرتے ہیں۔

غرض حضرت عمرؓ کا عدل و انصاف دنیا میں یادگار رہا اور ہمیشہ یادگار رہے گا۔ مظلوم اُن کے نام سے فریاد کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ خلیفہ مامون الرشید کے وقت میں ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بے گار پکڑا۔ وہ دردناک آواز سے چلایا "واعمراہ" یعنی ہائے عمرؓ تم کہاں ہو۔ مامون کو اطلاع ہوئی اس شخص کو طلب کیا اور کہا کہ کیا حضرت عمرؓ کا عدل تجھ کو یاد آیا اس نے کہا ہاں مامون نے کہا خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمرؓ کی سی رعیت ہوتی تو میں اُن سے بھی زیادہ عادل ہوتا۔ خیر یہ تو ایک کہنے کی بات تھی دراصل حضرت عمرؓ کی رعایا بھی اس سبب سے ایسی تھی کہ حضرت عمرؓ نے اس کو ایسا بنایا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نام سے جو فریادیں کی جاتی تھیں وہ سنی بھی جاتی تھیں کیوں کہ مامون نے اسکو انعام دلوایا اور

---

[۱] ازالۃ الخفا باب گشت۔

سپاہی کو موقوف کر دیا[۱]

عمال اور امیروں اور حاکموں اور ہر ایک قسم کے عہدہ داروں کا مقرر کرنا ایک نیا اور مشکل کام تھا اور اس کے واسطے نہایت واقفیت اور مردم شناسی درکار تھی حضرت عمر کے عمدہ انتخاب انکی کامیابی سے ظاہر ہوں گے۔

عہدہ داروں کے تقرر کے وقت عموماً اس قسم کی ہدایتیں انکو کرتے تھے۔

دروازے پر چوبدار اور حاجب نہ رکھیں مستغیث کو انکی کوئی روک نہ پیدا کریں گویا ہر وقت عدالت کا دروازہ کھلا رہنے کا حکم تھا۔

جب کوئی استغاثہ کرے اسکو سننا اور مدعی سے گواہ عادل اور منکر سے قسم لے کر اس کو فیصلہ کریں - عادل وہ سمجھا جائے جس پر حد شرعی جاری نہ ہوئی ہو یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہ ہو اس پر محبت اور وراثت کی تہمت نہ ہو - اگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جائے تو مہلت دیں۔

فیصلہ کتاب اور سنت کے رو سے کریں - اور جن امور کی نسبت کتاب اور سنت میں حکم نہو اپنی فہم اور رائے سے فیصلہ کریں۔

مقدمات کا فیصلہ جلد کریں تاکہ مدعی دیر کے سبب اپنا دعویٰ چھوڑ دینے کو مجبور نہ ہو۔

باہم مصالحہ اور رضامندی کو بشرطیکہ اس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال نہ ہو منظور کرلیں۔

جو فیصلہ ایکدن کیا گیا ہو اسپر نظر ثانی کرنی جائز ہے اور اگر نظر ثانی میں پہلا فیصلہ غلط معلوم ہو تو اسکو باطل ٹھہرا دے۔

متخاصمین پر سختی اور درشتی اور غصہ نہ کریں۔

رعب قایم رکھیں مگر نہ اتنا کہ وہ منجر بہ جبر ہو اور اخلاق و نرمی کریں مگر نہ اتنی کہ حکومت میں

---

[۱] المامون حصہ دوم صفحہ ۲۹۔

سستی اور بے رعبی ہو۔

ہمیشہ عدل اور انصاف اور حق کو قایم رکھیں۔[۱]

جس مقدمہ کا فیصلہ نہ ہوسکے اور وقت واقع ہو اُسکو میرے پاس بھیجدیں۔

غرض اسی قسم کی ہدایات کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً ضروری ہدایات کے متعلق تحریری احکام جاری کرتے تھے۔

عمیر بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت عمر جس وقت کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تو اُس سے انصار و اصحاب کے روبرو چار اقرار لیتے اول یہ کہ گھوڑے پر سوار نہ ہو۔ باریک کپڑے کو نہ پہنے اور لذیذ ونفیس کھانے نہ کھائے۔ تیسرے حاجت مند لوگوں پر دروازہ بند نہ رکھے چوتھے حاجب اور دربان نہ مقرر کرے۔[۲]

اہل فوج کے واسطے یہ ضروری ہدایات تھیں کہ "جاڑوں میں دھوپ کھانا نہ چھوڑیں گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں اور موٹے کپڑے استعمال کریں"۔

جیسے کہ آپ اکثر ضروری اور مفید ہدایات تحریری جاری کرتے تھے ایسے ہی خطبوں میں پند و موعظت عاملوں کے واسطے فرماتے تھے۔

ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ "اے خدا میں تجھ کو شہروں کے امیروں پر گواہ کرتا ہوں۔ میں نے اُن کو اس واسطے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو اُن کا دین سکھلادیں۔ نبی کی سنت بتادیں اور غنیمت کو تقسیم کریں اُن میں عدل پھیلائیں۔ اور کسی امر میں اگر دقت واقع ہو تو اُس کو میری طرف بھیج دیں"۔[۳]

پھر فرمایا کہ "اے لوگو۔ خدا کی قسم ہے میں نے اپنے عاملوں کو تمہاری طرف اسلئے نہیں بھیجا کہ تمہاری کھال اُتاریں یا تمہارے مال چھینیں بلکہ اس واسطے بھیجا ہے کہ تم کو تمہارا دین

---

[۱] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافت والقضا و تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۳۰ [۲] ازالۃ الخفا باب سیاست۔

[۳] ازالۃ الخفا باب سیاست۔

اور سنت سکھلائیں پس جس شخص کے ساتھ اسکے خلاف سلوک ہو وہ میرے پاس مرافعہ کرے خدا کی قسم ہے جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اُس سے بدلا لوں گا[۱]"

عمرو بن العاص نے ایک دن اسی پر اعتراض کیا اور کہا تھا کہ اگر کوئی عامل اپنی رعیت کو ادب سکھانے کے واسطے کچھ کہے گا تو آپ اُس سے بھی باز پرس کریں گے آپ نے جواب دیا کہ بیشک کروں گا اور بدلہ لوں گا۔ میں نے رسول اللہ صلعم کو اپنے نفس سے بدلہ لیتے دیکھا ہے میں اُن سے کیوں نہ لوں گا۔

عاملوں کو اس امر کی تاکید کیا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو ذلیل کرنیکے واسطے نہ ماریں۔ اُنکو حدود پہ گھر آنے سے روکے نہ رکھیں کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاویں گے۔ اُن کے حقوق اُن سے نہ روکیں کہ وہ باغی ہو جاویں گے[۲] ایسی ہی پند و موعظت اور ہدایت اُن کے اکثر خطبوں میں موجود ہے۔ تحریری احکام اور ہدایت میں بڑے امیروں کو خصوصاً اور تمام عہدہ داروں اور اہلکاروں کو عموماً نیکی اور خدا پرستی اور خدا ترسی اور بھلائی کرنے اور سادگی عادات کو نہ چھوڑنے کی ہدایت اور نصیحت کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر تم نیک ہو گے تو تمہاری رعیت بھی نیک ہوگی ورنہ اس کا برعکس ہوگا۔ زیادہ ستانی اور جبر سے منع کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ عاملوں کو صدقہ کے بارہ میں لکھا کہ جب زکوٰۃ وصول کرو تو لوگوں کو بند نہ کئے رکھو جن کا کام پہلے ہو جائے اُنہیں جانے دو۔ کیونکہ اُن کے مویشی بند رہنے سے ہلاک ہوں گے۔ جب مال مویشی ہیں سے صدقہ لو تو بہت عمدہ منتخب کرکے لو اور نہ بہت کم درجہ کا بلکہ اوسط قسم سے صدقہ لینا چاہئے۔ اگر کسی کو ایک سال کا جانور دینا ہو اور وہ اُس کے مویشیوں میں نہ ہو تو اُسی حیثیت کا مال یا قیمت سے لینی چاہئے۔ شیر دار اور حاملہ جانور نہ لینے چاہئیں اس سے اُن کا بہت نقصان ہوتا ہے[۳]

غرض تمام امور میں اور ہر ایک قسم کی ضروریات کے متعلق جزئیات تک ہدایتیں فرماتے تھے جو انصاف اور عدل پر مبنی ہوتی تھیں عمال کے واسطے پہلا ضابطہ اور دستور العمل اور قانون کتاب

[۱] ازالۃ الخفا باب سیاست [۲] ازالۃ الخفا باب سیاست۔ [۳] ازالۃ الخفا باب کلمات حضرت عمر رضہ

اور سنت تھے اسکے بعد حضرت عمرؓ کی ہدایات اور قواعد تھے جو وہ مقرر کرکے انکو اطلاع دیتے تھے اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور طریق کے نظائر تھے جن سے وہ آگاہ ہوتے رہتے تھے اور اس کے بعد ضرورتاً وہ اپنے فہم اور رائے اور قیاس کو کام میں لاتے تھے جس پر نظر ثانی اور مرافعہ کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ گویہ دستورات ابھی سادہ اور ابتدائی حالت میں تھے مگر عدل اور انصاف اور امن اور آسایش کے واسطے جو اُن کی غرض تھی پوری ضمانت تھی۔

امیروں اور عاملوں کے تقرر اور اُن کو ہدایتیں کرنے کے بعد حضرت عمر کا کام اُن کی نگرانی اور خبر گیری کرنے کا تھا جو وہ عجیب و غریب طریقہ میں ہر ایک ممکن وسیلہ سے کرتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ "جو عامل میرے عاملوں سے کسی پر ظلم کرے اور مجھ کو اُس کے ظلم کا حال معلوم ہو جائے اگر اُس کی اصلاح نہ کروں تو وہ ظلم میں نے ہی کیا ہوگا"۔ پس وہ نگرانی اور خبر گیری میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ نگرانی کے مختلف طریقوں میں سے ایک عمدہ تدبیر حضرت عمر کی یہ تھی کہ حج کے وقت تمام صوبوں کے امیر حج کرنے کے واسطے مکہ آتے تھے اور عامہ مسلمین بھی جمع ہوتے تھے سب کو اپنے حالات عرض کرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ مدینہ کے راستہ سے واپس ہوتے ہوئے ان امیروں کو اپنے صوبہ کے حالات اور ضروریات بیان کرنے اور حضرت عمر کو ہدایات جاری کرنیکا مزید موقع ملتا تھا۔ بقول سرولیم میور کے درحقیقت یہ موقع لوکل گورنمنٹ کی زبانی سالانہ رپورٹ سُنا دینے کا بہت ہی عمدہ کام دیتا تھا[1]۔ حضرت عمرؓ نے اُن برکتوں سے جو خداوند تعالیٰ نے حج کے پُر حکمت فرض میں رکھی تھیں اس عملی صورت میں ایسا قیمتی فایدہ اُٹھانے کی ایک عمدہ تدبیر نکالی تھی۔

اس کے سوا نگرانی کی غرض کے واسطے اپنے اور صوبوں کے عہدہ داروں کے درمیان ایلچی اور کارندہ اور جاسوس اور اُن کے حال کی نگرانی کرنے کے واسطے خاص لوگ مقرر کئے تھے جو عموماً انکو خبریں دیتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ جو موقع اُن کے دریافت حال کا ملتا اُس سے بھی

---

[1] انلس آف خلافت صفحہ ۲۶۳۔

فایدہ اُٹھاتے تھے جو مسلمان مختلف صوبوں سے مدینہ کو آتے تھے اُن سے صوبہ کے امیر کا حال اپنے طور پر دریافت کر لیتے تھے اگرچہ ہر ایک شخص کے واسطے اپنی سادگی اور سادہ اطوار اور خورش اور پوشش میں اعتدال رکھنے کا عام طور پر تاکیدی حکم تھا مگر عاملوں اور امیروں کو چونکہ ایسے عادات اور اطوار کو چھوڑ دینے اور تعیش اور آرام طلبی میں پڑ جانے کا زیادہ موقع تھا اسلئے اُنکی اس امر میں خاص نگرانی کرتے تھے اور خصوصیت سے اقرار بھی لے لیتے تھے۔

ایک دن کسی شخص نے شکایت کی کہ عیاض بن غنم تیری شرطوں کو پورا نہیں کرتا ہے۔ باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے۔ حضرت عمر نے محمد بن مسلمہ کو جو عاملوں پر اُن کی طرف سے قاصد مقرر تھا بلایا اور حکم دیا کہ عیاض کو تو جس حالت میں پائے میرے پاس لے آ۔ چنانچہ قاصد نے جا کر دیکھا تو واقعی دروازے پر حاجب تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ قاصد کے پیغام سے مطلع ہو کر اُس نے کچھ فرصت چاہی مگر نہ دی گئی اور اُسی حال میں حضرت عمر رضہ کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمر نے اُس کے باریک کپڑے اُتروا کر اُون کا کرتہ اُسکو پہنایا۔ ہاتھ میں ایک عصا پکڑا دیا اور ایک بکریوں کا ریوڑ چرانے کے واسطے اُس کے سُپرد کر دیا۔ گرمی کا موسم تھا تنگ ہوا اور چلا اُٹھا کہ "الموت خیرٌ من ہٰذا" حضرت عمر نے کہا کہ تیرے باپ کا نام تو غانم (گڈریا) تھا اور بکریاں چراتا تھا تو اُسکو اور میری ہدایات اور اپنے اقرار کو بھول گیا غرض اُسکو حکومت سے معزول کر دیا[۱]

حضرت عمر رضہ اپنے عمال کو بعض وقت اتنے قصور پر بھی معزول کر دیتے تھے کہ مریضوں کی عیادت یا خبر گیری نہ کرتا ہو اور مفلس لوگ اُسکے پاس دخل نہ پا سکتے ہوں[۲]

کسی عمال کا اپنے واسطے جاگیر وغیرہ پیدا کرنا جس کی عام ممانعت تھی ایسا ہی قصور تھا یعلی بن امیہ کی نسبت جو یمن کے بعض شہروں پر امیر تھا اسی قسم کی شکایت گذری تو اُسکو حکم بھیجا کہ مدینہ تک پاؤں چلتا آوے پانچ چھ دن کا راستہ وہ پاؤں چلا تھا کہ حضرت عمر رضہ کے وفات پانے کی

---

۱-۲ ازالۃ الخفا باب سیاست -

خبر پاکر وہ سوار ہو لیا[۱]

اپنے عمال کی نسبت وہ بداخلاقی کے شبہ کو بھی روا نہیں رکھتے تھے نعمان بن عدی کو اُنہوں نے میسان کا امیر مقرر کیا۔ اُس نے اپنی عورت کو میسان کی طرف ساتھ لے جانا چاہا مگر اُس نے انکار کیا۔ نعمان نے وہاں پہونچ کر ایک خط میں کچھ اشعار اپنی عورت کو ترغیب دینے کے واسطے لکھے جنکا مضمون اس قسم کا تھا کہ تیرا خاوند چینی اور کانچ کے پیالوں میں پانی پیتا ہے۔ گاؤں کے دہقان اور حسین عورتیں اُس کو گانا سُناتی ہیں وغیرہ۔ حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوگیا اور اُسکو معزول کر کے واپس بُلا لیا۔ اُسنے مدینہ آکر عذر کیا کہ میں کسی ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہوا صرف اشعار میں یہ بیان کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہی صحیح ہوگا مگر تجھ کو ہمیشہ کے واسطے عامل بنانا ضروری نہیں ہے[۲]

بعض بیرونی مصلحتوں کے خیال کا اظہار اُن کو اپنے خیالات سے روک بھی دیتا ہو مگر یہ شاذ واقعہ ہے جو ہر ایک سے نہیں ہو سکتا تھا۔ یزید بن ابی سفیان جب فوت ہوگیا تو اُس کی جگہ اُس کے بھائی معاویہ کو شام میں امیر مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ شام کے سفر میں جب وہاں پہونچے اور معاویہ بڑے لشکر کے ساتھ اُن کو آکر ملا۔ حضرت عمرؓ کی نظروں میں یہ بات کھٹکی اُسکی نسبت یہ بھی سُنا تھا کہ وہ دروازے پر حاجب رکھتا ہے۔ اُس سے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتا ہے معاویہ نے جواب دیا کہ شام کا ملک جہاں میں رہتا ہوں اس قسم کا ہے کہ دشمن کے جاسوس وغیرہ بہت آتے ہیں۔ میں اس امر کو پسند کرتا ہوں کہ سلطان کی عزت کو اس طرح ظاہر کروں جس سے لوگ ڈریں اگر آپ حکم دیں گے تو میں ایسا کروں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تیری باتیں ایسی مدلل ہی ہوتی ہیں۔ جو کچھ تو نے کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو ایک معقول رائے ہے اگر جھوٹ ہے تو دانا کی فریب دہی ہے[۳]

اپنی گشت میں بھی لوگوں سے اُن کے امیروں کا حال پوچھتے رہتے تھے ایکدن اہل حمص سے

۱؎ ازالۃ الخفا باب سیاست ۲؎ ازالۃ الخفا باب سیاست صفحہ ۲۴ ۳؎ ازالۃ الخفا باب سیاست۔

اُن کے امیر کا حال پوچھا اُنھوں نے بیان کیا کہ یا امیر المومنین وہ امیر اچھا ہے مگر اتنی بات اُس نے کی ہے کہ اپنے رہنے کے واسطے بالاخانہ بنایا ہے حضرت عمرؓ نے اُسکو مدینہ بُلالانے کے واسطے خط دیکر قاصد بھیجا اور کہا کہ اُس کے بالاخانہ کے دروازے کو جلا دینا۔ قاصد نے جب وہاں پہونچکر دروازہ جلانے کے واسطے لکڑیاں اکٹھی کیں تو لوگوں نے امیر کو خبر کی۔ وہ قاصد سے ملا اور خط اُس کے ہاتھ سے لیا اور اُسی گھوڑے پر سوار ہوکر مدینہ کو روانہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے تنبیہاً اُس کو یہ سزا دی کہ تین دن دھوپ میں کھڑا رکھا اور چوتھے دن اُسے ساتھ لے کر صدقہ کے جانوروں کے مکان کی طرف گئے اور اُسے کہا کہ اِن اونٹوں کو پانی پلا اور جب تک وہ تھک نہ گیا اُسے نہ چھوڑا۔ پھر پوچھا اے ابن فرط۔ اِس کام کو تونے کتنی مدت کیا ہے اُس نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین بہت مدت تک۔ کہنے لگے کہ اِس لئے تو نے بالاخانہ بنایا ہے کہ مسلمانوں اور یتیموں اور رانڈوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے۔ خبردار پھر ایسا عمل نہ کیجو اُسے اپنی حکومت پر واپس بھیجدیا۔[1]

اگرچہ حضرت عمر سادگی اور قدیم سادہ اطوار وعادات کے قایم رکھنے کی تاکید کرتے تھے مگر اُسکو ایسے درجہ پر پہونچا ہوا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے جو لوگوں کی نظروں میں ذلیل اور خوار دکھائی دے۔ یمن کا ایک عامل جب ایک دفعہ اُن کے پاس آیا تو ایک قیمتی چادر اوڑھے ہوئے تھا بالوں میں تیل لگائے ہوئے اور کنگھی پھیرے ہوئے تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُسکو اُون کے کپڑے پہنا دیئے جائیں۔ اُن کی حکومت کا جب حال دریافت کیا تو بہت عمدہ معلوم ہوا اور اُسکو واپس بھیجدیا۔ دوسری دفعہ جب وہ آیا تو اُسکے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر گرد وغبار پڑا ہوا تھا کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہمارے عاملوں کو ایسے حال میں بھی نہیں رہنا چاہئے کہ کپڑے میلے اور پھٹے ہوں اور بال بکھرے ہوئے ہوں۔ کھاؤ اور پیو اور تیل لگاؤ تم جانتے ہو میں کون سی بات کو بُرا جانتا ہوں۔[2]

---

[1] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت۔ [2] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

امیر اور مختلف کاموں کے عامل اپنے اپنے کام کے ذمہ دار اور خود مختار تھے۔ معلمان مذہب کسی کی تابعداری سے آزاد اور خود مختار تھے۔ ایک دفعہ معاویہ اور عبادہ بن صامت کے درمیان کسی امر میں اختلاف اور تکرار ہوگیا۔ معاویہ نے اسکو سخت سست کہا۔ عبادہ ناراض ہوئے اور شام سے چلے آئے کہ معاویہ کے ساتھ ایک جگہ کبھی نہ رہیں گے۔ جب مدینہ پہونچے تو حضرت عمر نے اُن کے چلے آنے کی وجہ دریافت کی اُنھوں نے تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت عمر نے اُن کو کہا کہ اپنے کام پر واپس چلے جائیں کہ ملک کو اُن کی ضرورت سب سے زیادہ ہے اور معاویہ کو لکھا کہ عبادہ پر تیری کسی قسم کی حکومت نہیں ہے[1]

عاملوں کے صحیح الحواس اور تندرست ہونے کا بھی خیال رکھتے تھے مگر ساتھ ہی اُن کے اوصاف کی قدر کرتے تھے۔ سعید بن عامر جمحی کو شام میں عہدہ دے کر بھیجا۔ کچھ عرصہ بعد سُنا کہ اسکو مرگی آتی ہے اسکو واپس بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو اپنی پوری سادہ حالت میں تھا ایک پیالہ اور ایک توشہ دان اُسکا کُل اسباب تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ تیرے بیہوش ہو جانے کی خبر کہاں تک صحیح ہے اُس نے جواب دیا کہ جب خبیب سولی پر چڑھایا گیا تھا تو میں حاضر تھا اُس نے قریش کے حق میں بد دُعا کی جن میں میں بھی تھا جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو ناطاقتی سے بیہوش ہو جاتا ہوں حضرت عمرؓ نے یہ سُنکر اُسکو اپنے عہدے پر واپس جانیکو کہا مگر اُسنے اصرار سے انکار کیا اور حضرت عمرؓ نے معاف کر دیا اور بعض روایات میں اُسکو حمص کا امیر بنا کر بھیجا[2]

حضرت عمر کے اچھے عاملوں کا نمونہ جیسے کہ اُن کے اکثر عامل تھے عمیر بن سعد انصاری کے حالات سے دیکھا جا سکتا ہے۔ عمیر کو اُنھوں نے حمص کا امیر بنا کر بھیجا جہاں وہ ایک سال تک رہا مگر اس عرصہ میں کوئی خبر نہ آئی تو حضرت عمر نے خط بھیجکر اُسے بُلا بھیجا وہ اپنا توشہ دان اور پیالہ اور لوٹا اور عصا لئے ہوئے پاؤں چلتا ہوا مدینہ پہونچا سفر میں چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ مُنہ پر گرد و غبار جما ہوا تھا اور بال بڑھے ہوئے تھے جب وہ حضرت عمرؓ کے سامنے پہونچا حضرت عمرؓ نے

---

[1-2] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

اُس کا حال پوچھا اُس نے کہا یہی حال ہے جس میں آپ دیکھتے ہیں۔ اُس سے پوچھا کہ تو پیادہ کیوں آیا ہے اگر تیرے پاس اپنی سواری نہ تھی تو کسی سے مانگ لی ہوتی اور مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ وہ تجھے سواری دیتے اُس نے جواب دیا کہ نہ میں نے کسی سے مانگی اور نہ کسی نے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ بُرے مسلمان ہیں۔ عمیر نے جواب دیا آپ بُرا کیوں کہتے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تو نے اپنی حکومت میں کیسا عمل کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ آپ کے بتائے ہوئے پر عمل کیا جو کچھ آپ نے لکھا اُس پر بھی عمل کیا۔ شہر میں صالحین لوگوں کو مال جمع کرنے پر مقرر کیا اور محل مناسب پر خرچ کیا۔ اگر اُس میں سے کچھ بچتا تو آپ کے پاس لے آتا حضرت عمرؓ نے کہا تو تو کچھ نہیں لایا۔ اُس نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُسے پھر امیر بنا کر بھیجنا چاہا۔ مگر اُس نے عذر کیا اور کہا کہ میں اس کام کو نہیں کروں گا۔ نہ اب اور نہ پھر کبھی۔ میں نے ایکدن ایک ذمی نصرانی کو کہا تھا کہ "اللہ تجھے خوار کرے"۔ اور آج تک پچتاتا ہوں کہ میں نے کیوں کہا اگر تو مجھے امیر نہ مقرر کرتا تو میں کیوں ایسا لفظ کسیکو کہتا۔ وہ دن بُرا تھا جس روز میں تیرے پاس آیا تھا۔ عمیر اجازت لے کر اپنے گھر کو جو قبا میں تھا چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ دنوں کے بعد حارث کو سو دینار دے کر عمیر کی طرف بھیجا اور اُس کو کہا کہ یہ دینار لے کر عمیر کے پاس جا۔ اگر تو اُس کو آسودہ پائے تو دینار واپس لے آئیو اور اگر تنگ حال میں پائے تو اُس کو دے دیجو حارث جب عمیر کے گھر پہونچا وہ دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوا اپنے کپڑے صاف کر رہا تھا۔ حارث اُس سے ملا اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگا اور بتایا کہ میں مدینہ سے آیا ہوں۔ عمیر نے پوچھا کہ تو نے امیر المومنین کو کس حال میں چھوڑا اُس نے جواب دیا اچھے حال میں۔ پھر پوچھا مسلمانوں کا کیا حال ہے کہا اچھا ہے۔ غرض حارث وہاں تین دن تک رہا اور دیکھا کہ جو کی روٹی اسی قدر اُن کو میسر آتی ہے جتنی وہ اُسکو کھلا دیتے ہیں اور خود بھوکے رہتے ہیں اور اب تنگ آگئے ہیں۔ حارث نے وہ دینار نکالے اور کہا کہ یہ امیر المومنین نے تمہارے پاس بھیجے ہیں ان کو اپنے کام میں لاؤ اور اپنی گذر کرو۔ عمیر چلا کر کہنے لگا ان کو لے جا مجھے ان کی حاجت نہیں ہے۔ مگر اُس کی عورت کے کہنے سے اُس نے لے لئے اور فوراً باہر جا کر مسکین لوگوں

میں تقسیم کردیئے۔ حارث حضرت عمرؓ کے پاس لوٹ آیا اور سب کیفیت بیان کی۔ کچھ عرصہ کے بعد عمیر فوت ہوگیا تو حضرت عمر کو بہت رنج ہوا اور اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو ساتھ لیکر بقیع غرقد کی طرف پاؤں چلتے گئے۔ حضرت عمر کہتے تھے کہ لوگوں کو مختلف خواہشیں ہونگی مگر مجھ کو یہی خواہش ہے کہ عمیر جیسا شخص مجھ کو ملتا کہ مسلمانوں کے کام میں اُس سے مدد لیتا۔[1] اس قسم کے تھے حضرت عمر کے عامل اور اس طرح سلوک کرتے تھے اُن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمر اُن عاملوں سے بہت خوش ہوتے تھے جو اپنے صوبہ سے مال کم جمع کرکے لاتے تھے کیونکہ جو زیادہ لاتے تھے اُن پر زیادہ ستانی کا شُبہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ابوہریرہ جنکو بحرین پر عامل بناکر بھیجا تھا پانچہزار کی ایک تھیلی لائے تو حضرت عمر نے کہا کہ اتنا مال اور کوئی جمع کرکے نہیں لایا اس میں یتیموں اور بیواؤں اور مظلوموں کا مال ہوگا۔ ابوہریرہؓ نے رنجیدہ ہوکر کہا کہ یہ نہیں ہے آپ تحقیق کرلیں اور خرچ میں دوں گا۔[2] اسی قسم کے حالات اور واقعات اُن کی نگرانی۔ خبرگیری عمال کے ہیں۔

کوفہ اور بصرہ کے نو آباد شہروں میں مختلف اقوام و قبائل کے لوگ جمع تھے اُنکا زیادہ وقت بیکاری میں گذرتا تھا اور بیکاری کے مشاغل انتظامی امور میں خلل انداز ہوتے تھے اسی سبب سے حضرت عمر کو کوفہ اور بصرہ کے انتظام اور امیروں اور عہدہ داروں کے تقرر کی طرف خاص توجہ کرنی پڑتی تھی اور بعض خاص واقعات نے بھی اُن کے انتظام کو خاص توجہ کے لائق بنا دیا تھا۔ عتبہ کی وفات پر حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو بصرہ کا امیر مقرر کیا تھا۔ ابوبکرہ ایک شخص بصرہ میں مغیرہ کے مکان سے ملے ہوئے مکان میں رہتا تھا۔ مغیرہ کی نسبت اسکو معلوم ہوا کہ بنی ہلال میں سے ایک بیوہ عورت کو جس کا نام خلہ تھا بغیر نکاح کے اپنے پاس بُلاتا ہے۔ ایک دن اُس عورت کو آتے دیکھ کر اپنے چند دوستوں کو اپنے گھر بلالیا اور ایک روزن سے جو مغیرہ کے مکان اور اُس کے گھر کی درمیانی دیوار میں تھا اُنکو مغیرہ کو ایک غیر منکوحہ عورت سے زنا کرتے ہوئے دکھا دیا۔ نماز کے وقت جب مغیرہ امامت کیواسطے

[1] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ [2] ازالۃ الخفا باب سیاست۔

کھڑا ہونے لگا تو ابوبکرؓ نے کھینچ کر پرے کر دیا اور کہا کہ فاسق اور زانی کے واسطے امامت نہیں ہے مغیرہ چپ رہ گیا اور حضرت عمر کے پاس اطلاع ہوئی اُنہوں نے مغیرہ کو مدینہ طلب کیا اور ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ کا امیر مقرر کیا۔ جن الفاظ میں یہ حکم لکھا گیا وہ مختصر تحریروں کا نمونہ ہے کہ بلغنی امرعظیم و ولیت ابو موسی الاشعری عملک وسلم الیہ واقبل الی السلام مغیرہ اور ابوبکرہ معہ گواہوں کے مدینہ پہونچے۔ حضرت عمر نے گواہوں سے پوچھا کہ تم نے مغیرہ کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے اُنہوں نے کہا ہم نے ایک جامہ میں سوتے ہوئے دیکھا ہے زنا ثابت نہ ہوا اور تہمت لگانے کی سزا دینی پڑی مغیرہ معزول ہوکر مدینہ میں رہا ابوموسیٰ کی لیاقت سے انتظام میں اور ایسے ہی فتوحات جدیدہ میں بہت کچھ کامیابی ہوئی مگر اعراب کے سازشی عنصر کو بصرہ میں بہت پاکر ابوموسی نے اپنا ہاتھ مضبوط کرنے کے واسطے اصحاب رسول اللہ میں سے چند بزرگوں کے وہاں بھیجنے کی درخواست کی چنانچہ حضرت عمر نے انس بن مالک اور عمران بن الحصین وغیرہ اصحاب کو وہاں بھیج دیا۔ اس پر بھی ابوموسی الزاموں سے نہ بچ سکے اور حضرت عمر کے سامنے جوابدہی کے واسطے حاضر ہونا پڑا۔ مگر الزام مہمل تھے اور بری ہوکر اپنے کام پر چلے گئے جہاں وہ سوائے ایک سال کے جب وہ کوفہ کی گورنری پر تبدیل کرکے بھیجے گئے تھے حضرت عمر کی خلافت کے وقت تک نہایت کامیابی سے کام کرتے رہے۔[۱]

کوفہ کی حکومت کئی سال تک اُس کے بانی اور عراق عرب اور مدائن کے فاتح سعد کے ماتحت رہی لیکن حضرت عمر کی خلافت کے نویں سال میں اُس کے خلاف بھی شکایتیں پیدا ہونے لگیں غنیمت کے غیر مساوی تقسیم دلیر نہ ہونے اور جنگ میں عاجز ہونے کے اُسپر الزام لگائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ سے بھی جو امیروں کے حالات تحقیق کرنے پر متعین تھا کوفہ میں ان شکایات کی اصلیت کی تحقیق کرائی مگر بے اصل ثابت ہوئیں۔ اس الزام کا تو سعد پر کوئی اثر نہ ہوا لیکن ایک دوسری شکایت اُس کی نسبت نمازوں میں سستی کرنے کی ایسی پیدا ہوئی کہ حضرت عمر اُس کو کبھی معاف کرنے والے نہ تھے اور سعد کو معزول کر دیا۔ لیکن اُس کی نسبت جو بددیانتی اور عاجزی کا شبہ تھا

---

[۱] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۶۸۔

اُسکے دور کرنے کیواسطے سب جگہ لکھ بھیجا کہ اس قسم کا کوئی الزام اُس کے ذمہ نہیں ہے بلکہ رفع اختلاف کے واسطے اسکو بلا لیا گیا ہے [۵۱]

سعد کی جگہ عمار بن یاسر کو مقرر کیا لیکن یہ انتخاب بھی کوفہ والوں کو رضامند نہ کر سکا اور حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیا لیکن جب اُنکی نسبت بھی شکایتیں پیدا ہوتی دیکھیں تو ایک سال کے بعد بصرہ کو واپس بھیجدیا۔ کوفہ کی گورنری ایک بہت تکلیف دہ مسئلہ ہوگئی اور جابر بن مطعم کو بھیجنے کا ارادہ کر چکے تھے کہ مغیرہ اس کام کے واسطے زیادہ موزوں معلوم ہوا مغیرہ اپنے اخلاق کے مشتبہ ہونے سے معزولی کی سزا بھی پا چکا تھا اسکی لیاقت سے حضرت عمر کی باقی دہ سالہ خلافت میں کوفہ سے کوئی شکایت انتظامی نہ پیدا ہوئی۔

غرض حضرت عمر عمال اور امیروں کی نگرانی اور خبرگیری کو اپنے ذاتی فرائض کا ایک نہایت اہم حصہ سمجھتے تھے اور نہایت فکر اور توجہ سے اُنکی نگرانی کرتے تھے اُن کے اخلاق کا چونکہ رعایا پر اثر پڑتا تھا اور اُن کے واسطے عوام الناس کے درمیان ایک عمدہ نظیر اور نمونہ ہونا ضروری تھا پس اس قسم کے ادنیٰ اشتباہ پر بھی اُن کو معزول کر دیتے تھے اور اخلاقی قصور میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اُن کے تقرر میں بہت بڑی واقفیت اور مردم شناسی سے کام لیتے تھے۔ عمرو بن العاص مصر میں اور مشرقی صوبوں کے امیر اپنے فرائض امارت کے ساتھ فتوحات کو بھی وسیع کرتے جاتے تھے شرحبیل شام کے مشرقی اضلاع پر حاکم تھا اور تمام ملک میں امن اور آسایش اور عدل و انصاف کا دور دورہ تھا سرولیم میور کا قول ہے کہ "اُنکے کپتانوں اور گورنروں کا تقرر کسی ذاتی تعلق یا لحاظ و الفت سے بالکل پاک ہوتا تھا اور مغیرہ اور عمار کے سوا اُن کے تمام انتخابوں میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہوئی کوفہ اور بصرہ کے سازشی شہروں کے امیروں کی تبدیلی میں ایک قسم کی کمزوری خیال کیجاتی ہے گو ایسا بھی ہو لیکن اس سے قریش اور اعراب کے رقیبانہ اور مخالفانہ دعوے پورے ضبط اور انسداد میں رکھے گئے اور اُنکی وفات تک کسی نے اسلام میں خلل پیدا کرنیکی جرأت نہ کی۔"

[۵۱] ازالۃ الخفا باب سیاست۔

حضرت عمر اگرچہ باقاعدہ واعظ و نصیحت اور پند و موعظت سے اُس ہادیٔ اعظم کی خلیفہ ہونیکا حق ادا کرتے تھے مگر عملاً اور فعلاً بھی اُن کو مسلمانوں کی درستی اخلاق کیطرف نہایت توجہ رہتی تھی اور کسی جزوی بداخلاقی کے کے امر کو بھی روا نہیں رکھتے تھے اور فوراً انتظام و انسداد کرتے تھے مثلاً ایک رات حضرت عمر مدینہ کے بازاروں میں پھر رہے تھے کہ ناگاہ ایک عورت کی آواز آئی جو یہ شعر پڑھ رہی تھی شعر

الاسبیل الی خمر فاشربہا　　ام الاسبیل الی نظر بن حجاج

"کاش شراب کے ملجانے کی کوئی صورت ہوتی۔ یا نظر بن حجاج کے ملنے کی کوئی سبیل ہوتی"۔

جب صبح ہوئی تو حضرت عمر نے پوچھا کہ نظر بن حجاج کون ہے۔ معلوم ہوا بنی سلیم کا ایک خوبصورت جوان شخص ہے۔ اُسکو بلایا اُس کے بال خوبصورت تھے۔ نائی کو حکم دیا کہ اُنہیں مونڈ دے۔ مگر دیکھا کہ اُس کی خوبصورتی ویسی ہی ہے تو کچھ خرچ دے کر مدینہ سے باہر بھیجدیا۔ یہ شخص آخر خیانت سے متہم ہوا[۱]

جہینا کے ایک شخص کا دستور تھا کہ حاجیوں کے آنے کے زمانہ میں پیشدستی کر کے کجاوے خرید لیتا تھا اور پھر گران بیچتا تھا حضرت عمر کو جب معلوم ہوا جب اُس نے مفلسی کا اظہار کیا حضرت عمرؓ نے اُس کے قرضخواہوں کو بلا کر اُس کا مال قرضہ کی نسبت اُن میں تقسیم کر دیا اور اوس کی اس دین فروشی کی نہایت مذمت کی اور ہدایت کی کہ کوئی اس طرح پر دین فروشی اور برگشتگی کا کام نہ کرے۔

گالیاں دینے اور فحش زبان میں گفت و گو کرنے پر بھی سزا دیتے تھے ایکدفعہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو طنزاً کہا کہ میرا باپ اور میری ماں زانی نہیں ہیں حضرت عمر نے اُسکو بھی کوڑے مارے کہ اسکے سوا الفاظ میں وہ اپنے ماں باپ کی تعریف کر سکتا تھا[۲]

بغوی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر کے روبرو ایک شخص نے دوسرے کو گالی دی تو اُنہوں نے اُسے کچھ نہ کہا۔ لیکن حضرت عمر کے روبرو ایسا ہوا تو اُنہوں نے سزا دی[۳]

[۱] ازالۃ الخفا باب گذشت صفحہ ۷ [۲] ازالۃ الخفا احکام الخلافت والقضا ۱۳ [۳] ازالۃ الخفا حدود۔

زانیوں اور شراب خواروں کے تو سخت دشمن تھے آں حضرت صلعم اور حضرت ابوبکر نے تو شراب پینے کی سزا میں چالیس دُرّے لگائے حضرت عمر اسّی درے لگایا کرتے تھے اور کسی کو کسی طرح معاف نہیں کرتے تھے اپنے بیٹے کو اسی جرم میں سو درّے مارے اپنے ایک معزز رشتہ دار کو درے مارے بحرین کے امیر قدامہ کو درے مارے۔ آزاد ہو یا غلام کوئی سزا سے نہیں بچا تھا سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "اس جرم (شراب خواری) میں گورنروں کے معزول ہونے کی بھی کچھ کم مثالیں موجود نہیں ہیں۔ حضرت عمر سزاؤں کے دینے میں نہایت سخت تھے۔ اُس نے بیٹے اور نہایت دلی رفیق کو شراب خواری کے جرم میں درے لگانے کا حکم دینے میں تامل نہیں کیا۔ دمشق میں ایک دفعہ ایسی بداخلاقی ظہور میں آئی کہ ابوعبیدہ کو انصار کی ایک جماعت اور ضرار اور ابو جندل جیسے معروف شخصوں کو طلب کرنا پڑا ابوعبیدہ کو ایسے واقعہ میں قانون کی تعمیل کرنے اور سزا دینے میں تامل ہوا۔ حضرت عمر سے واقعہ عرض کیا اور لکھا کہ چونکہ سب نے اپنے گناہ سے توبہ کی ہے اُن کو معاف کر دیا جائے حضرت عمرؓ نے بڑی ناراضی سے اسکا جواب لکھا اور حکم دیا کہ ایک جماعت مسلمانوں کی اکٹھی کر کے اُن کے سامنے سب کو بلایا جائے اور پھر اُن سے پوچھا جائے کہ آیا شراب کا پینا حرام ہے یا حلال۔ اگر وہ حرام کہیں تو اسّی درے مارے جائیں اور اگر حلال کہیں تو اُن کے سر اُڑا دیئے جائیں۔ غرض ابوعبیدہ نے اسی طرح کیا اور اسّی اسّی درے سب کو مارے[۱] "

اسی خیال سے وہ اُن شاعروں کے جو اشعار میں ہجو یا جھوٹی خوشامد یا عشقیہ مضامین باندھتے تھے ہمیشہ نہایت مخالف رہتے تھے۔

ایک شاعر نے اپنے شعر میں زبرقان کی ہجو کی حضرت عمر کے پاس اُسکی شکایت گذری ثابت ہوا شعر میں ہجو کی گئی ہے شاعر کو قید کر دیا۔ آخر عبد الرحمٰن بن عوف نے اُسکی سفارش کی تو اُسکو اُس سے یہ عہد لیکر چھوڑ دیا کہ آیندہ کسیکی ہجو نہ کریگا[۲]

حطیہ شاعر کو قید سے چھوڑا تو اُسے ہدایت کی کہ شعر کہنا چھوڑ دے اُسنے کہا یا امیر المومنین

---

[۱] انلس اف خلافت صفحہ ۲۷۳ [۲] ازالۃ الخفا باب سیاست صفحہ ۳۷ و صفحہ ۲۰۸

یہ میرے کُنبہ کا گذارہ ہے میں اُسے چھوڑ نہیں سکتا اور سوائے اسکے میری زبان پر چیونٹیاں چلتی ہیں تو آپ نے کہا کہ اپنے کُنبے کی پرورش کر مگر مدح مجحفہ سے بچتے رہنا۔ اُس نے کہا کہ مجحفہ کیا ہوتی ہے تو فرمانے لگے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا اور کہنا کہ فلاں شخص فلاں سے اچھا ہے میں اُسکی مدح کرتا ہوں۔ شاعر نے جواب دیا کہ یا امیر المومنین خدا کی قسم تو مجھ سے اشعر (زیادہ شاعر) ہے[1] ایک شاعر نے ایک دن سوال کیا تو اُسے کچھ دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ خوفِ خدا سے دیتا ہوں شعر کے واسطے نہیں دیتا[2]

اسی طرح عام واقعات میں لوگوں کو بھلی باتوں کی نصیحت کرنے کا حق ادا کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ کفایت شعاری کو بھی ایسا ہی ضروری سمجھ کر لوگوں کو اُس کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک دن عبداللہ بن عمیر حضرت عمر کے پاس آیا اور اُس کا مطلب وظیفہ لینے کا تھا۔ حضرت عمر کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں عبداللہ بن عمیر ہوں۔ اُس کا باپ حُنین کے دن شہید ہوا تھا۔ حضرت عمر نے اپنے غلام یرفہ کو حکم دیا کہ اُسے چھ سو دینار دیئے جاویں۔ عمیر نے چھ سو دینار لینے میں عذر کیا تو ایک چادر اُسپر بڑھا دینے کا حکم دیا۔ عمیر نے دینار اور چادر لیکر اُس نئی چادر کو اوڑھ لیا اور اپنی پرانی چادر اُتار کر پھینک دی۔ حضرت عمر نے اُسے کہا کہ یہ غلطی کی بات ہے اپنی اِس چادر کو بھی پاس رکھ گھر کے کاروبار میں یہ کام آوے گی اور زینت کے موقعوں پر نئی چادر سے کام لینا[3] عوام کے اخلاق کو بھی جزئیات تک نگاہ رکھتے تھے اور ٹوکتے تھے۔ ایک دن ایک سایل رات کے کھانے کا سوال کرتا ہوا آیا۔ حضرت عمر نے غلام سے کہکر اُسے رات کا کھانا دلوا دیا اسکے بعد عشا کے پیچھے صدقہ کے اونٹوں کی طرف گئے تو اُس سایل کو وہی رات کے کھانے کا سوال کرتے ہوئے دیکھا آپ نے پوچھا کہ کیا اسکو کھانا نہیں دیا گیا۔ غلام نے کہا کہ دیدیا تھا اُس سایل کو پاس بُلا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُس کے پاس روٹیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا ہے آپ نے کہا کہ یہ سایل نہیں ہے تاجر ہے اور روٹیاں اُسکی اونٹوں کو کھلا دیں۔ گویا اُس کے سوال کرنے کی بد عادت کو کھونا چاہا[4]

---

[1] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ ۱۹۴ [2] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمر ص ۱۹۶ [3-4] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

اسی طرح دین میں ایک نہایت قیمتی نصیحت ایکدفعہ اصلاح خلاق کی کی۔ معرور بن سوید بیان کرتا ہے کہ ایکدفعہ حج میں ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ گئے۔ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر اُنہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک مسجد کی طرف دوڑے جا رہے ہیں پوچھا کہ اسکا کیا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ ادھر ایک مسجد ہے جسمیں آنحضرت صلعم نے نماز پڑھی تھی لوگ اُدھر جا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پُکار کر آواز دی اور کہا اسی طرح تمہارے سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہوئے اُنہوں نے اپنے انبیا کے آثار کو معبد بنا لیا۔ جس شخص کو جس مسجد میں نماز پیش آئے وہاں پڑھے ورنہ اپنا راستہ لے۔[1]

اعتقادی امور میں بعض وقت وہ نہایت حکمت سے کام لیتے تھے مصر میں آبپاشی کا مدار دریائے نیل کی طغیانی پر تھا۔ اور لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جبتک ایک کنواری لڑکی کی بھینٹ دریا کو نہ دی جائے دریا نہیں چڑھتا۔ پس ایک لڑکی کو دُلھن بنا کر اور آراستہ کر کے دریا کی بھینٹ دیتے تھے مصر کو جب مسلمانوں نے فتح کر لیا تو قبطیوں نے اپنی پُرانی رسم ادا کرنی چاہی۔ عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں دریائے نیل کے نام ایک خط لکھ کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر تیرا چڑھاؤ تیرے اختیار میں ہے تو ٹھہرا رہ اور اگر خدائے قادر مطلق کا اختیار ہے تو ہم اُس سے دعا کرتے ہیں کہ تیرے پانی چڑھیں اور پھیلیں۔ اور لکھا کہ اِس خط کو دریا میں پھینک دیا جائے اور بھینٹ دینے سے روکا جائے۔ دریا حسب معمول طغیانی پر آ گیا اور وہ بد اعتقاد لوگوں کا جاتا رہا۔ اور درحقیقت ایسے موقع پر ایسی ہی حکمت عملی سے کام چلتا ہے۔ مسٹر لین مصر کی اس رسم کا ذکر کرتا ہے مگر اُس کا بیان ہے کہ ایک کنواری لڑکی کی مورت بنا کر اور اُس کو دُلہن کی مانند سجا کر دریا میں پھینکتے تھے۔ بہرحال اسلام کسی ایسے مشرکانہ خیال کی چونکہ اجازت نہیں دیتا۔ حضرت عمرؓ نے عمدہ تدبیر سے کام لیا۔ سر ولیم میور بھی مانتے ہیں کہ اس واقعہ سے مسلمانوں کا وہ اعلیٰ وصف ظاہر ہوتا ہے جو ہر امر میں خدا کی قدرت کے یقین کا اُن میں ہے۔[2]"

---

[1] ازالۃ الخفا کلمات۔ [2] انسراوف خلافت صفحہ ۲۴۶

حضرت عمرؓ کی کثرت ازدواج اور لونڈی غلام رکھنے کے خیال کی مخالفت کو اسی ضمن میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک جماعت اُن کے پاس آئی اور کنبہ کی کثرت اور مفلسی کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم نے خود ہی اپنے لئے یہ پیدا کیا ہے تم نے گھروں میں جوروین جمع کیں اور اللہ کے مال سے نوکر رکھنے لگے۔ گویا ان کو مفلس کرنے والے اسباب کو وہ خوب جانتے تھے اور اسکے مخالف تھے۔

حضرت عمرؓ کی ایک عجیب و غریب عادت اور دستور یہ تھا کہ جب لوگوں کو کسی امر کی ممانعت کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو پہلے اپنے اہل و عیال کو جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں فلاں امر سے لوگوں کو منع کرنا چاہتا ہوں لوگ تمہاری طرف اسطرح دیکھیں گے جیسے جانور گوشت کی طرف دیکھتا ہے واللہ تم میں سے کسیکو یہ کام کرتے ہوئے نہ دیکھوں ورنہ سخت عذاب دونگا غرض گھر سے اصلاح شروع کرتے تھے اور تب عوام کو منع کرتے تھے[1]

غرض حضرت عمرؓ کی درستی اخلاق و اطوار کی طرف توجہ صرف نہیں واقعات سے نہیں ظاہر ہوتی بلکہ اور بے شمار واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اپنے اس فرض کو وہ کسقدر سعی اور توجہ سے ادا کرتے تھے۔

خاص و عام واقعات پر بھی نیکی اور نیک روی کی ترغیب دیتے تھے ۱۹ سنہ ھ میں حضرت عمرؓ کی خلافت میں ایک خاص واقعہ ہوا کہ مدینہ کے نزدیک ایک پہاڑی سے جسکا نام لیلا تھا آگ اور دھواں نکلنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے غربا اور مساکین کے درمیان خیرات تقسیم کرنیکا حکم دیا۔

حضرت عمرؓ کے سفروں کو بھی ہم اُن کے فرائض کے ضمن میں بیان کر سکتے ہیں۔ اُن کا پہلا سفر ۱۵ سنہ ھ میں یروشلیم کی طرف تھا جس کے مسلمانوں کے حوالہ کرنیکے واسطے خود حضرت عمرؓ کے وہاں تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ بالغ اعتراضوں پر عمل نہ کرکے بلا خوف و تردد فوراً شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جابیا میں پہنچنے پر ابو عبیدہ یزید اور خالد انکی آمد کی خبر پاکر

[1] ازالۃ الخفا۔

استقبال کے واسطے آئے۔ بڑے تزک و احتشام سے خوشنما لباس پہنے ہوئے اور آراستہ کئے ہوئے گھوڑوں پر سوار یہ سردار اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آرہے تھے۔ حضرت عمر اس شان و شوکت کی سامان کو دیکھ کر غصہ سے بھڑک اُٹھے اور جھک کر سنگریزوں کی ایک مٹھی بھر کر اُن کے مونہہ پر ڈالی اور کہا کہ تم ایسے لباسوں میں مجھ سے ملنے کے واسطے آئے ہو۔ کیا دو ہی سالوں میں تم اسقدر بدل گئے ہو۔ بخدا اگر دو سو برس کے بعد بھی تم ایسا کرتے تو تم ذلیل کئے جانے کے لایق ہوتے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یا امیر المومنین یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں اوپر ہی اوپر ہے۔ اُنھوں نے کپڑوں کو اُتار ڈالا اور دکھایا کہ نیچے اپنا فوجی لباس پہنے ہوئے تھے۔ مگر حضرت عمر کی ناراضی اس عذر سے بھی رفع ہوئی اور فرمایا کہ بس جاؤ اور وہ جابیہ میں اُتر پڑے۔ بطریق یروشلیم کی سفارت نے جب شرائط صلح طے کرلیں اور عہد نامہ لکھا گیا تو عمرو بن العاص اور شرحبیل بھی حصول ملازمت کے واسطے حاضر ہوئے حضرت عمر آگے بڑھ کر اُن سے جا ملے۔ اُنھوں نے حضرت عمر کی رکاب کو بوسہ دیا اور حضرت عمر نے اُتر کر اُن کو گلے سے لگایا۔ اور سرداروں کو تو حضرت عمر نے اپنے اپنے کام پر رخصت کر دیا اور عمرو بن العاص اور شرحبیل کو ساتھ لیکر یروشلیم کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر سے اُن کے اُن سرداروں نے گھوڑے پر سوار ہونے اور شاید اپنے کپڑوں کو تبدیل کرنے کی درخواست کی اُنھوں نے اُس کو منظور کیا اور اُن کے واسطے ایک گھوڑا لایا گیا اور اُن کے اُون کے کپڑے اُتروا کر جس میں چودہ پندرہ پیوند لگے ہوئے تھے اُن کو سفید پوشاک پہنائی گئی۔ شام کا گھوڑا اچھا اور وہیں کا سکھایا ہوا وہ خراماں چلنے لگا اور اُس کے گھنگروں کی آواز آنے لگی۔ حضرت عمرؓ کو یہ حرکت جس سے سوار کے تکبر کا وسوسہ ہوتا تھا بُری معلوم ہوئی اور کہنے لگے کہ اس جانور کو کیا تکلیف ہے اور کس نے اسکو یہ عجیب حرکت سکھلائی ہے۔ پس اُس گھوڑے سے اُتر پڑے اور پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے۔ یروشلیم میں پہونچ کر بطریق اور عیسائیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کا ذکر آیندہ ہوگا۔ جس کام کے واسطے اُنھوں نے یہ سفر اختیار کیا تھا اسکو بخوبی

---

سلہ الفاروق خلافت صفحہ ۲۱۸۔

سرانجام کرکے وہ مدینہ کو لوٹ آئے۔ دوسری دفعہ وہ شام کی بغاوت کے واقعہ سے متردد ہوکر پھر شام کی طرف روانہ ہوئے تھے مگر جابیا میں پہونچ کر اُن کو بغاوت کے فرو ہونے کی خبریں ملیں اور وہیں سے مدینہ کو واپس آئے۔

تیسری دفعہ وہ شام کی وبا کے خوفناک زمانہ میں شام کی طرف روانہ ہوئے تھے مگر اِس دفعہ بھی راستہ سے لوٹ آئے۔

چوتھی دفعہ وہ وبا کے دور ہونے پر مدینہ سے ۱۸ سنہ ھ میں اِس ارادے سے روانہ ہوئے کہ تمام ممالک مفتوحہ میں سفر کریں اور رعایا اور عمال کے حال کو بچشم خود دیکھیں۔ شام میں چونکہ اُس بیرحم وبا کے ہاتھوں سے بے اندازنقصان ہوگیا تھا اور متوفی مسلمانوں کے ترکوں کی تقسیم اور انتظام کی ایک بڑی دقت درپیش تھی وہ اپنے درد بھرے دل سے پہلے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ قیصر اور کسرےٰ کے ملکوں کے مالک ایک اونٹ پر سوار تھے اور غلام بھی اُسی سواری میں اُن کا شریک اور حصہ دار تھا کہ باری باری سے اُسپر سوار ہوتے تھے[1] ایلہ میں جو عیسائیوں کا ایک شہر راستہ میں تھا پہونچے تو شہر کے لوگ امیرالمومنین اور اُس کی آمد کے سامان کو دیکھنے کے واسطے غول کے غول شہر سے نکلے اور حضرت عمر ہی سے جو آگے جارہے تھے پوچھا کہ حضرت عمر کہاں ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا "هو امامكم" کہ وہ تمہارے آگے ہے لوگوں نے سمجھا کہ خلیفۂ اعظم کہیں پیچھے آرہے ہیں وہ اور آگے بھاگے ہوئے چلے گئے اور حضرت عمر اکیلے بڑھے ہوئے اسقف ترسا کے گھر میں دوپہر بھر آرام کرنیکے واسطے جا اُترے اور پھر وہاں سے روانہ ہوکر جابیا ہوکر شام میں پہونچے تمام شہروں کو جن میں مسلمان اور عمال تھے دورہ کرکے دیکھا۔ انتظام میں جو تغیر و تبدل ضروری معلوم ہوا کیا اور امیروں اور عہدہ داروں کو نصیحتیں اور ہدایتیں کیں۔ جن لوگوں کے ترکوں اور مال واسباب کی تقسیم کی نسبت تنازعات اور دعوے تھے اُن کو فیصل کیا چونکہ یزید بن ابی سفیان والی دمشق اور ابوعبیدہ "امین الامت" والی حمص دونوں وفات پاگئے تھے معاویہ کو

[1] ازالۃ الخفا تصرف وسلوک۔

شام کا امیر مقرر کیا۔ غرض مختلف امور کے انتظام اور تمام شہروں کے اندر دورہ کرنے میں چار ماہ تک شام میں رہنا پڑا جس کے بعد وہ مدینہ کی طرف لوٹے اور سرحد شام پر آکر شام سے جو لوگ اُن کی ہمراہ تھے اُن کو واپس کر دیا اور اُن کی اس اطمینان بخش تصدیق سے کہ جس قدر کام آپ کے کرنے کے تھے آپ سب کر چلے ہیں۔ حضرت عمرؓ مدینہ کو واپس آئے۔ ممالک مشرقی میں اب تک وبا کے پھیلے ہونے اور سفر میں اکثر شب بیداری کرنے سے آپ عراق وغیرہ ممالک میں سفر کے ارادہ کو پورا نہ کر سکے ۱؎

حضرت عمرؓ کے جماعت کے ساتھ سفر کرنے کے طریقہ کی کیفیت بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہے اُس میں بھی خاص فرائض اپنے ذمہ لیتے تھے اور اُن کو ادا کرتے تھے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر کوچ کرتے اور کوچ کرنے کے وقت لوگوں کو آواز دیتے کہ اے لوگو! کوچ کا وقت آگیا ہے۔ جو لوگ اُن کے قریب ہوتے اور اُن کی آواز کو سُنتے وہ پُکار کر دوسرے لوگوں میں کہہ دیتے کہ امیر المومنین رضؓ آواز دیتے ہیں۔ اُٹھ کھڑے ہو کجاوے باندھو اور کھانے پینے کا سامان درست کر لو پھر دوسری دفعہ حضرت عمرؓ آواز دیتے تو لوگ پکارتے کہ سوار ہو جاؤ امیر المومنین نے دوسری آواز دی ہے۔ جب لوگ اسباب باندھ لیتے تو حضرت عمرؓ اُٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے اونٹ پر اپنا اسباب لادتے اسباب اُن کا سفر میں دو تھیلے ہوتے تھے جن میں سے ایک میں ستو اور دوسرے میں خشک کھجوریں بھری ہوئی ہوتی تھیں اور سامنے کی طرف ایک پانی کا مشکیزہ اور ایک بڑا پیالہ بندھا ہوا ہوتا تھا جب کہیں اُترتے تو اُسی پیالہ میں ستو گھول کر اپنا چمڑے کا دستر خوان بچھا کر جو شخص اُن کے پاس بیٹھا ہوتا اُسکو شریک کر کے کھاتے تھے۔ جب لوگ کوچ کر جاتے تو اُس پڑاؤ کے مقام پر جہاں لوگ ٹھیرے ہوئے ہوتے تھے جاتے اور پھر کر دیکھتے کہ اگر کسی کا کچھ اسباب رہ گیا ہو تو اُسے سنبھال لیں۔ اور رستہ میں اسی خیال سے باقی جماعت کے پیچھے پیچھے چلتے تھے کہ اگر کسی کا کچھ اسباب گر جاوے تو اُسے اُٹھا کر لیتے آویں۔ کسی شخص کی سواری کا اونٹ اگر لنگڑا

۱؎ انسائیکلوپیڈیا خلافت صفحہ ۲۳۶ و ۲۳۷۔ وطبری صفحہ ۲۹۰۔

ہو جاتا۔ یا تھکن سے مر جاتا تو اُس کی مدد کرتے اور اُس کو ساتھ لئے ہوئے آہستہ آہستہ پہونچتے جب اگلے دن کی شام کو آپ منزل پر پہونچتے تو اونٹ کی چاروں طرف لوگوں کی چیزیں لٹکی ہوئی ہوتیں اور جس کسی کا اسباب گم ہوا ہوتا وہ اُن کے پاس دوڑا آتا۔ کوئی کہہ رہا ہے امیرالمومنین میرا لوٹا تھا۔ کوئی کہہ رہا ہے میری کمان تھی۔ کوئی اپنے رسے کی شناخت کر رہا ہے اور کوئی کسی چیز کو پہچان رہا ہے حضرت عمرؓ ہر ایک کی چیز اُسکو دیدیتے مگر ساتھ ہی نصیحت بھی کرتے کہ کوئی عقلمند آدمی اپنی ضرورت کی چیز کو ایسی غفلت سے کھو نہیں دیتا۔ میں کب تک رات کو جاگوں گا اور تمہاری چیزیں سمیٹتا رہوں گا آیندہ ہوشیار رہنا۔ غرض سفر میں بھی وہ مسلمانوں کی خدمت کرتے تھے اور اپنے وقت کے کسی لمحہ میں اپنے فرائض کے ادا کرنے سے غافل نہیں رہتے تھے۔

سفر میں لوگوں کے حالات کی بھی تفتیش اور تفحص کرتے تھے اور اُن کے متعلق اپنے انتظامی اور عدالتی فرائض ادا کرتے تھے مثلاً اُن کے سفر میں اس قسم کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ ایک دفعہ جب آپ ایک چشمہ پر سے گذرے جو قوم جذام کے قبضہ میں تھا تو وہاں کے لوگوں نے ذکر کیا کہ ایک شخص کی دو عورتیں ہیں اور وہ دونوں حقیقی بہنیں ایک ماں سے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُس شخص کو بُلایا اور کہا کہ ایک ناجائز امر کو تم مسلمان ہو کر کیوں کرتے ہو اُس نے جواب دیا میں اس کی ممانعت سے آگاہ نہیں تھا اور چونکہ وہ دونوں اُسکو بہت پیاری تھیں اُن میں سے ایک کو اب علیحدہ کرنے میں بھی پس و پیش کرنے لگا حضرت عمرؓ نے تنبیہ کی اور ایک کو اُس سے علیحدہ کرا دیا[۱]۔ اسی طرح ایک اور شخص کا حال معلوم ہوا کہ اُس نے ایک اور شخص کو اپنے ساتھ حصہ دار بنایا ہوا ہے کہ اُس کی عورت ایک دن اُس کے پاس رہے اور دوسرے دن اُس کے حصہ دار کے پاس۔ آپ نے اُس کو بھی بُلایا اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں بوڑھا اور ضعیف آدمی ہوں۔ ایک جوان شخص نے مجھ کو کہا تھا کہ تیرے اونٹ چرالایا کروں گا اور اُن کی ہر طرح نگہبانی کروں گا۔ اپنی عورت میں مجھے اپنے ساتھ حصہ دار بنا لے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا حضرت عمرؓ نے کہا کہ تجھے

---

[۱] فتوح الشام واقدی صفحہ ۲۸۴

معلوم نہیں کہ مسلمان کے واسطے ایسا فعل حرام اور قبیح ہے اُس نے کہا مجھے نہیں معلوم تھا اور آیندہ کے لئے اس سے توبہ کرتا ہوں[1] ایسی ہی عیسائیوں اور غیر اقوام کے ساتھ سلوک اور مروت کرنیکی روایتیں ہیں جو دوسری جگہ بیان ہوں گی۔

اس کے بعد بھی حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ تمام ممالک میں ایک بڑا دورہ کریں اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا تو ایک سال تک رعیت میں پھروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں میرے سوائے منقطع ہوتی ہیں۔ اُن کے عامل اُن کو میرے پاس نہیں بھیجتے اور بعض ایسے ہیں کہ مجھ تک پہونچ نہیں سکتے۔ دو مہینہ تک شام میں رہوں گا۔ خدا کی قسم یہ سال بہت اچھا ہوگا[2]" مگر اُن کو اپنی خلافت کے تھوڑے دنوں میں جو باقی تھے اپنے اس ارادے کو پورا کرنے کا موقع نہیں ملا۔

غرض اُن کی اس طرح پر اپنی رعایا اور مسلمانوں کی خبرگیری اور نگرانی کرنے اور اپنے بیشمار فرائض کو ادا کرنے کے حالات کہاں تک بیان کئے جائیں اگر سچ پوچھو تو اُنہوں نے اپنے اُس قول کو جو خطبہ میں فرمایا تھا سچ کرکے دکھا دیا تھا کہ "قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر کوئی اونٹ فرات کے کناروں پر ضائع ہو جاوے تو میں ڈرتا ہوں کہ خدا آل خطاب (اپنے سے مراد ہے) سے اسکا سوال کرے[3]۔"

آنحضرت صلعم کے ازواج مطہرات اور اولاد کی خبرگیری اور خدمت کو جو اُنکا جزو ایمان تھا اپنے ضروری فرائض سے مقدم جانتے تھے۔ بنی ہاشم کی فضیلت کو ہر امر میں ثابت اور قایم رکھتے تھے۔ بنی ہاشم کے ہر ایک شخص کا نکاح اپنے اہتمام اور توجہ سے کرا دیتے تھے اور جن کے پاس نوکر نہ ہوتے اُن کو خدمت گار دیتے[4] اور ازواج رسول اللہ صلعم کی جن کے بڑے وظائف ان کو کسی شے کا محتاج نہیں چھوڑتے تھے باقی امور و ضروریات میں خدمت اور خبرگیری کرتے تھے۔ جب اُنہوں نے

---

[1] فتوح الشام واقدی صفحہ ۲۰۵ [2] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ [3] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

[4] ازالۃ الخفا باب گشت

حج کرنے کے واسطے جاتا چاہا تو حضرت عثمان اور عبد الرحمن بن عوف کو اُن کے ساتھ خبر گیری اور خدمت کے واسطے روانہ کیا اور تمام قسم کی ضروری ہدایات راستہ او مقام کرنے کی اُنکو کردیں[۱] ام سلمہ نے ایک دن ایک شخص کی کہ اُن کو تنگ کرتا تھا شکایت کی تو حضرت عمر نے اُسکو سزا اور تنبیہ کی۔ غرض اپنے اس فرض کو بھی وہ ایسا ہی ادا کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق "صادق اور سعادت مند" کہلانے کے مستحق تھے

حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے جس درجہ کی محبت اور پیار کرتے غالباً یہی اُنکی محبت کی حد تھی اُنکی فضیلت اور استحقاق اعلیٰ کو کسی طرح کم نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایکدفعہ یمن سے چادریں آئیں اور حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان تقسیم کردیں چادریں بڑی تھیں اور اُن میں سے کوئی حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے لایق نہتھی تو حضرت عمر نے والی یمن کی طرف لکھا کہ اُن کے اندازہ کے موافق چادریں بنوا کر بھیجے۔ جب وہ چادریں آئیں اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے پہنیں حضرت عمر چادریں اُنپر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ جبتک یہ چادریں اُنپر نہ دیکھیں طبیعت کو خوشی نہ ہوئی[۲]

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو اکثر اپنے پاس آنے کے واسطے کہا کرتے تھے کسی روز نہ دیکھتے تو پوچھتے کہ آج تم کیوں نہیں دکھائی دیئے[۳] ایک دن حضرت عمر نے پوچھا تو وہ کہنے لگے۔ ابن عمر (عبد اللہ حضرت عمرؓ کے بیٹے) کو لوٹتے دیکھ کر میں بھی لوٹ گیا تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ ابن عمر سے میرے پاس آنے کی اجازت حاصل کرنیکے تم زیادہ مستحق تھے۔ ہماری بزرگی تو خدا کے بعد تمہیں سے ہے[۴] اسی طرح ایک دن امام حسنؓ یا امام حسینؓ گئے اور دیکھا کہ عبد اللہ اپنے بیٹے کو اسوقت اندر نہیں بلایا تو وہ بھی لوٹ گئے حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا تو آدمی بھیجکر اُن کو بلایا اور کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے تم کیوں لوٹ گئے کیا میرے سر کے بال تمہارے ہی لگائے ہوئے نہیں ہیں[۵]

ایک دن مال غنیمت تقسیم کرنے لگے تو امام حسنؓ سے شروع کیا اور اُن کو ہزار درہم دیئے پھر امام حسینؓ کو بھی ہزار درہم دیئے جب اُن کے بیٹے عبد اللہ کی باری آئی تو پانچ سو درہم اُن کو

---

[۱] ازالۃ الخفا گشت۔ [۲] ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں [۳-۴-۵] ازالۃ الخفا باب گشت۔

دینے کو کہا۔ انہوں نے کہا یا امیر المومنین میں وہی آدمی ہوں جسنے رسول اللہؐ کے سامنے تلوار ماری ہے امام حسنؑ اور امام حسینؑ دو لڑکے ہیں جو مدینہ کی گلیوں میں کھیلتے پھرتے ہیں انکو ہزار ہزار درہم دیا گیا اور مجھکو پانچسو یہ میرے حق سے کم ہیں۔ حضرت عمر جوش میں آئے اور فرمانے لگے کہ جا تو بھی اُنکے باپ جیسا باپ انکی ماں جیسی ماں اور اُن کے نانا جیسا نانا اور اُن کی نانی جیسی نانی۔ اُن کے چچا جیسا چچا اُن کے ماموں جیسا ماموں اور اُن کی خالہ جیسی خالہ لے آ۔ جسکو تو نہیں لا سکے گا۔ تجھے معلوم نہیں اُن کا باپ علی المرتضیٰ۔ اُن کی ماں فاطمۃ الزہراؓ اُن کے نانا محمد مصطفیٰؐ۔ اُن کی نانی خدیجۃ الکبریٰ۔ اُن کا چچا جعفر بن ابی طالب طیار۔ اُن کا ماموں ابراہیم بن رسول اللہؐ اور اُن کی خالہ ام کلثوم اور رقیہ رسول اللہ صلعم کی بیٹیاں ہیں؎۱، عبداللہ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمر اپنی ذات کے ساتھ تو جو سلوک کرتے تھے سو کرتے تھے اُنکا اپنی خلافت کا ایک ممتاز اور مستحکم اصول تھا کہ اپنے متعلقین اور خصوصاً اپنی اولاد کو نہ کسی پر فضیلت دیتے تھے اور نہ امور خلافت اور امارت میں اُن کو دخل دیتے تھے۔

ایک دن صحابہ رسول اللہؐ میں چادریں تقسیم کر رہے تھے ایک چادر بچ رہی تو کہنے لگے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جس نے خود اور اُسکے باپ نے ہجرت کی ہو۔ یہ چادر اُسکو دونگا۔ لوگوں نے کہا عبداللہ ابن عمر۔ آپ کہنے لگے کہ نہیں سلیط ابن سلیط ایسا ہے اور وہ چادر اسکو دیدی۔

عبداللہ ابن عمر وہ شخص تھے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فدایانہ عشق رکھنے میں مشہور اور اپنے کمال اور علم وفضل میں معروف اور سربرآوردہ تھے اور قابلیتوں میں کسی سے دوسرے درجہ پر نہ تھے مگر حضرت عمر نے کبھی کوئی کام اُن کے سپرد نہ کیا اور نہ کسی کام میں دخل دینے دیا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے اہل کوفہ کی شکایت کر رہے تھے کہ انہوں نے مجھے تنگ کر دیا ہے اگر نرم طبیعت کے شخص کو اُن کا عامل مقرر کرتا ہوں تو اُس کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ اور اگر سخت آدمی کو بھیجتا ہوں تو اُسکی شکایت کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی شخص جو قوی اور امین ہو

؎۱ ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں۔

اُس کو اُن پر عامل مقرر کروں ایک شخص نے اُن میں سے کہا کہ میں ایسا آدمی بتاتا ہوں جو قوی اور امین ہے حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کون ہے اُس نے جواب دیا کہ عبد اللہ ابن عمر۔ حضرت عمر یہ سُنکر غصہ سے بھڑک اُٹھے اور کہا خدا تجھے ہلاک کرے تو نے کوئی بھلی بات نہیں کہی۔ میں اُسکو اُن پر اور کہیں بھی عامل نہ مقرر کروں گا۔ تو ناداں ہے اس بات کو نہیں جانتا میرے سامنے سے اُٹھ جا غرض نہایت ناراض ہوئے اور وہ شخص سامنے سے چلا گیا[۱]۔

اسی طرح پر جب اپنی وفات سے پہلے اُنھوں نے اپنا جانشین مقرر کرنیکے واسطے مشورہ کیا تو مختلف آدمیوں کا ذکر ہو رہا تھا ایک شخص کے مُنہ سے عبد اللہ بن عمر کا نام نکل گیا حضرت عمر چلّا اُٹھے۔ اور کہا "اسکت قاتلك الله" خدا کی قسم تو نے یہ بات نہ خدا کے لئے کہی ہے اور نہ مسلمانوں کی بھلائی کی کہی ہے[۲]"

سر ولیم میور حضرت عمر کی طبیعت کی نسبت ایک آخری اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سادگی فرض کا ادا کرنا اُن کے دوراہنما اصول تھے اپنے بڑے عہدے کے فرائض ادا کرنے میں انصاف اور بے غرضی اور بے طرفداری اور کمال مصروفیت کے سبب سے وہ ممتاز تھے اور ذمہ واری اور جوابدہی کا اُن کی طبیعت پر اتنا بوجھ تھا کہ وہ بعض اوقات کہہ اُٹھتے تھے کہ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور کاش میں ایک گھاس کا تنکا ہوتا"

اِن حالات پر جو بیان ہوئے ہیں اور اس قسم کے تمام واقعات پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہوتا ہی کہ حضرت عمر کی خلافت کی بے نظیر کامیابی جسقدر کہ وہ اُن کے اصول خلافت اور حکومت کی شایستگی سے حاصل ہوئی اُسی قدر اُن کے ذاتی فرایض کے ادا کرنے کے عدیم المثال طریقوں میں مخفی تھی۔ فرایض ادا کرنے کا اُن کا عجیب و غریب طریقہ سلطنت کے شایستہ ترین اصول مسلمانوں کی یکجہتی اور اتفاق۔ حق شناسی اور اُن کے حقوق کی مساوی تقسیم اُن کے ساتھ بے نظیر عدل و انصاف کا برتاؤ۔ رائے اور مشورہ دینے میں اُن کو آزادی۔ اُن کی بے مثل انتظامی لیاقتیں مضبوط ہاتھ

---

[۱] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک۔ [۲] طبری صفحہ ۵۱۵۔

قوم اور افراد قوم کے حالات کی عام واقفیت غرض اس قسم کے امور تھے جن سے ان کو اپنی خلافت میں ایسی کامیابی ہوئی جس کی نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ حضرت عمر کا وہ قول جو انہوں نے زمام خلافت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے دن ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا کہ "قوم عرب چھدے ہوئے ناک والے اونٹوں کی قطار کی مانند ہے جن کی نکیل میرے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ میں ان کو سیدھے راستہ پر چلانے والا ہوں اور اس پر خدا سے مدد مانگتا ہوں[۱]" اور وفات کے وقت فرمایا کہ تمہارے درمیان میں اونٹوں کی قطار کی روش چھوڑ چلا ہوں کہ خبردار کوئی قوم ٹیڑھی نہ ہو جائے ورنہ خود روش ٹیڑھی ہو جاوے گی۔ ایسا قول تھا کہ عرب پر حکومت کرنے کے واسطے اس سے زیادہ سچی ہدایت مشکل سے کسی قول میں مل سکتی تھی اور عرب کے ہر ایک بادشاہ کے واسطے یہی قول اور اس کے قائل کے اصول عمل یکساں راہ نما ہو سکتے تھے۔ انہوں نے جو اصول اپنے اس خیال کے مطابق اختیار کئے تھے وہ ان کی غایت درجہ کی احتیاط اور ہوشیاری ظاہر کرتے تھے۔ مثلاً اسی خیال کے مطابق شام میں جہاں قریش اور اصحاب رسول اللہ صلعم بہت زیادہ تھے عموماً قریش اور شرفا میں سے عامل اور امیر مقرر کرتے تھے اور مشرقی صوبوں میں چونکہ اعراب اور قبائل اعراب کثرت سے تھے انہیں میں سے لائق سردار اور عہدہ دار مقرر کرتے تھے۔ کسی شخص کی نسبت اختلاف یا شکایات ہونے پر اسکو احتیاطاً واپس بلا لیتے تھے اور باایں ہمہ جیسا کہ سر ولیم میور نے لکھا ہے قبائل عرب میں جابجا ان کے جاسوس پھرتے تھے اور ان کے حالات اور خیالات سے حضرت عمر کو مطلع کرتے رہتے تھے مثلاً ایک دفعہ قلعہ فہین میں جو جزیرہ میں واقع تھا بنی تمر اور بنی تغلب محصور تھے اور بنی بکر نے مسلمانوں کی طرف سے محاصرہ کر رکھا تھا۔ بنی بکر کے حملے سے محصورین قلعے سے بھاگ نکلے اور رستہ نہ پا کر دریا میں کود کر غرق ہونے تک پہنچ گئے اور چلائے کہ "ہائے ہم ڈوبے" بنی بکر نے جواب دیا کہ "ہاں جلانے کے بدلے میں ڈوبتے ہو"! یہ اشارہ جاہلیت کے ایک واقعہ کی طرف تھا جس میں بنی تغلب کے کچھ آدمی زندہ جلا دیئے تھے حضرت عمرؓ کے جاسوسوں نے ان کو خبر کی اور انہوں نے بنی بکر سے اس قصور کا جواب طلب کیا کہ مسلمان ہو کر جاہلیت کے

---

[۱] از التہ الخفا باب سیاست و کلمات۔

حالات اور واقعات کو کیوں زندہ کرتے ہیں مگر وہ اس قول کو دین اسلام کے مقاصد کے موافق بیان کرکے سمجھ گئے[1]

کوفہ کے عامل کو آپ لکھا کرتے تھے کہ اگر قبایل اعراب جھگڑا اور فساد کریں تو اُن کو تلوار سے مارنا چاہیئے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں۔ کیونکہ یہ شیطان کی شرارت ہے حضرت عمر کا یہ مضبوط و قوی اصول اور قول اگر اُن کے جانشینوں کو یاد رہا ہوتا تو وہ مصیبتیں بہت کم پیدا ہوتیں جو آخر پیدا ہو گئیں۔

افراد قوم اور قبایل سے اُن کی عام واقفیت بھی ضرب المثل تھی۔ مثلاً ایکدن عدی بن حاتم حضرت عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھے پہچانتے ہوں حضرت عمر نے کہا کہ میں تجھے کیوں کر نہ پہچانوں کہ سب سے پہلا صدقہ جس سے رسول اللہ خوش ہوئے تھے وہ تمہارے قبیلہ کا تھا۔ میں تجھے خوب پہچانتا ہوں جب اوروں نے کفر کیا تھا تو تو صادق الایمان رہا تھا جب اور روگردان ہو گئے تھے تو تم نے منہ نہیں پھیرا تھا۔ جب اوروں نے غدر کی تھی تو تم نے وفا کی تھی[2]

القصہ اس قسم کے عجیب و غریب اسباب اور وسایل اور دستور اور اصول و عمل اور طریق حضرت عمر کی خلافت کی کامیابی کے تھے۔ اُن سب کا شمار کرنا مشکل ہے کیونکہ درحقیقت ہر ایک واقعہ ایک خاص وسیلہ اور اصول کی مثال ہے لیکن اس باب کے خاتمہ پر ہم ایک عالم کے اقوال سے جو اُس نے ابتدائی خلافت کی نسبت تحریر کئے ہیں وہ حصہ لکھیں گے جو حضرت عمر کی خلافت سے متعلق ہے اور جس میں اُن کی خلافت کی کامیابی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "لیکن حضرت کی حکومت کے ساتھ جو ایک حقیقی بزرگ شخص (اگریٹ مین) تھے محکوم اور مفتوح رعایا کی وہ بے خواہانہ خبرگیری اور نگرانی شروع ہوئی جس کے سبب سے اسلامی ابتدائی گورنمنٹ ممتاز اور مخصوص ہے۔ ابتدائی خلفا کے ماتحت مسلمانوں کی جو پولیٹیکل حالت تھی اُسپر غور کرنے سے ایک ایسی جمہوری سلطنت

---

[1] المراوف خلافت حاشیہ صفحہ ۱۳۹، [2] ازالۃ الخفا باب کلمات حضرت عمرؓ

دکھائی دیتی ہے جس ایک انتخابی سردار محدود اختیارات کے ساتھ حکومت کر رہا ہے امیر وقت کے اعلیٰ اختیارات انتظامی امور مثلاً پولیس کی ترتیب لشکر کے اہتمام امور خارجہ کی انجام دہی اور مال و اموال کی تقسیم اور خرچ وغیرہ تک محدود تھے۔ لیکن وہ قانون مسلمہ کے خلاف کسی صورت میں عمل نہیں کر سکتا تھا ........

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک واقعہ ہوا جس سے اسلام میں تمام آدمیوں کی کامل آزادی کی کیفیت ٹھیک طور پر معلوم ہوتی ہے (اس مقام پر جیالا کا واقعہ مفصل بیان کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ اور اس کا فیصلہ ابو عبیدہ بن جراح کو لکھا گیا) ابو عبیدہ نے وہ نامہ اپنے لشکر کے روبرو پڑھا۔ اس قسم کی تحریریں اور اعلان ابتدائی خلافت کے زمانہ میں عام معلوم ہوتی ہیں کوئی شخص شہر میں یا لشکر میں امور ملک سے ناواقف نہیں رہتا تھا ہر ایک جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد امیر المومنین جماعت کے روبرو اہم تقررات اور ہفتہ بھر کے واقعات بیان کر دیتے تھے عمال اپنے صوبوں میں ان نظیروں اور مثالوں کی پیروی کرتے تھے۔ کوئی شخص عوام الناس کی ان جماعتوں سے خارج نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں جمہوری سلطنت کی بہترین صورت رائج تھی۔ امیر المومنین کے گرد کوئی الوہیت اور ربانیت کی باڑ نہیں لگی ہوئی تھی وہ ملک کے انتظام کی نسبت اپنی رعایا کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ تھا۔ ابتدائی خلفا کی اپنی رعیت کی خیر خواہی اور خبر گیری میں کامل اور شدید مصروفیت اور ان کی زندگیوں کی انتہا درجہ کی اور سخت سادگی اپنے آقا کی مثال کی کامل درجہ کی پیروی سے تھی۔ وہ پیغمبر صلعم کی طرح مسجد میں نماز گذارنے اور وعظ کرتے تھے ان کے گھروں میں غریب اور مظلوم بلا روک ٹوک داخل ہوتے تھے اور کم سے کم درجہ کے آدمی بھی ان سے اپنے حالات بیان کرنے سے محروم نہیں ہوتے تھے۔ بغیر پہرہ اور دربانوں کے بغیر شان اور جلو کے وہ اپنی خصایل اور خصوصیات کی قوت سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے حضرت عمرؓ نے جب فتح یروشلیم کے وقت شام کو سفر کیا تو صرف ایک غلام ان کی ہمراہی میں تھا ........ قدرتی طور پر ایک نئی سلطنت کو جو بزور شمشیر حاصل کی گئی ہو وفتہً مفتوحہ رعایا کے دلوں میں گھر کر لینا مشکل ہے لیکن ابتدائی مسلمانوں نے

مفتوحہ اقوام کو اپنی نسبت انتہا درجہ کا اعتبار اور اعتماد اور باہمی تعلق اور الفت پیدا کرنے کے اسباب مہیا کر دیئے تھے۔ ابو عبیدہ جیسے نرم دل اور معتدل طبیعت کے شخصوں کی سرداری میں جو خالد جیسے سپاہیوں کی تندی اور شدت کو روکے رکھتے تھے اُنہوں نے اپنی رعایا کو پورے درجے کے ملکی حقوق دیئے اور اُن کی حفاظت کی۔ اُنہوں نے تمام اقوام مفتوحہ کو پوری مذہبی آزادی بخشی۔ اُن کے اطوار اور برتاؤ اس زمانہ کی مہذب گورنمنٹوں کے واسطے ملکی اور مذہبی آزادی کے امور میں قابل تقلید نظیریں اور مثال ہو سکتے ہیں ......... وہ کسی مفید ملکی آئین یا رفاہ عام کے کام میں جو ممالک مفتوحہ میں موجود تھے اور جن سے اُن کے مذہب میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا تھا دخل دینے سے باز رہنے کی عقل اور دانشمندی رکھتے تھے۔

حضرت عمر نے جو رعایا کی زراعتی سرسبزی اور دولت کی ترقی کی تدبیریں کیں اُن سے اُن کا اپنی رعایا کی بہتری اور بہبودی کا ہر وقت فکر اور اندیشہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے محصول اراضی ایک مساوی اور یکساں رہنے والے اور معتدل اصولوں پر مقرر کیا گیا تھا سلطنت کے ہر ایک حصہ میں نہریں اور ندیاں بنانے کا حکم دیا گیا۔ جاگیرداری اور زمینداری کی خدمت لینے کے جن بارنے کاشتکاران اراضی کو برباد کر دیا تھا وہ اُٹھا دیئے گئے تھے اور کسان اور کاشتکار صدیوں کی غلامی کی قید سے آزاد کر دیئے گئے تھے ایک قاتل کے ہاتھوں سے اِن نامور شخص کی موت گورنمنٹ کے واسطے بلاشبہ ایک سخت صدمہ تھا اُنکی طبیعت سخت مگر منصف اُن کے علی فہم عام اور آدمیوں کی واقفیت اور علم نے نہایت اعلےٰ درجہ پر اُن کو بنی اُمیّہ کے حریصانہ ارادوں کو روکے رکھنے اور دبا دینے کے لایق بنا دیا تھا۔"

# ساتواں باب

## قرآن ۔ حدیث ۔ فقہ

شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ قول نہایت صحیح ہے کہ آج جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے فاروق اعظمؓ کا احسان اُسکی گردن پر ہے"۔ درحقیقت جامع قرآن ہونے اور قرآن مجید کے جمع کرنے کا سبب ہونے کا فخر حضرت عمر ہی کو حاصل ہے آنحضرت کے زمانہ حیات میں آیات قرآن جو نازل ہوتی تھیں وہ اسیطرح جُدا جُدا چمڑوں یا اونٹ کی ہڈیوں یا کھجور کی چھال پر لکھی جاتی تھیں اور وہ لکھی ہوئی آیتیں نہایت حفاظت کے ساتھ صحابہ کے پاس محفوظ رہتی تھیں۔ اور آیتوں کی ترتیب سورتوں میں بھی آنحضرت صلعم کے سامنے ہو جاتی تھی۔ اور تمام ترتیب پائی ہوئی سورتیں صحابہ کے پاس رہتی تھیں اور صحابہ اُن کو یاد کر لیتے تھے اور تلاوت قرآن مجید کرتے تھے اور بہت سے صحابہ حافظ قرآن مجید تھے یہاں تک کہ آنحضرت صلعم وفات پاگئے اور قرآن مجید اُسی طرح جُدا جُدا آیتوں اور سورتوں میں لکھا ہوا اور حفاظ قرآن کی سپردگی میں رہ گیا۔

حضرت ابوبکر کے زمانہ میں یمامہ کی لڑائی میں بہت سے اصحاب رسول شہید ہوئے جن میں حافظان قرآن میں سے ستر سے کم نہ تھے۔ حضرت عمر کو اس واقعہ سے قرآن کی نسبت خوف ہوا۔ حضرت ابوبکر سے اُنھوں نے قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے کی رائے دی۔ پورا واقعہ اسکا ایک معتبر حدیث میں اِس طرح بیان ہوا ہے۔ زید بن ثابت (کاتب وحی) بیان کرتے ہیں کہ مجھکو حضرت ابوبکرؓ نے قتل یمامہ کے زمانہ میں بلا بھیجا۔ عمر بن خطاب بھی وہاں موجود تھے حضرت ابوبکر نے کہا کہ عمر مجھ سے کہتے ہیں کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری کثرت سے قتل ہوگئے ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر اور موقعوں میں بھی قاری کثرت سے مقتول ہوں تو قرآن بہت سا جاتا رہیگا اور میری یہ رائے ہے کہ تم قرآن کے

جمع کرنے کا حکم دو میں نے عمرؓ سے کہا کہ تم وہ کام کیوں کر کروگے جسکو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ عمدہ بات ہے۔ عمر اسی طرح مجھ سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ اسکے لئے کھول دیا اور میں نے بھی اس کام میں وہ فایدہ دیکھا جو عمرؓ نے سوچا تھا۔ زید کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے کہا تم جوان عاقل آدمی ہو۔ تم پر ہم بدگمانی نہیں کرسکتے اور تم رسول اللہ صلعم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ پس قرآن کی جست وجو کرکے اُسکو جمع کرو۔ سو خدا کی قسم اگر کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کو کہتے تو مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا کہ قرآن کے جمع کرنے کا حکم گراں معلوم ہوا۔ الخ (بخاری) غرض حضرت زید بن ثابت نے انتہا درجہ کی سعی اور کوشش سے تحریری آیتوں اور حافظوں سے قرآن مجید کو جمع کیا اور اس بات کی کمال درجہ تک تحقیق ہوگئی کہ قرآن مجید میں سے کچھ نہیں رہا جو جمع نہ کیا گیا ہو۔ خود خدائے پاک ہی نے اُس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ یہ جمع ہوا ہوا قرآن حضرت ابوبکرؓ کے پاس اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔ اس بات کا بیان کرنا کہ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کی تدبیر سے کس درجہ کی دانشمندی اور احسان کا کام کیا ہے کسی مسلمان کی قدرت سے خارج ہے۔

اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت عمرؓ حفاظ قرآن سے قرآن مجید سُنتے تھے اور اُن کے درست پڑھنے کی طرف سے اپنا اطمینان کرتے تھے اور لوگوں کو کہتے تھے کہ سوائے کسی عمدہ حافظ اور قاری کے کسی سے قرآن اخذ نہ کریں اور نماز فجر میں جو بہت لمبی قرأت پڑھتے تھے کہ لوگ قرآن سے واقف ہوں قرآن کی تفسیر میں بھی اُن کو پوری مہارت تھی اور آنحضرت صلعم کی احادیث سے تفسیر فرماتے تھے جو لوگ قرآن مجید کے احکام کی تاویلیں کرتے تھے یا اور کسی قسم کی نالایق حرکت کرتے تھے اُنکو ایسی سزا دیتے تھے کہ دوسری دفعہ اُن کو ویسی حرکت نہیں کرنے دیتی تھی اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جنکو ہم بیان نہ کریں گے۔

احادیث کی نسبت حضرت عمرؓ کا ایک ممتاز اصول جو دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ حدیثوں کی کثرت روایت کو روکتے تھے خود اُن سے پچاس سے زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں

جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں ہے[۵۱] جبکہ دوسرے صحابہ مثلاً ابوہریرہؓ سے ۵۳۴۶ حدیثیں انسؓ سے ۲۲۸۶ - عبداللہ بن عباس سے ۲۶۶۰ - جابر سے ۲۵۴۰ - اور عبداللہ بن عمر سے ۲۶۳۰ اور دوسرے صحابہ سے بھی ایسی ہی کثرت سے حدیثیں مروی ہیں۔ اور حضرت عمر سے ایسی قلیل تو اسکی وجہ یہ تو نہیں ہوسکتی کہ وہ رسول اللہؐ کی احادیث سے کم واقف تھے کیونکہ اُن سے بڑھکر آنحضرتؐ کے اقوال وافعال کو کوئی کم جانتا تھا - بلکہ اسکی وجہ صاف یہ ہے کہ احادیث کی کثرت روایت کے وہ مخالف تھے۔ حضرت ابوبکر بھی اِس خیال کی حکمت سے ناواقف نہیں تھے کیونکہ اُن سے صرف سترہ حدیثیں مروی ہیں[۵۲] اور وہ بھی نہیں معلوم کس ضرورت سے روایت پاگئیں حضرت عمر کی روایت حدیث کی مخالفت صرف اُن کی قلت روایت ہی سے نہیں ظاہر ہوتی بلکہ وہ علانیہ طور پر اسکی ممانعت کرتے تھے اور بدانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے تھے۔ صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں[۵۳]
اسی طرح ایک دفعہ انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا۔ قرظہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ چاہ صرار تک جو مکہ کے راستہ میں ہے ساتھ آئے وہاں اپنے پاؤں کا غبار جھاڑنے لگے اور کہنے لگے کہ تم کوفہ جاؤگے جہاں ایسے لوگوں سے ملوگے جو بڑے شوق سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں وہ تمہاری آمد سُنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہؐ کے اصحاب آئے لیکن جب تم سے حدیثیں سُننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا[۵۴]۔

اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمر نے خود اُن کی مشایعت کی اور اُن سے پوچھا کہ جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں۔ لوگوں نے کہا تکرمتہ علینا یعنی ہماری عزت افزائی کے لئے فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے وہ یہ کہ جہاں جارہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ اُن کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہؐ سے کم روایت کرنا چنانچہ جب یہ لوگ قرظہ پہونچے لوگ یہ سُنکر کہ صحابہ رض تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے اور حدیثوں کی

---

[۵۱] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۳۷ - [۵۲] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۳۷ [۵۳] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۸

[۵۴] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱

خواہش ظاہر کی ان لوگوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے[۱]۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ابوسلمہؓ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے بولے کہ نہیں ورنہ عمرؓ درہ مارتے[۲]۔

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک تو احادیث کی اشاعت کا یہی حال رہا۔ مگر ان کے بعد یہ پر مصلحت قید اٹھ گئی اور احادیث کے ساتھ جو سلوک ہوا سو ہوا۔ بے شمار و بے حساب حدیثیں وضع کی گئیں اور مفسدہ اور فتنہ پرداز لوگوں اور اہل بدعت کو احادیث کی آڑ میں شکار کھیلنے کا موقع ملگیا خلافت اور سلطنت کے جھگڑوں میں وضع احادیث کی گنجایش ان کو ایک ایسا معاون ملا کہ آدھی فکر وہ فوج اور لشکر کے تیار کرنیکے واسطے کرتے تھے اور آدھی وضع احادیث کے شایع کرنے میں۔ غرض اس قدر وضعی اور غلط اور جھوٹی حدیثیں پیدا ہوکر صحیح احادیث کے ساتھ شایع ہوگئیں کہ اگر کوئی صحیح حدیث کو وضعی اور غلط احادیث سے علیحدہ کرلینے کی قدرت رکھتا اور علیحدہ کرکے دیکھتا تو صحیح اور غلط میں وہی نسبت معلوم کرتا جو ایک اور ننانوے میں ہے۔ کثرت احادیث نے مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ کے ایسے اسباب پیدا کردیئے جو کسی دوسرے سبب سے کم پیدا ہوئے ہونگے اور پھر ایسے کہ انکا اٹھا دینا انسانی قدرت سے خارج ہے۔ اگر حضرت عمرؓ کے اس خیال کی جو نہایت ہی دور اندیشی اور عاقبت اندیشی پر مبنی تھا پابندی کی جاتی اور صرف ایسی ضروری احادیث جو تشریعی احکام کی نسبت بیان کرنی ضروری ہوتیں بیان کی جاتیں اور بلا خیال ضرورت یا عدم ضرورت کے احادیث کی روایت کے دریا نہ بہا دیئے جاتے اور اسلامی دنیا ایسے شرمناک وسایل کے استعمال کرنیکی بدنامی نہ لیتی جیسی کہ وضعی احادیث کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنانے کی تھی۔ تو مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ کے بہت کم اسباب پیدا ہوئے ہوتے۔

قرآن اور حدیث کے بعد حضرت عمرؓ کی فقہ کا ذکر آتا ہے اور بلاشبہ فقہ میں انکا رتبہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اسی قول کا مصداق ہے کہ علی الاطلاق امت سے وہ بہت افقہ ہیں"۔

---

۱-۲ سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۹۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں احکام کی قسمیں پیدا نہیں ہوئی تھیں صحابہ جو کچھ آنحضرتؐ کو کرتے دیکھتے تھے اُسی سے سیکھ لیتے تھے۔ نہ ارکان و آداب سے سوال کرتے تھے اور نہ فرض وواجب کی تفصیل و تدقیق کرتے تھے۔ کسی غیر ضروری اور غیر موجود شے سے سوال نہیں کرتے تھے ابن عباس کہتے ہیں کہ "میں نے اصحاب رسول اللہؐ سے بہتر کسی قوم کو نہیں دیکھا کہ رسول اللہؐ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلے پوچھے اور وہ سب قرآن میں موجود ہیں" ابن عمر کا قول ہے کہ جو چیزیں نہ ہوں اُن کا سوال نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ عمر بن خطاب کو میں نے اُس پر لعنت کرتے سُنا ہے جو ایسی چیز کو پوچھے جو موجود نہ ہو[1] لیکن اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں اس قسم کی ضروریات ہی کم پیدا ہوئیں آنحضرتؐ کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اس کثرت سے نئے واقعات اور معاملات پیش آئے کہ اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا اسی ضرورت نے صحابہ کو مجتہد اور فقیہہ بھی کہلایا۔ مجتہدین صحابہ میں چار بزرگ بہت بڑے پایہ کے تھے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ عمرو بن میمون کا قول ہے کہ علم کے دو ثلث حضرت عمر لے گئے یہ قول ابراہیم بن نخعی نے سُنا تو کہنے لگے کہ عمر نو دسویں لے گئے اُن کی فقہ کو باقی اصحاب کی فقہ سے وہ نسبت ہے جو اُنکے مصحف کو اَوروں کے مصحف سے ہے۔

ابن مسعود کا قول تھا کہ اگر حضرت عمر کا علم ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور زمین کے زندہ لوگوں کا ایک پلہ میں تو حضرت عمر کے علم کا پلہ بھاری ہوگا۔ حذیفہ کا قول تھا کہ گویا لوگوں کا علم کوٹ کوٹ کر حضرت عمر کی گود میں بھر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا کہ میں نے کسی کو اللہ کے کام میں حضرت کے سوا لوگوں کی ملامت سے بے خوف نہ پایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہا کرتی تھیں کہ تیزی فہم میں عمر یکتا تھا۔
ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ جب صالحین کا ذکر ہو تو حضرت عمر کا ضرور ذکر کرنا چاہئے کیوں کہ وہ کتاب اللہ کو ہم سے اچھا جانتے تھے اور خدا کے دین کو اچھی طرح سمجھتے تھے[3] شعبی کا قول ہے کہ فقہا اصحاب

۱؎ انصاف فی بیان سبب الاختلاف مؤلفہ شاہ ولی اللہ صاحب۔ ۲؎ سیرۃ النعمان صفحہ ۱۹۰ ۳؎ سیوطی

رسول اللہ میں سے چھ آدمیوں ہی تھی تین مدینہ میں اور تین کوفہ میں ۔ مدینہ میں عمرؓ اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور کوفہ میں علیؓ ۔ عبد اللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ تھے ۔ مسروق کا قول ہے کہ صحاب النبی کے بڑے عالم یہ شخص تھے ۔ عمرؓ بن خطاب ۔ علیؓ بن ابی طالب ۔ عبد اللہ بن مسعود ۔ ابیؓ بن کعب ۔ معاذؓ بن جبل ۔ زیدؓ بن ثابت ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ[1]

غرض حضرت عمر مسائل فقہی کے اجتہاد اور استنباط میں باوجود احتیاط کے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اُن کے مسائل اور اجتہاد کو عبد اللہ بن عباس اور زید کے ساتھ جو ایک دوسرے سے اقتباس کرتے تھے مدینہ میں ہونے کے سبب سے زیادہ شہرت اور اشاعت حاصل ہوئی حضرت علیؓ ۔ عبد اللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ کے اجتہاد کی کوفہ میں رہنے کے سبب سے جہاں علما سے پاہی زیادہ تھی اسقدر اشاعت نہیں ہوئی ۔ عبد اللہ بن مسعود مسائل اور احکام میں حضرت عمر سے موافقت رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر اور لوگ ایک طرف جاویں اور حضرت عمر دوسری طرف تو میں اُن کی طرف جاؤں گا ۔ زید بن ثابت بھی حضرت عمرؓ کے متبع تھے[2]

فقہ کی دونوں حیثیتوں میں مسائل شریعت اور احکام کی تشریعی کی تخریج اور احکام قانونی کے واسطے حضرت عمر کا علم اور قابلیت نہایت ہی شایان اور اعلیٰ درجہ کا تھا ۔ حضرت عمرؓ نے مسائل تشریعی اور غیر تشریعی کے لحاظ سے بعض مسائل میں خاص اجتہاد کیا یا آنحضرت صلعم کے احکام کے منشا کو سب سے بہتر جاننے کے باعث بعض اوقات کوئی ضروری تغیر کیا ۔ متعۃ الحج اور متعۃ النکاح کو منع اور حرام کیا ۔ امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد ہو چکی ہو اُن کے بیچنے کا رواج بالکل روک دیا ۔ یہ احکام درحقیقت آنحضرت صلعم کے منشائے مبارک کے مطابق تھے ۔

اسی طرح بعض مسائل میں خاص ضرورتوں اور فوائد کے لحاظ سے اجتہاد کیا ۔ نماز تراویح کو جماعت میں پڑھنے کا حکم دیا ۔ اور حکم دیا کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائیں گی ۔ مے نوشی کی سزا اسی درہ مارنے تک بڑھا دی ۔ جزیہ کی شرحیں مختلف مقرر کیں ۔ یہ مسائل تشریعی تھے اور تشریعی اور

---

[1] ازالۃ الخفا ۔ [2] ازالۃ الخفا ۔

غیر تشریعی کا فرق اُن سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ ان چند مسایل کا جو ہم نے ذکر کیا ہے اُنکی ضروریات اور فواید متحقق تھے اور کوئی نقص اُن کے رواج دینے سے عاید نہیں ہوتا تھا ہم بحث اور ثبوت کی طرف ہرگز متوجہ نہیں ہونا چاہتے اور نہ اس سے زیادہ مسایل مذہبی ہیں گفت گو کرنا چاہتے ہیں حضرت عمرؓ کی فقہ اور اجتہاد مختلف مسایل اور احکام کی نسبت کتابوں میں منضبط موجود ہیں اور اُن کی نسبت بحثیں بھی موجود ہیں۔ اہل ضرورت اُن کی طرف توجہ کر سکتا ہے ہم تو صرف اِسقدر دکھانا چاہتے ہیں کہ جو ضروریات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ الرسول ہونے کی صورت میں پیش آئیں اُن کے پورا کرنے کے واسطے وہ ہر ایک پہلو سے کس درجہ قابلیت رکھتے تھے ۔

# آٹھواں باب

## اقوام اور مذاہب غیر کے ساتھ سلوک - جزیہ - اور کتب خانہ سکندریہ

جیسے کہ اسلام بنی نوع انسان کے واسطے رحمت تھا اسی طرح خلافت اسلامی کے اصول دنیا کے واسطے رحمت تھے - اس قول کو ہم اس باب میں ثابت کریں گے -

یوں تو ہر ایک سلطنت کی رعایا کو سلطنت موجودہ کے ساتھ جبریہ یا رضامندانہ ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے اور کسی غیر قوم کے ساتھ وہ صرف اُس کے غیر قوم ہونے کی وحشت اور نفرت کے سبب سے مقابلہ کرتی ہے اور اُس کی مدافعت کی کوشش کرتی ہے - اسی طرح کسریٰ اور قیصر کی رعایا نے اپنے بادشاہوں کے حکم لئے اپنی جان و مال کے خوف سے عربوں کی جہالت اور وحشیانہ خصایل کے خیال سے جو اُن کے درمیان مشہور تھیں کم و بیش جنگ کی اور اُن کو اپنے ملک میں دخل دینے کے مزاحم ہوئے گو وہ نہ جانتے تھے کہ درحقیقت وہ اُس خدا کی رحمت کا مقابلہ کر رہے ہیں جو اُنکو ظلم و تعدی سے نجات دینے کے واسطے خود خدا ہی نے بھیجی ہے اپنے قدیم مذہبوں کو چھوڑ کر وہ اسلام کو نہیں قبول کرتے تھے اور جب تک اُن کو اپنی اپنی سلطنت کی قوت اور طاقت پر بھروسہ تھا وہ جزیہ نہیں قبول کرتے تھے اور تیسری شرط یعنی تلوار اُٹھانے کو اپنی بہادری اور شجاعت کے بھروسہ پر ترجیح دیتے تھے مگر جب وہ اپنی سلطنتوں کی طرف سے مایوس ہوئے تو جزیہ پر وہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کرتے گئے - اگر ایک حصہ فتوحات اسلامی کا بزور شمشیر حاصل ہوا ہے تو تین حصے صلح اور جزیہ کے ساتھ حاصل ہوئے ہیں -

ایرانیوں اور اہل روما کی سلطنت میں محکوم اور مفتوح اور ان کی مطیع اور زیر فرمان رعایا پر

جو جبر اور ظلم و تعدی اور لوٹ اور غارت گری ہوتی تھی اُس کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ یہ کوئی ملکی یا پولیٹیکل حقوق اُنکو حاصل نہ تھے۔ دولتمندوں اور طاقتوروں اور مقدس الاسم جماعتوں کے ہاتھ میں وہ بے زبان نوع کی طرح تھے جو اُن کے جان و مال کے خود مختار مالک تھے۔ کمزور اور طاقتور دولتمند اور غریب اعلیٰ اور ادنیٰ کے واسطے ایک ہی قانون نہیں تھا۔ ایرانیوں کی سلطنت میں مالک زمیندار اور جاگیردار یعنی دہقان اور مذہبی پیشوا تمام قوت اور رُعب اور اثر اور ملک کی دولت کے مالک تھے کاشتکار اور غریب رعایا اُس ناجائز اور بے ضبط اور بے ضابطہ اور غیر محدود خود مختاری کے تحت میں پیوند زمین ہو گئے تھے۔ اہل روما کی سلطنت کا حال اس سے بھی بدتر ہوگا عیسائی مذہب کے مقدس راہ نما اور پیشوا حکام اعلیٰ اور درباری اور قیصر کی برائیوں کے بیشمار فرمانبردار عمال اور مشیرکار دولت اور قوت و رُعب اور اثر کے خوش نصیب مالک تھے۔ رعایا انتہا درجہ کی بدبختی اور مصیبت میں گرفتار تھی درحقیقت ایشیا نہ سلطنتوں میں جہاں حقوق جاگیرداری اور مالکانہ خدمت لینے کا دستور قایم ہے رعایا کا بہت بڑا حصہ غلام بن گیا ہے۔

غلامی کاشتکاروں کی عام حالت تھی۔ پہلے پہل مزارعانہ اور خانگی غلامی میں کچھ فرق نہیں تھا تھا۔ دونوں قسم کے غلام معہ اپنے کنبوں اور اسباب اور مال و متاع کے زمیندار اور جاگیردار کا مال تھے جو اُن سے اپنی بے روک مرضی اور خوشی کے موافق جیسے چاہے سلوک کرتا تھا۔ اُس کے بعد اتنا تغیر ہوا کہ مزارعانہ غلام اُس زمینداری اور جاگیر سے جس میں وہ رہتے تھے متعلق سمجھے جاتے تھے اور اُسی زمین کے ساتھ فروخت ہوتے تھے یا جاگیردار کی ذات خاص سے متعلق کر دیئے جاتے تھے اور ایک مالک سے دوسرے مالک کے پاس بھیجے جاسکتے تھے وہ اپنے مالک کو بغیر اُسکی اجازت کے نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اگر وہ بھاگ جاتے یا اُنکو کوئی چرا کر یا ٹیکا کر لے جاتا تو اُن کی نسبت اسی طرح دعویٰ کیا جاتا تھا جیسے کہ مویشی یا مال اسباب کی نسبت کیا جاتا ہے اور وہ واپس دلائے جاتے تھے۔ البتہ گذارہ کے واسطے اُن کو چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی نذر کرنے کے لئے ملے ہوئے تھے مگر مالک کا اختیار ہوتا تھا کہ جب چاہے اراضی وغیرہ سے اُن کو بے دخل کردے

ایک مزارعانہ غلام کوئی جایداد پیدا نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اگر وہ خرید لیتا تھا تو مالک کو اختیار ہوتا تھا کہ اسکو بیدخل کرکے خود اسپر قبضہ کرے۔

مزارعانہ اور خانگی غلامی کا نشان گلے میں ایک لوہے کا حلقہ ڈالے رکھنا تھا ان غلاموں کے گروہوں کے گروہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہانک کرلے جاتے تھے۔ سوروں کی طرح اُن کو خوراک دی جاتی تھی اور اُن سے بدتر حال میں رکھے جاتے تھے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوتے تھے اور ایک بڑی زنجیر اُن کے گلے کے پٹوں میں سے نکال کر ایک جا باندھ دیئے جاتے تھے۔ انسانی گوشت کے تجار یعنی اُن کا مالک ہاتھ میں ایک گانٹھ دار بھاری کوڑا لئے ہوئے اُن کے پیچھے سوار ہوکر چلتا تھا اور اُس کوڑے سے اُن درماندہ مفلوک الحال لوگوں کی خبر لیتا تھا کوڑا جہاں پڑتا تھا گوشت سے چمڑا اُدھیڑ دیتا تھا۔ مرد اور عورتیں اور بچے اس طرح پر پھٹے ہوئے چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے۔ ٹخنوں میں ناسور اور زخم پڑے ہوئے ننگے اور زخمی پاؤں کے ساتھ ملک میں پھرائے جاتے تھے۔ اگر اُن میں سے کوئی درماندگی سے عاجز ہوکر رہ جاتا تھا یا گر پڑتا تھا تو اوس کو زمین پر لٹا کے اس قدر کوڑے مارے جاتے تھے کہ چمڑے کے اُکھڑ جانے سے وہ مُردہ ہوجاتا تھا۔

جو کاشتکار نام نہاد آزاد کہلاتے تھے اُنکا حال بھی مزارعانہ غلاموں سے کچھ اچھا نہ تھا اگر وہ اپنی زمینوں سے علیحدہ ہونا چاہتے تھے تو ایک بھاری رقم بطور جرمانہ کے جاگیردار کو دینی پڑتی تھی اگر کوئی خرید کرنا چاہتے تھے تب بھی ایسا ہی جرمانہ دینا پڑتا تھا۔ بطور وراثت اُنکو کوئی جایداد نہیں ملسکتی تھی جبتک ایک بھاری محصول نہ ادا کریں۔ اپنے مالک کو حصہ دیئے بغیر نہ وہ غلہ پیس سکتے تھے اور نہ روٹی بنا سکتے تھے جبتک کہ دسواں حصہ گرجا کو بیسواں بادشاہ کو اور چھوٹے حصہ درباریوں کو نہ دیں وہ فصل کاٹنے نہیں پاتے تھے۔ وہ مالک کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاسکتے تھے اور ہر وقت بلا معاوضہ خدمت کرنے کے واسطے اگر مالک کے لڑکے یا لڑکی کا بیاہ ہوتا تھا تو اُن کو ضروری طور پر خوشی سے معقول رقمیں پیش کرنی ہوتی تھیں۔

لیکن جب مزارعہ کی لڑکی کی شادی ہوتی تو پہلے اُسکو جاگیردار کی بدکاری کی اطاعت کرنی پڑتی تھی یہاں تک کہ اگر کوئی پادری حضرت مسیح کا نائب جاگیردار ہوتا تھا تو وہ بھی بدکاری کے اس وحشیانہ حق کو حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ بدبخت لوگ ایسے عظیم ظلموں اور بدکاریوں کا شکار تھے۔ لیکن جاگیردار اپنی محلسرے میں اور پادری اپنے محل میں اور خدام مذہب اپنے مسکنوں میں عوام الناس کی مصیبتوں کی بہت کم پرواکرتے تھے۔ زبردست کی مرضی ہی قانون اور انصاف تھا۔ مظلوم لوگ جو پیوند خاک ہوگئے تھے گرجا بھی اُن کی مدد نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اُس کی تعلیم اِن وحشیانہ ظلموں سے اُن عاجزوں کو بچانے کے خلاف تھی۔ کیونکہ پہلے پادریوں نے عمال کی خلاف ورزی کرنیکو ایک بہت بڑا گناہ قرار دیا تھا۔ غرض حضرت مسیح کے خادموں نے بھی اِن ظالموں اور زبردستوں اور دولت مندوں کے ساتھ جن کو حضرت مسیح نے رد کیا تھا شراکت اور واحد معاملگی کر لی تھی۔ اُنہوں نے خود جاگیرداری اور مالکانہ خدمت لینے کے طریق اختیار کئے تھے اور جاگیرداروں اور امیروں اور شاہزادوں کی طرح تمام حقوق رکھتے تھے اور اُنکی مانند بسر کرتے تھے۔

غیر عیسائیوں۔ یہودیوں یا بت پرستوں کا حال تو عیسائیوں کے ماتحت ناگفتہ بہ ہے اُنکا قتل اور خونریزی اور غلامی کوئی قابل خیال بات نہ تھی اُن کے حقوق کا کیا ذکر یہی اُن پر بڑا احسان تھا کہ اُن کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی عیسائی اُن سے رشتہ کر لیتا تو وہ بھی زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ یہودی نہ تو عیسائیوں کے برابر بیٹھ سکتے تھے نہ کھا پی سکتے تھے اور نہ اُن کی مانند لباس پہن سکتے تھے۔ اُن کے بچے اُن سے چھین لینا اور مال و اسباب لوٹ لینا جاگیرداروں اور لوگوں کے نزدیک جائز تھا۔[1]

غرض یہ تاریکی اور اندھیر اور ظلم اور تباہی دنیا پر چھائی ہوئی تھی جب کہ دنیا کے اُس سب سے بڑے نجات دہندہ نے نجات کی کرنا پھونکی اور نوع انسان کی عملی مساوات کو دنیا میں مشتہر کیا ذات

[1] یہ حالات آنریبل مولوی سید امیر علی صاحب کی کتاب سپرٹ آف اسلام سے لئے گئے ہیں۔

اور رتبہ کے ناجائز حقوق کو باطل کر دیا اور ظلم اور غلامی کی زنجیریں ٹوٹ کر گر پڑیں اسلام نے جس برادری اور مساوات کی تعلیم کی ہے اور اقوام غیر اور غیر المذہب کے ساتھ رحم اور نیکی برتنے اور اُن کو ہر حال میں مذہبی آزادی بخشنے کی ہدایت کی ہے وہ ایک منصف نگاہ سے دیکھنے والے کو اسلام کی تعلیم کے اصول کے مانند دکھائی دے گی۔ ہمارے زمانہ کے علما کی عمدہ تصانیف اس مضمون پر موجود ہیں اسلئے ہم اسکے بیان کرنے کے لئے نہیں ٹھہریں گے۔

آنحضرت صلعم کے زمانہ محاربات کی نسبت آفتاب سے بھی زیادہ روشن طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ وہ تمام محاربات حفاظت خود اختیاری اور حفاظت دین اور دفع شر اور ضرر کے واسطے تھے (دیکھو تفسیر القرآن جلد چہارم تصنیف سرسید احمد خاں صاحب) خلافت ابتدائی یعنی حضرت ابوبکر کے زمانہ کی لڑائیاں تو اُن اتفاقی بغاوت اور فساد کے رفع کرنیکی غرض سے تھیں جو عرب میں پھیل گئے تھے اور اُنہیں کا سلسلہ مشرق میں مغرب کی مانند دعوت اسلام کے مقاصد کے ساتھ ساتھ فوجکشی اور ملک گیری تک پہونچ گیا۔

ملک گیری کی غرض سے فوجکشی کرنا اسلام کی کسی تعلیم یا ہدایت یا حکم کا نتیجہ نہ تھا عرب کی اقوام کی باہمی لڑائیوں اور دشمنوں کا اسلام نے خاتمہ کر دیا تھا اور ایک ربانی کرشمہ نے اُن کو ایک برادری اور اخوت کے رشتہ میں باندھ کر ایک ایسی روح اور تازہ جوش اُن میں پیدا کر دیا تھا جو اُن کو نچلا اور خاموش نہیں بیٹھنے دینے والا تھا۔ اسلام کو دنیا میں شایع کرنے کی خواہش نے اُن کو اور اُبھارا اور اپنی حدود سے اُنہوں نے قدم باہر نکالے اور غیر اقوام کے ساتھ ایسے تعلقات میں پھنس گئے کہ پھر اپنے قدموں اور ارادوں کو پھیر لینے پر گویا وہ قادر ہی نہیں رہے تھے اور اسکا نتیجہ اُن کی وہ عظیم الشان فتوحات تھیں۔

ملک گیری اور فوجکشی گو اسلام کی اغراض اور مقاصد سے جدا تھی اور اسلام نے کوئی تعلیم اُس کی نسبت نہیں کی تھی مگر تمام گذشتہ اور موجودہ دنیا کے واقعات سے وہ فطرت انسانی سے خارج کوئی امر نہیں معلوم ہوتا۔ اور ہم کو کوئی مُنہ دنیا میں ایسا دکھائی نہیں دیتا جو اس کی مخالفت میں کھُلا ہو۔ حضرت مسیح کی تعلیم کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت اُس وقت ہوتی اگر اُنیس صدیوں کے

عیسائی اپنے عملوں سے اُسے خلاف فطرت انسانی ثابت نہ کر دیتے۔ تہذیب اور شایستگی نے ملک گیری اور فوجکشی کے واسطے جو بہانے تجویز کئے ہیں اُن سے بہتر وجوہات مسلمانوں کے پاس جو دُنیا کو کفر اور ظلم کی ناپاکی سے پاک کرنا اور مظلوموں اور مصیبت زدگان کو نجات دینا اور خدا کی مخلوق کو عیسائیوں اور بادشاہوں کے خون آلود پاؤں سے اُٹھا کر کھڑا کرنا چاہتے تھے موجود تھیں اُن کا سلوک اور برتاؤ جو اُنہوں نے اقوام غیر اور غیر المذہب کے ساتھ کیا اور جس ذلت اور تباہی اور غلامی کی حالت سے اُٹھا کر اُن کو آرام اور امن اور آزادی اور آسودگی اور فراغت کی حالت تک پہونچایا وہ بیان کرنے کے لایق ہے۔

مسلمان اگرچہ اپنے گھر سے نکلکر اقوام غیر کے قریب پہونچے اور ایک نئے قسم کے تعلقات کا سلسلہ اُن سے چھیڑا مگر جنگ اور خون ریزی سے بچنے کے واسطے وہ اسلام یا جزیہ قبول کرنیکی ایسی دو شرائط پیش کرتے تھے جو اپنے ساتھ مساوی المرتبہ اور تمام حقوق میں شریک قرار دینے یا ظلم اور جبر سے رہائی اور امن و آسایش کی ذمہ واری کا عہد اور اقرار تھے تیسری شرط لڑائی کی تھی جو دونوں طرفوں کے واسطے یکساں خطرناک اور ڈرانے والی تھی۔ مسلمانوں کے پاس اپنی جانوں کی کوئی ضمانت موجود نہیں تھی وہ خطرے میں پڑتے تھے اور خطرے میں ڈالتے تھے۔ جیسا کہ ہمیشہ انسان نے کیا ہے۔ مگر اِن لڑائیوں کا نتیجہ بھی اُن نادان مفتوح اقوام کے واسطے ہی جو اپنے نجات دہندوں کے ساتھ جنگ کرنے کو آمادہ تھے اچھا ہوتا تھا۔ اِن کے بدلہ میں اُن کو امن اور آزادی دی جاتی تھی۔ ایک عالم کا قول ہے کہ " قادسیہ کی لڑائی جس نے ایران کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا مظلوم رعایا ایران کی نجات کا ایک نشان تھا جیسا کہ یرموک اور اجنادین کی لڑائیاں اہل شام اور یونانیوں اور مصریوں کے واسطے تھیں۔ یہودی جو وقتاً فوقتاً زردشتیوں کے قتل اور خون ریزی کا شکار رہتے تھے اور کہیں جا کر بھی اُن کا پیچھا نہیں چھٹتا تھا پیغمبر صلعم کی برکت سے آزادی کی ہوا کھانے لگے جن کے دین کا بڑا سبق نوع انسان کی اخوت اور برادری تھی۔ لوگ ہر جگہ مسلمانوں کو بہ طور اپنے نجات دہندوں اور آزاد کنندوں کے قبول کرتے تھے جہاں کہیں

اُن کا مقابلہ کیا گیا یہ مقدس پادریوں اور امرا کی جماعت نے کیا۔ عوام الناس اور پیشہ ور رعایا نے جو زرتشتیوں کے ہاتھوں سے مصیبت اور تباہی میں تھے عموماً اپنے فاتحین سے رضامند اور خوشی سے مطیع ہو گئے اُس دائمی صداقت کا ایک سادہ اقرار اُن کو اپنے مسلمان نجات دہندوں کے ہم رتبہ اور اُن کے برابر بنا دیا تھا[1]"

جنگ کی حالت میں بھی جو رعایت جس طرح کی آزادی مخالفین کو دی جاتی تھی وہ ہمیشہ ضرب المثل ہو گی لشکر اور سرداران لشکر کو فوج کشی کے وقت رحم اور سلوک اور نرمی کے احکام دیئے جاتے تھے اور اس قسم کے احکام کی نسبت حضرت عمر نہایت تاکید کرتے تھے۔ کہ

(۱) کوئی عورت اور لڑکا اور بڈھا ضعیف نہ مارا جائے (۲) کسی کا ناک کان نہ کاٹا جائے (۳) عبادت کرنے والے گوشہ نشین قتل نہ کئے جاویں اور اُن کے عبادت خانہ نہ کھودے جاویں (۴) کوئی درخت پھلدار نہ کاٹا جائے کوئی کھیت نہ جلایا جائے (۵) کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کی جائے (۶) کسی جانور بکری اونٹ وغیرہ کی کونچیں نہ کاٹی جائیں (۷) صلاح و مشورہ کے بغیر اُن کے کسی امر کا فیصلہ نہ کیا جائے (۸) ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا طریقہ برتا جائے کسی پر ظلم اور جبر نہ ہو (۹) جو عہد و پیمان غیر مذہب والوں سے کیا جائے اُس میں بے وفائی نہ کی جائے اور وہ ٹھیک ٹھیک وفا کیا جائے (۱۰) جو لوگ اطاعت قبول کریں اور جزیہ دیں اُن کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کے برابر سمجھی جائے اور تمام معاملات میں اُن کے احکام مثل مسلمانوں کے تصور کئے جائیں (۱۱) جب تک اسلام کے قبول کرنے کی دعوت نہ کی گئی ہو دفعتہ لڑنا نہ چاہئے[2] غرض اس قسم کے احکام اور ہدایتیں جاری ہوتی تھیں اور حضرت عمر اپنی تیز انصاف نگاہوں اور معمولی سرگرمی سے اُن کی نگرانی کرتے تھے

حضرت عمر خالد سے کیوں ناراض تھے۔ ایک بڑا سبب اس کا مغلوب مخالف سے خالد کا سختی سے برتاؤ کرنا اور اس قسم کی ہدایات کی پوری تعمیل نہ کرنا تھا۔ کیا خالد کی بہادری مسلمانوں ہی کا

---

[1] سپرٹ آف اسلام صفحہ ۱۰۴ [2] تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۳۰۔

کام نہیں کر رہی تھی اور مسلمانوں کے واسطے ملک فتح نہیں کر رہی تھی۔ مگر حضرت عمر کسی بہادری اور نفع کی النصاف اور اپنے اسلامی اصولوں کے روبرو کچھ پروا نہیں کرنیوالے تھے اور اسی سبب سے خالد سے ناراض ہے اور آخر واپس بلالیا۔

کسی زمانہ میں اس امر سے انکار نہیں ہو سکا کہ نئے مفتوحہ ممالک میں کبھی قانون اور آئین کا دفعتہً فتوحات کے ساتھ ساتھ رائج کرنا اور تعمیل کرانا ناممکن ہے اور اُن ابتدائی قوانین میں سختی اور سخت گیری کو جائز مانا گیا ہے۔ کم سے کم فاتحین نے اپنی قوم کے ساتھ رعایت ملحوظ رکھی ہے اور اُن کی بے اعتدالیوں اور جبریہ کارروائیوں پر توجہ کرنے سے چشم پوشی کی ہے حتیٰ کہ امن اور اطاعت کے زمانہ میں بھی ہم مہذب حکمران اقوام کو اپنی قوم کے ساتھ رعایت کرتے دیکھتے ہیں جس سے نہایت درست طور پر ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ فاتحین اور مفتوحین کے واسطے ایک ہی قوانین نہیں ہیں۔ ہندوستان میں بعض اوقات رعایا میں اُن کے بدقسمت مقتولین کی فہرستیں تیار کی گئی ہیں جو فاتحین کے مغرور اور بے تمیز ہاتھوں سے مارے گئے ہیں اور قاتلوں کو بری کر دینے کے واسطے ایک ادنیٰ عذر اور بہانہ کو کافی سمجھا گیا ہے۔ گو کوئی خود غرضانہ دانشمندی کی مصلحت اس کی دلیل ہو مگر انصاف کے دربرد مصلحت ظلم کا ایک دوسرا نام ہے۔ حضرت عمر کی خلافت اس بات کا فخر کر سکتی ہے کہ جو کچھ مہذب اقوام کے برتاؤ کے آئینہ میں بھی مشکل اور ناممکن معلوم ہوا ہے وہ اُن کا معمول اور روزمرہ تھا۔ ذمیوں یعنی مطیع جزیہ دینے والی اقوام کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ لفظوں میں نہیں بلکہ عمل میں۔ یہ واقعہ اس قسم کی ایک ہی مثال نہیں ہے کہ شہر حیرہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر ڈالا تھا اس کے بدلہ میں حضرت عمر نے مسلمان کے قتل کا حکم دیا اور دوسروں کی عبرت کے واسطے اس حکم کی علانیہ تعمیل کرائی[۱]۔ حضرت عمر کا عام اشتہار تھا کہ رعایا میں سے جس شخص کو اپنے عامل اور حاکم کی نسبت کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے اور اسپر انصاف کی پوری تعمیل کرلے" تھے۔

---

[۱] مضمون کتب خانہ اسکندریہ مولفہ علامہ شبلی صفحہ ۳۹۔

جنگ کے قیدیوں کی نسبت اُن کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حضرت عمر کا ایک پسند طریقہ تھا۔ لیکن جب اُن کے پکڑنے میں اصول معینہ سے تجاوز کیا گیا ہو تو بغیر فدیہ لینے کے وہ چھوڑ دیتے تھے چنانچہ جنوبی جزیرے سے مسلمانوں کے لشکر نے بہت سے لوگ قید کر لئے تھے اور پکڑ کر ساتھ لائے تھے مگر حضرت عمر کے حکم سے وہ امن و امان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس بھیج دیئے گئے۔ اُن کی تعداد دس ہزار سے کم نہیں بیان کی گئی ہے[۱]"

جنگ کے بعد یا بغیر جنگ کے جو معاہدات صلح کے مسلمانوں اور غیر اقوام کے درمیان باہم ہوتے تھے اُن میں ذمیوں کے مساویانہ حقوق میں اُن کی جان و مال۔ نقد اسباب۔ مویشی۔ مکانات سب کی حفاظت کی ذمہ داری کی شرط مقدم ہوتی تھی۔ اُن کے دشمنوں سے لڑنے اور اُن کی حفاظت کرنے اور جن سے وہ صلح کریں اُن سے صلح کرنے اور اسی قسم کی شرائط کے مسلمان اپنے آپ کو پابند کرتے تھے ذمیوں سے جو عہد مسلمان لیتے تھے اُن میں اکثر میں تو صرف جزیہ دینے کی شرط ہوتی تھی۔ بعض میں اس کے سوا دشمنوں سے سازش نہ کرنے۔ مجرم کو پناہ نہ دینے اور راستے صاف کرنے اور بعض میں مسلمان مسافر کی تین روز تک مہمانی کرنے کی شرط ہوتی تھی[۲]۔ ان پانچ شرطوں سے زیادہ کسی قسم کا عہد نہیں لیا جاتا تھا۔ جزیہ کی بحث تو بعد میں ہوگی باقی شرائط جو لیجاتی تھیں کوئی نہیں کہ سکتا اُن میں کوئی ناواجب امر ہو یا معاہد کے لئے اُن کا پورا کرنا مشکل یا گراں ہو۔ اور اخلاق اور ملک کے امن کی ضرورت کے سوا کوئی اور غرض اُن سے مقصود ہو۔

سرداران لشکر اور اصحاب وغیرہ جو معاہدہ صلح کا کسی جماعت یا قوم سے کر لیتے تھے وہ سب کے نزدیک جائز اور قابل تسلیم ہوتا تھا۔ خواہ کسی درجہ اُن میں رعایت روا رکھی گئی ہو اُسکے بدلنے کا کسی کو اختیار نہ تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ابو عبیدہ سردار لشکر عراق نے نمارک کی لڑائی میں جابان ایرانی فوج کے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا۔ مگر بلا شناخت دو آدمیوں کے بدلہ میں رہا کر دیا۔ مثنی کو جب اُس کے رتبہ اور حال کی خبر ہوئی تو اُس نے اُسکو پکڑ لینا چاہا مگر ابو عبیدہ نے اس ارادہ کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ایک مسلمان کی

---

[۱] الموسوف خلافت مولفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۸۱ [۲] ازالۃ الخفا سیاست۔

کی دی ہوئی صلح اور امن کو کوئی دوسرا توڑ نہیں سکتا اور اب اُسکو پکڑنا اور مارنا بیوفائی ہوگی شبلی نے بھی اس راے سے اتفاق کرلیا اور جابان کو صحیح وسلامت جانے دیا[1]۔ لیکن اگر اُس میں کسی قسم کی سختی کیگئی ہو تو البتہ اُسکو مناسب شرائط سے بدل دیا جاتا تھا سرداران لشکر بجائے خود رحم وانصاف کے نائب تھے دمشق اور مصر اگرچہ بزور شمشیر فتح کیا گیا لیکن کسیکو بعد جنگ کے قید وقتل نہیں کیا گیا جزیہ لینے کے شرائط پر ذمی قرار دیکر چھوڑ دیا گیا اور جو اقرار اُنکی رضامندی سے ہوگیا اُسکی پوری پابندی کی۔ کسی کے مذہب اور مذہبی آزادی کو ہرگز ہرگز تعرض نہیں کیا گیا سر ولیم میور مقر ہیں کہ "عموماً لوگ اپنے مذہب پر رہے اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت اور عبادت کی تعظیم وعزت کی گئی[2]"

حضرت عمر کے یوروشلیم کے ساتھ صلح سفر کرنے اور بیت المقدس پر قبضہ کرنے جانے کے واقعہ میں ایک عجیب وغریب عہدنامہ واقدی اور بلاذری کی پیروی کرنے والے انگریزی مورخوں نے نقل کیا ہے۔ اور بیت المقدس کے بعض مورخوں نے اس کو بیان کیا ہے حضرت عمر نے جو معاہدہ اپنی طرف سے لکھ کر دیا تھا اُسکو انگریزی مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُس کے الفاظ یہ تھے کہ "عمر ابن الخطاب کی طرف سے باشندگان ایلیا کے ساتھ۔ کہ اُن کی حفاظت کی جاوے گی۔ اُن کے جان ومال کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ اُن کے گرجے نہ گرائے جائیں گے۔ اور نہ اُن کو بغیر کوئی اور اُن کو استعمال کرے گا[3]۔" لیکن جو عہدنامہ عیسائیوں کی طرف سے لکھا گیا ہے اُسکی عجیب وغریب شرائط بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عیسائی کوئی اور گرجا نہ بنائیں گے مسلمانوں کو گھروں میں داخل ہونے دینے سے انکار نہ کریں گے۔ اپنی اولاد کو قرآن نہ پڑھائیں گے اور مسلمانوں کے مذہب کی نسبت گفتگو نہ کریں گے۔ اپنے مذہب کی ترغیب نہ دیں گے اور مسلمان ہونے سے منع نہ کریں گے۔ مسلمانوں کی تعظیم کریں گے اور اُن کی مانند لباس نہ پہنیں گے گھوڑے پر نہ چڑھیں گے اور ہتھیار نہ باندھیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس عجیب وغریب عہدنامہ کو کوئی معتبر مورخ بیان اور تسلیم نہیں کرتا۔ انگریزی مورخوں میں سے گبن کی خاموشی روایت کے کذب کی دلیل ہے اور سر ولیم میور

[1] انس بعث خلافت صفحہ ۱۳۹ [2] انس اوف خلافت صفحہ ۱۳۹ [3] تاریخ مسلمانان مولفہ گبن اڈکلی صفحہ ۲۵۶۔

تو علانیہ طور پر اُس سے انکار کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے سفر بیت المقدس کے بیان میں مورخ مذکور لکھتا ہے کہ یروشلیم میں پہونچ کر خلیفہ نے بطریق اور اہل شہر سے بڑی مہربانی اور حلم اور تواضع سے ملاقات کی۔ اُس نے اُن کو وہی حقوق عطا کئے جو بہت سے خوش قسمت شہروں کو دیئے گئے تھے باشندوں پر ایک نہایت خفیف خراج (جزیہ) مقرر کیا اور اُن کی تمام عبادت گاہوں اور گرجاؤں پر اُن کے قبضہ کو قبول اور تسلیم کیا۔ یروشلیم مسلمانوں کے نزدیک بے انتہا تعظیم اور تکریم کی جگہ تھی نہ صرف اس سبب سے کہ دین موسوی اور عیسوی نے وہاں پرورش پائی تھی بلکہ بسبب اسلام کا پہلا قبلہ ہونے کے جدھر منہ کر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور نیز بسبب وہ مقام ہونے کے جو پیغمبرؐ نے معراج کی رات کو ملاحظہ کیا تھا[۱]۔"

اس کے بعد مورخ مذکور اُس آئین کی طرف اشارہ کر کے جو عیسائیوں کی نسبت حضرت عمرؓ سے منسوب کی جاتی ہے لکھتا ہے کہ اُس بردبار متحمل اور آزادی بخش فرمانروائی کی طرف انکا منسوب کرنا ایک قابل جوابدہی الزام ہوگا۔ غیر اقوام سے اس قسم کے شرایط لینے اور ایسے سلوک کی نسبت لکھتا ہے کہ "ابتدا میں فاتحین جو کچھ لیتے تھے وہ اِس عام خراج (جزیہ) کے سوا سال میں کسی قدر روغن زیتون اور خوراک کی اَور چیزیں تھیں اور مسلمان مسافر کو تین دن مہمان رکھنے کا عہد تھا۔" اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ گھوڑے کی سواری کی ممانعت وغیرہ اُس زمانہ کے حکم ہیں۔ جب خلافت دمشق میں تبدیل ہوئی تھی۔ سر ولیم میور بلاذری کی ایسی روایات کی بھی تردید کرتا ہے جنمیں حضرت عمرؓ سے اس قسم کی شرائط لینا منسوب کیا گیا ہے[۲]۔

بنی امیہ اور عباسیہ کے زمانہ کے مورخوں کی اس قسم کی روایات کی اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یا تو انھوں نے غیر المذہب اقوام سے اس قسم کی شرائط لیتے اور اُن سے اس قسم کا سلوک ہوتے دیکھ کر اُس پر حضرت عمرؓ کے زمانہ کی شرائط کا قیاس کر لیا ہے یا اُس زمانہ کے خلفا کے برتاؤ کو جائز قرار دینے کے واسطے اس قسم کی روایات خود پیدا کی ہیں بہرحال حضرت عمرؓ کی خلافت کسی اِس قسم کا

[۱] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۰۸ [۲] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۱۳۔

معاہدہ لکھوانے کے الزام سے پاک ہے اور عیسائی واقف مورخ بھی اس کے مقر ہیں۔ صرف اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت عمر قومی امتیازات کے قایم رہنے کے شایق تھے عربوں کے واسطے وہ دھوپ کھانا اور موٹا کپڑا پہننا وغیرہ اُن کی اصلی عادات کے قایم رکھنے کی ہدایت کرتے تھے اسطرح دوسرے ممالک کے باشندوں کی نسبت انکا یہ خیال تھا کہ وہ اپنے لباس اور وضع اور اطوار کو ممیز رکھیں اور مسلمانوں سے اُن کی تفریق کی ہو اور یہ خیال ایسا ہی تھا جیسا ہمارے موجودہ زمانہ کی انگریزی شایستہ سلطنت کا ہے اور ایسی ہی ایک سرسری خواہش تھی۔

حضرت عمر کا غیر اور غیر المذہب ذمی اقوام سے عام طور پر جو سلوک تھا وہ نہایت انصاف اور رحم اور شایستہ ترین اصولوں پر مبنی تھا۔ اُن کی آزادی اور دوسرے عام حقوق مسلمانوں کے ساتھ مساوی درجہ کے تھے۔

ایرانی اُمرا جب مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شامل ہوکر کام کرنے پر راضی ہوئے تو اُنپر ویسا ہی اعتبار اور اعتماد کرلیا گیا اور خاص عزت اور رتبہ کے ساتھ اُن کے نام دیوان میں درج کرکے اُنکے طائف مقرر کردیئے گئے۔

حضرت عمر کے منصفانہ برتاؤ کا ایک واقعہ اُن کے سفر بیت المقدس کا مشہور ہے جس کو ہم سر ولیم میور کے الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "عیسائی مورخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر سوفرونیس (بطریق) کے ساتھ شہر دیکھنے کے واسطے گئے۔ جج کے اکثر مقامات دیکھے اور نہایت مہربانی اور شفقت سے تاریخی حالات دریافت کیئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو بطریق نے حضرت عمر سے کہا کہ وہ اُسی مقام پر جہاں اُسوقت تھے نماز ادا کرلیں۔ اُس وقت وہ چرچ اوف ری سرکشن میں تھے مگر حضرت عمرؓ نے وہاں یا چرچ اوف کانسٹنٹائین میں جہاں اُن کے واسطے ایک شطرنجی بچھادی گئی تھی نماز پڑھنے سے انکار کیا اور یہ وجہ بیان کی کہ اگر میں نے اس مقام پر نماز ادا کی تو مسلمان عیسائیوں کو اون سے بیدخل کردیں گے اور اس دلیل سے کہ وہاں ایک دفعہ نماز پڑھی جاچکی ہے اُس پر قبضہ کرلیں گے۔

ملہ انلس اوف خلافت صفحہ ۲۵۲۔

بھلم کو بھی حضرت عمر نے دیکھا اور وہاں چرچ اوف نیٹوٹی میں نماز گذاری لیکن بطریق کو جو اس مقدس مقام میں اُن کے ساتھ تھا ایک نوشت اِس مضمون کی لکھ کر دیدی کہ عیسائی ہمیشہ اُس عمارت کے مالک رہینگے مسلمانوں کو اُس میں جانے کی اجازت ہوگی مگر ایک وقت میں ایک سے زیادہ مسلمان اُس میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن اِس نوشت کی بعد زمانہ میں پروا نکرکے وہاں اور چرچ اوف کانسٹنٹائین کی ڈیوڑھی میں مسجدیں بنالی گئیں [۱] اِس مشہور واقعہ کے جزئیات حالات میں اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ کوئی ایک جزو اُس بیان کا صحیح نہ ہو مگر حضرت عمر کی انصاف پسندی کی ایک بے نظیر مثال ہے۔

دوسرے سفر شام میں حضرت عمر کے عیسائیوں کے ساتھ محبت اور شفقت اور بے تکلفی سے پیش آنے کے ۔ ولیم مقر ہیں [۲]۔ اِس قسم کے اور واقعات کا جمع کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اُن کے عامل بھی اُن کے اِن اصولوں کی پیروی کرنے میں اُن سے پیچھے نہیں تھے۔ عمیر بن سعد انصاری حمص کی عاملی کو چھوڑ کر تمام عمر اِس بات پر متاسف رہے کہ اُن کے مُنہ سے ایک دن ایک ذمی کی نسبت نکل گیا تھا کہ "اللہ تجھے خوار کرے" اِس سے زیادہ حق شناسی کی دُنیا کس سے امید کرسکتی ہے۔

اِن غیر اقوام کی خبرگیری کرنے اور اُن کے محتاجوں اور مفلسوں کی مدد کرنے میں حضرت عمر مسلمانوں کی نسبت کچھ کم توجہ نہیں کرتے تھے۔ قحط کے زمانہ میں اُن کی خبرگیری بھی ویسی ہی کرتے تھے اور صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی اُس میں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت عمر نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اِس قول میں انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی یہودی مراد ہیں [۳] سفر بیت المقدس میں حضرت عمر نے عیسائی جذامیوں کے واسطے جو جابیا کے قریب آباد تھے عشر میں سے ایک حصہ مقرر کردیا اور یہ خالص خیراتانہ عطیہ تھا [۴]۔ مذہبی فقرا اور مساکین غیر مذہب کو معافیات وغیرہ عطا کرنے کے واقعات بھی بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہودی کا ایک اور مشہور واقعہ ہے کہ

---

[۱] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۱۰ [۲] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۳۶ [۳] الجزیہ و ازالۃ الخفا۔

[۴] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۱۲۔

حضرت عمر نے ایک دن راستہ میں چلتے ہوئے ایک بوڑھے نابینا شخص کو سوال کرتے ہوئے دیکھا کھڑے ہوکر اُسکا حال پوچھنے لگے معلوم ہوا کہ محتاج یہودی ہے اور اُس کے سوال کرنے کا باعث جزیہ اور محتاجی اور بوڑھاپا ہے۔ حضرت عمر نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھر لائے اور رفع حاجت کے واسطے اُسکو کچھ دیا اور پھر بیت المال کے داروغہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ "اس کو اور اس جیسے اور جتنے ہوں اُنکو دیکھ کر جُدا کر۔ خدا کی قسم ہم نے انصاف نہیں کیا کہ اُس کی جوانی کی کمائی کھائی اور بڑھاپے میں اُسے تنگ کریں۔ اس کو اور اس جیسے جتنے ہوں سب کو جزیہ معاف کیا جائے"۔ غرض اس قسم کے واقعات سے حضرت عمر کے رحم اور انصاف کا جو وہ غیر مذہب کے لوگوں سے برتتے تھے قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اقوام مفتوحہ کے مذہب اور مذہبی آزادی سے کبھی تعرض نہیں کیا گیا۔ بنی عبادہ کو گو شام سے بغاوت کے خوف سے جزیرہ میں واپس بھجوا دیا گیا اور خلیفہ کے ساتھ اُن کے تعلقات بدستور قایم ہوگئے مگر وہ اپنے مذہب عیسوی پر قایم رہے[1]۔ بنو تغلب کا واقعہ حضرت عمر کے اس قسم کے سلوک کی ایک عمدہ مثال ہے ولید بن عقبہ کے ہاتھوں پر اُنہوں نے اطاعت قبول کی جس نے اس مشہور اور بزرگ قبیلہ کے اسلام اختیار کرنے کے خیال سے اُن سے سختی کا برتاؤ کرنا شروع کیا تا کہ اپنے پہلے دین کو ترک کر دیں حضرت عمر اس حال کو سن کر نہایت ناراض ہوئے اور ولید کو لکھا کہ انکو اپنے مذہب پر قایم رہنے دے اور مت چھیڑ۔ صرف جزیرہ نما عرب میں کوئی مشرک نہ رہنا چاہئیے اسی قصور پر حضرت عمر نے ولید کو معزول کر دیا اور صرف جزیہ لینے کا حکم دیا۔ بنو تغلب نے اپ حضرت عمر سے درخواست کی کہ وہ جزیہ دینا اپنے واسطے ہتک سمجھتے ہیں اور اُن سے اُس محصول کے نام سے جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اگر ٹیکس لیا جائے تو بہت خوشی سے وہ ادا کریں گے حضرت عمر نے اپنی آزادانہ طبیعت سے اسے بھی منظور کر لیا اور اُن سے عشر لینا قبول کیا[2]۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت کی نسبت جو ایک یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے عہد میں نو سو کنیسا خراب ہوئے اس سے یہ دھوکا کبھی نہ کھانا چاہئیے

[1] الفاروق خلافت صفحہ ۲۱۰ - [2] الفاروق خلافت ۲۱۰ -

کہ جبراً کسی غیر مذہب کا کوئی معبد خراب کیا گیا یا گرایا گیا بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ دینِ اسلام کے شایع ہونے اور غیر مذہب لوگوں کے مسلمان ہونے سے اتنے معبد بیکار ہو گئے۔

زمین کی کاشت اور زراعت کی ترقی اور آبادی جو ملک کی ترقی اور دولتمندی اور رعایا کی آسودگی اور فراغت کا سب بڑا اور اصلی ذریعہ ہے حضرت عمرؓ نے اسکے واسطے کوشش کرنیمیں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ فتوحات اور لشکر کشی کو روک روک کر ممالک مفتوحہ میں نہریں کھودنے اور زمینوں کے سیراب کرنیکے وسایل کو ترقی دینے کا حکم دیتے تھے۔ نہریں جال کی طرح ملک میں پھیلا دی گئیں نیز حضرت عمرؓ نے حکمدیا کہ جو کاشتکار اپنی اپنی زمینیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اُن کو واپس بُلایا جائے۔ اُن کو ذمی قرار دے کر زمینیں اُن کے قبضہ میں دی جاویں۔ اور ایک معتدل محصول لیا جائے[۱] اور ایک عام اشتہار دیا جو شخص بنجر زمین کو مزروعہ اور اُس کو آباد کرے وہ اُسی کو دے دی جائیگی[۲] غرض اِس طرح کاشتکاروں کو امن اور آسایش اور اطمینان اور خود مختارانہ قبضہ نصیب ہونے سے ملک آباد ہو گیا۔ اور کاشتکار غلامی کی مصیبتوں سے چھوٹ کر آسودہ اور فارغبال ہو گئے۔

مزارعین کو امن اور اطمینان حاصل ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے اہل عرب کو زمینداری اور کاشت کاری کا کام اختیار کرنے سے قطعی مخالفت کر دی تھی۔ مصر میں شام میں عراق میں مسلمانوں نے بہت چاہا کہ اُن کو زمینیں دی جائیں مگر حضرت عمرؓ نے نہ مانا پر نہ مانا۔ اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے پر سزائیں دیں جس سے آیندہ کسیکو اس قسم کا ارادہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ اس قسم کی درخواستیں اور حضرت عمرؓ کا انکار کتب تاریخ میں اکثر مذکور ہیں۔ انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ "سواد یا کالدیہ کا زرخیز میدانی ملک جو باستثنائے چند بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا عرب کی فوج نے بطور انعام جنگ اُس کا دعویٰ کیا۔ حضرت عمرؓ کا انصاف اور حق رسانی اس درخواست کے منظور نہ کرنے میں نہایت ممتاز ہے"۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ "دعویداروں کی ناراضی کے باوجود صرف اراضی ضبط شدہ ہی غیر منقسم نہیں رکھی گئی بلکہ صحرائے شام کے کناروں سے ایران کے

---

۱ المس اوف خلافت صفحہ ۲۹۴ – ۲ تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۳۰ –

سلسلہ کوہ تاک کسی ایک قطعہ اراضی کی فروخت مطلق طور پر منع کر دی گئی۔ اس طرح کہ مزارعین کے واسطے دوگونہ حفاظت کا انتظام ہوگیا۔ جو کسی صورت میں اور کسی حال میں بھی اپنی زمینوں سے بیدخل نہیں کئے جاسکتے تھے۔ نیز ملک نے اپنے اصلی مزارعین کے ہاتھ میں رہکر پرورش اور ترقی پائی اور دولتمند اور خراج کا مستقل ذریعہ ہوگیا۔[1]"

مصر کے حالات میں مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "زبیر نے عمرو بن العاص سے اصرار کیا کہ مصر کے ساتھ بزور شمشیر فتح کئے ہوئے ملک کی مانند سلوک کیا جائے اور زمین کو اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا جائے لیکن عمرو بن العاص نے انکار کیا اور جیسا کہ امید کرنا چاہئے تھا حضرت عمر نے اُس کے فیصلہ کی تائید اور تصدیق کی۔ اور یہ عاقلانہ جواب لکھا کہ "مصر کی زمین کو رعایا کے ہاتھ میں زراعت کی ترقی اور بار آوری کے واسطے رہنے دیا جائے۔ جیسا کہ اور جگہ کیا تھا۔ حضرت عمر عربوں کو ایک ایکڑ زمین کا بھی مالک بننے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ عمرو بن العاص نے اپنے لئے مکان بنانے کو زمین چاہی اور حضرت عمر نے انکار کیا اور لکھا کہ مدینہ میں جو اُس کا مکان ہے وہ اسکے واسطے کافی ہے۔ اس طرح پر مصر کی زمین اُس کے اصلی اور موروثی مالکوں اور قابضوں کے ہاتھ میں رہ کر حجاز کے واسطے ایک قیمتی ذخیرہ گاہ بن گیا جیسے کہ اگلے وقتوں میں وہ اٹلی اطالیہ وما کے واسطے ذخیرہ گاہ تھا۔[2]"

ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ "ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا کہ وہاں کی زمین اُن کو بانٹ دی جائے۔ لیکن حضرت عمر کی فیاض دلی کسی طرح اُن کو فاتحین کی راے پر مائل نہیں ہونے دیتی تھی بالآخر ایک نصی سند پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بے دخل نہ کئے جاویں۔ مصر میں بھی آپ نے تاکیدی فرمان بھیجا کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی تو آپ نے اُسے پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی لیکن اُس نے تعلی توبہ سے اپنا قصور معاف کرالیا۔[3]"

---

[1] انفال اوف خلافت صفحہ ۱۹۳ [2] انفال اوف خلافت صفحہ ۲۲۲ [3] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۸

غرض غیر اقوام کے ساتھ جس فیاضی اور انصاف کا برتاؤ حضرت عمرؓ نے کیا اور جو خاص حقوق مسلمانوں سے بھی زیادہ اور بڑھ کر اُن کو عطا کئے وہ مہذب اقوام کی مدعیانہ اور نکتہ چین نگاہوں کو ہمیشہ نیچا رکھیں گی۔ اس کے بعد زمین اور زمینداری کے متعلق اسلامی خوش قسمت رعایا ہونے کی حالت میں عشر اور خراج کا دینا تھا جو یقیناً نہایت انصاف بلکہ رعایت کے اصولوں پر مبنی تھا ہمارے مؤرخ نے خراج کے متعلق چند قواعد جو آنحضرت صلعم یا خلفا کے عہد میں مروج تھے مختصر طور پر بیان کئے ہیں جو ہمارے دعویٰ کو بخوبی ثابت کر دیں گے کہ "جو زمین نہروں کے قدرتی پانی سے سیراب نہ ہوتی ہو یا جو زمین فوج کو تقسیم کر دی گئی ہو یا جس مقام کے باشندے فوج کشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں ان تینوں حالتوں میں وہ زمین عشری ہوگی یعنی اُس کی پیداوار سے صرف دسواں حصہ لیا جائے گا اور یہی اُس کا خراج سمجھا جاوے گا۔ ان تینوں قسموں کے علاوہ جو زمین ہے وہ خراجی ہے۔ عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین پڑتی ڈال دے تو اُس سے کچھ نہیں لیا جاوے گا۔ خراجی زمین میں ایسا نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پڑتی ڈال کر دوسرے سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا۔ جس زمین پر دوکانیں بنالی جائیں وہ عموماً عشر و خراج سے معاف ہیں اگر کھیتی کو کوئی آفت پہونچے تو خراج معاف ہوجاوے گا مذکورہ بالا قسموں میں سے دو پچھلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں۔

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جنکو اسلام کی حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملا ہے قریب قریب یکساں متعلق ہیں۔ خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین بھی خواہ کسی کے قبضہ میں ہو اُس سے عشر ہی لیا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے قوم نبط سے عشر ہی لیا تھا[1] خراج کی شرحیں جو باقاعدہ پیمائش کے لحاظ سے مقرر کیا گیا تھا ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں وہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہمارے دعویٰ کی دلیل میں پیش

[1] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۷ و ۱۸۔

کی جا سکتی ہیں۔ عشر اور خراج میں تو مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں کوئی تمیز نہ تھی لیکن اس کے سوا جزیہ ایک ایسا محصول تھا جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت رکھتا تھا۔ اس بنا پر کی غیر مذہب اقوام نے اس لفظ کو ایسا بھیانک اور ڈراؤنا بنا دیا ہے کہ ان کے منہ سے سن کر اس کے مضمون سے کوئی خوش نہ ہوگا۔ وہ اس کو مسلمانوں اور غیر مذہب والوں کے درمیان ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنے کا ایک اصول بیان کرتے ہیں اور ایسا جبر بیان کرتے ہیں جس سے بچنے کے واسطے اسلام کا قبول کرنا بھی گوارا کیا جاتا تھا اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا۔ لیکن اس قسم کے خیالات درحقیقت تعصب یا غلط فہمی سے پیدا ہوئے ہیں تحقیق کے نزدیک وہ تمامتر بے اصل اور بیہودہ ہیں۔ علامہ شبلی نے دقیق اور عالمانہ مضمون نے کسی بحث کی گنجایش نہیں چھوڑی۔ انہوں نے تفصیلی ثابت کر دیا کہ جزیہ کو مسلمانوں نے نہیں ایجاد کیا۔ ایرانی زبان کے لفظ گزیت کا معرب اور نوشیروان عادل کا ایجاد و مقرر کیا ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ایران اور عرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو ابتدائی تغیر اسلام میں رائج تھے نوشیروان کے عہد میں مرتب ہوئے۔ علامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل کے پہلے حصہ میں ایک مضمون اس عنوان کا لکھا ہے۔ ذکر ما فعلہ کسریٰ فی امر الخراج والجند جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نوشیروان نے زمین کی پیمایش کرائی اور مختلف شرحوں کی جمع مقرر کی۔ اور تمام لوگوں پر بہ استثنا اہل فوج و درس و ارکان دولت جزیہ مقرر کیا جس کی تعداد بارہ درہم، آٹھ درہم، چھ درہم، چار درہم تک تھی (ابن اثیر نے اس موقع پر جزیہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ایسی اصطلاح نہیں ہے جو مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ مخصوص ہو۔ نوشیروان اور اس کی ایرانی رعایا کا ایک مذہب تھا تاہم جو ٹیکس ان پر لگایا گیا تھا مسلمان اس کو جزیہ ہی کہتے تھے) خراج کے ذکر کے بعد مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "وھی الوضائع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب" یعنی حضرت عمر نے انہیں قاعدوں کی تقلید کی۔ اور جزیہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمر نے بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے کو جزیہ سے معاف کیا۔" جس غرض سے نوشیروان نے

جزیہ کا قاعدہ جاری کیا اُس کی وجہ علامہ موصوف نے نوشیروان کے اقوال سے یہ نقل کی ہے کہ اہل فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے لئے اپنی جانیں خطرہ میں ڈالتے ہیں اس لئے لوگوں کی آمدنی سے اُن کے لئے ایک رقم خاص مقرر کی گئی کہ اُن کی محنتوں کا معاوضہ ہو ۔" اس کی تائید میں ہمارے مؤرخ فردوسی کے اشعار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ" اسلام نے جو انتظام قایم کیا اُسکی رو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جا سکتا تھا۔ یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا اور لوگ اگر ذرا بھی اُس سے بچنے کا حیلہ پا جاتے تھے تو اُس سے فایدہ اُٹھانا چاہتے تھے چنانچہ ایکبار جب جزیرہ سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کر دیئے گئے تو سیکڑوں آدمیوں نے اَور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا۔

اس لحاظ سے کُل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہیں جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہل فوج کو اس ٹیکس (جزیہ) سے بری رکھا تھا۔ لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جن کی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی اُن کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا۔ نہ وہ لوگ ایسی پُرخطر خدمت کے لئے راضی ہو سکتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لئے کوئی ٹیکس ادا کریں۔ اسی ٹیکس کا نام جزیہ تھا جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا۔ لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کر دیئے گئے۔

جزیہ کا معاوضہ حفاظت ہونا مسلمانوں میں علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہل لغت کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزاء سے نکلا ہے جس کے معنی بدلہ کے ہیں اور چونکہ یہ ٹیکس بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہے لہذا اس مناسبت سے اُس کا نام جزیہ رکھا گیا۔ آنحضرت صلعم و خلفاء راشدین کے جو معاہدے تاریخوں میں منقول ہیں اُن سے عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ اُن لوگوں کی محافظت کا معاوضہ تھا۔ خود رسول اللہ صلعم نے والی ایلہ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا اُس میں یہ الفاظ

مندرج فرمائے "یحفظوا ویمنعوا" یعنی اِن لوگوں کی حفاظت کی جائے اور دشمنوں سے بچائے جائیں۔ حضرت عمر نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں انمیں ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔ اور مسلمانوں کو اُن کی طرف سے اُن کے دُشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہئیے"۔ اِس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں جن سے نہایت صاف اور مصرح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ایک ٹیکس تھا۔ اور غیر مذہب والے جو مسلمانوں کی رعایا تھے یہی سمجھ کر یہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| هذا کتاب من خالد بن الولید لصلوبا ابن نسطونا وقومه انی عاهدتکم علی الجزیة والمنعة فلك الذمة والمنعة ما منعنا کم فلنا الجزیة والا فلا کتب سنة اثنی عشرة فی صفر | یہ خالد بن ولید کی تحریر ہے صلوبا بن نسطونا اور اُس کی قوم کے لئے۔ میں نے تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر۔ پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے جبتک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں۔ سنہ بارہ صفر میں لکھا گیا۔" |

عاملان اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہدنامے لکھے اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے اُن کے مقطع الفاظ یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| براءة لمن کان من کذا وکذا من الجزیة التی صالحهم علیها الامیر خالد بن الولید وقد قبضت الذی صالحهم علیه خالد والمسلمون لکم ید علی من بدل صلح خالد ما اقررتم بالجزیة وکففتم امانکم امان وصلحکم صلح ونحن لکم علی الوفاء۔ | اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اس اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جن پر خالد بن ولید نے اُن سے مصالحت کی ہے یہ برأت نامہ ہے خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہمکو وصول ہوئی جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اُسکو تم لوگ مجبور کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو۔ تمہاری امان امان ہے اور تمہاری صلح صلح (یعنی جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کریں گے اور جسکو تم امان دوگے ہم بھی امان دیں گے) |

اِسکے مقابلہ میں عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی

| | |
|---|---|
| انا قد ادینا الجزیۃ اللتی عاھدنا علیھا خالد۔ علی ان یمنعونا و امیرھم البغی من المسلمین و غیرھم۔ | ہم نے وہ جزیہ ادا کر دیا جس پر خالد سے معاہدہ کیا تھا اس شرط پر کہ مسلمان اور نیز اور تمام قومیں اگر ہم کو گزند پہونچانا چاہیں تو جماعت اسلام اور اُن کے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں۔ |

ان تحریروں سے جو ہم نے اس موقع پر نقل کیں اور نیز تمام اور معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں ہداہۃً یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اُسی اصول کی بنا پر تھا جو نوشیروان عادل نے قایم کیا تھا۔ لیکن اس پر بھی اگر کسی کو شبہ ہے تو ذیل کے واقعہ سے رہا سہا شک بھی رفع ہو جائیگا۔ ابو عبیدؓ بن جراح نے جب متواتر شام میں فتوحات حاصل کیں تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے تیار کی۔ مسلمانوں کو اُس کے مقابلہ میں بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا اور اُن کی تمام قوت اور توجہ فوجوں کی ترتیب میں مصروف ہوئی اُس وقت حضرت ابو عبیدہ امین افسر فوج نے اپنے تمام عمالوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے لکھ بھیجا کہ جس قدر جزیہ و خراج جہاں جہاں وصول کیا گیا ہے سب اُن لوگوں کو واپس دے دو جن سے وصول ہوا تھا۔ اور اُن سے کہدو کہ ہم نے تم سے جو کچھ لیا تھا اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کر سکیں۔ لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانے کی وجہ سے ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے۔" ابو عبیدہ کے خاص الفاظ جن میں عیسائیوں سے خطاب ہے یہ ہیں انما رددنا علیکم اموالکم لانہ قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع وانکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذالک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپیہ بیت المال سے لیکر اُن لوگوں کو پھیر دیئے گئے جو رقم وصول ہوئی تھی اُس کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف حمص سے قریباً آٹھ لاکھ روپیے جزیہ و خراج میں ملے تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر تم کو ہمارے شہروں کی حکومت دی۔ رومی ہوتے تو اس موقع پر واپس کرنا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے۔ ان سب باتوں سے

زیادہ یہ امر اس دعوے کے لئے دلیل بیّن ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو وہ اسی طرح جزیہ سے بری ہے جس طرح خود مسلمان۔

سپاہیانہ مدتوں میں یہ تصریح کہ جزیہ کے عوض ہم تمہاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ جب حفاظت پر قدرت نہ ہو تو جزیہ کا واپس کر دینا۔ جو قومیں فوجی خدمت پر آمادہ ہوں اُنکو جزیہ سے بری رکھنا۔ کیا اِن واقعات کے ثابت ہونے کے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا جو ہنے بحث کے آغاز میں بتایا ہے۔

جزیہ کے مصارف یہ تھے۔ لشکر کی آراستگی۔ سرحد کی حفاظت۔ قلعوں کی تعمیر۔ ان سے پلوں اور سڑکوں کی تیاری۔ سررشتہ تعلیم۔ بیشک اس خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہونچتا تھا۔ اور پہونچنا چاہئے تھا۔ مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے تھے۔ جانیں لڑاتے تھے۔ ملک کو تمام خطروں سے بچاتے تھے۔ پس جس طرح اُن کے جسم و جان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہونچتا تھا تو کیا بے جا تھا۔ اس کے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی اُس میں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت عمر فاروق نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ "خدا کے اس قول میں انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں"۔

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ تھی۔ کسی کے پاس لاکھوں روپیے ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا عام شرح چھ روپیہ اور تین روپیہ سالانہ تھی۔ بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے اور عورتیں۔ مفلوج۔ معطل العضو۔ نابینا۔ مجنون۔ مفلس یعنی جسکے پاس دو سو درہم سے کم ہوں یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی جس کے ادا کرنے سے فوجی پُرخطر خدمت سے نجات ملجاتی تھی۔ جس کی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے۔ کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اُس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا۔ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی

کم قیمت سمجھا ہوگا۔ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اُس کے مذہب کے ضایع ہونیکا رنج بھی نہ کرنا چاہئے جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے اُن کو اسلام نے جس قدر حقوق دیئے کون حکومت اُس سے زیادہ دے سکتی ہے؟

عیسائی مورخوں نے جزیہ کی بحث میں عجیب غلطیاں کی ہیں بعض وقت اُنہوں نے فدیہ اور جزیہ میں تمیز نہیں کی اور فدیہ کو جزیہ سمجھ لیا ہے جو جنگ کے قیدیوں کی رہائی کے بدلہ میں ایک رقم لی جاتی تھی شاید ایسی ہی غلطی کی بنا پر مسٹر لین نے اپنی کتاب مدالقاموس میں لکھا ہے کہ جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ تھا مگر یہ اُن کی نہایت غلطی ہے کیونکہ امن کا ہوجانا یعنی لڑائی کا موقوف ہونا صلح کا ہوجانا یا کسی قسم کا معاہدہ ہونا گو کہ اُس میں جزیہ کا دینا نہ قرار پایا ہو قتل سے محفوظی کا سبب ہوتا تھا نہ کہ جزیہ دینا۔[۵۱]

جزیہ کے مقابلہ میں جو ٹیکس زکوٰۃ مسلمانوں سے لیا جاتا تھا وہ جزیہ سے بدرجہا زیادہ سخت تھا سونے۔ چاندی۔ اونٹ۔ گلے سب پر جداگانہ شرحیں۔ فرض کرو کہ ایک ذمی کے پاس چالیس ہزار روپیہ ہیں جس کی تجارت سے وہ فایدہ اُٹھارہا ہے اور ایک مسلمان کے پاس بھی اُسی قدر رقم ہے لیکن اُس میں کوئی اور آمدنی نہیں ہے۔ ذمی کو تو سال بھر میں صرف تین روپیہ چھ روپیہ یا زیادہ سے زیادہ بارہ روپیہ دینے پڑیں گے اور مسلمان کو پورا چالیسواں حصہ ایک ہزار روپیہ دینا پڑے گا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں بھی جزیہ کسی کو مسلمان ہونے پر رغبت دلا سکتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اگر ٹیکس کی کمی و بیشی پر دین یا مذہب کا مدار ہوتا تو مسلمانوں کا ٹیکس اُن کو جزیہ کے مقابلہ میں اسلام چھوڑ کر ذمی ہوجانے کی رغبت دلاتا۔ ممالک مفتوحہ کی رعایا کے جان و مال جس حال میں مسلمانوں کے قبضہ و اختیار میں تھے اگر اُن کو اپنی رعایا کو لوٹنا اور مسلمان کرنا ہی مقصود ہوتا تو ایک خفیف سی رقم سالانہ اپنے ان اغراض کے حاصل کرنے کے واسطے بہانہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی وہ ہر ایک طرح لوگوں کو مسلمان کر سکتے تھے مگر ہم کو یقین ہے کہ مسلمانوں

[۵۱] تفسیر القرآن از سرسید احمد خان صاحب جلد چہارم صفحہ ۱۰۷۔

کی نسبت ہر ایک اس قسم کا الزام جھوٹا اور غلط ہوگا۔ سر ولیم میور اقرار کرتا ہے کہ رعایا عام طور پر اپنے مذہب پر رہی اور اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت اور عبادت کی عزت و تعظیم کی گئی۔[۱]

جزیہ کے وصول کرنے میں حضرت عمر جو رحم اور رعایت کرتے تھے اُسکی بھی مثالیں ہیں ایک دفعہ آپ جب سفر شام سے واپس آ رہے تھے راستہ میں ایک جماعت کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑی کر کے تکلیف دی جا رہی ہے۔ حضرت عمر نے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اور اس سبب سے ان کو تکلیف دی جا رہی ہے کہ تکلیف کے خوف سے ادا کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کیا عذر بیان کرتے ہیں بتایا گیا کہ وہ ناداری بیان کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دو اور اُنہیں تکلیف مت دو۔ رسول اللہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں لوگوں کو عذاب نہ دو۔ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیں گے قیامت کے دن خدا اُن کو عذاب دے گا۔ پس آپ کے حکم سے وہ چھوڑ دیئے گئے۔[۲]

کسی ارزنی سے عذر اور پاس پر جزیہ بالکل معاف بھی کر دیا جاتا تھا چنانچہ حضرت عمر نے جرمومہ اور اس کے قریب بزاد کے مضافات میں جزیہ بالکل معاف کر دیا تھا اور بارہ قبطیہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دیئے گئے تھے[۳] ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر اپنے اُن عاملوں سے جو مال کم جمع کرتے تھے راضی اور خوش ہوتے تھے ورنہ زیادہ ستانی کا شبہ کرتے تھے۔ یہانتک کہ ابوہریرہؓ جیسے بزرگ صحابی سے اسی بنا پر بدگمان ہوئے تھے لیکن تعجب ہے کہ بیہودہ سراؤں نے حضرت عمرؓ کی اس خاص طبیعت اور عادت کو بھی الزام سے پاک نہیں رہنے دیا لیکن کوئی عقلمند آدمی اُس سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "مجھ کو بیان کرنا چاہئے کہ پچھلے زمانہ کے اور غیر معتبر راویوں نے ایک طویل خط و کتابت بیان کی ہے جو حضرت عمرؓ اور عمرو بن العاص کے درمیان ہوئی جس میں کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کو مصر سے ایسا بڑا خراج نہ بھیجنے پر جھڑکیا

---

[۱] دی خلافت صفحہ ۱۳۹ [۲] ازالۃ الخفا باب سیاست۔ [۳] المامون صفحہ ۲۲۔

کہ اُس کے قدیم فراعنہ اُس سے وصول کرتے تھے ملامت کی۔ عمرو بن العاص نے اس اتہام کو بُرا مانا حضرت عمر نے اس پر اپنے ایلچی محمد بن مسلمہ کو تحقیقات کے واسطے بھیجا۔ اور نیز عمرو بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ ابن ابو سارہ کو عامل مصر مقرر کیا۔ اس خط کتابت کو گوویل نے قبول کر لیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک (سر ولیم میور لکھتے ہیں) غیر معتبر اور غلط ہے۔ حضرت عمر کی طبیعت کے یہ امر خلاف تھا کہ ایسے سخت یا نامناسب الفاظ میں خطوط لکھیں یا اپنے عمال پر اُس صوبہ سے زیادہ ستانی کر کے جس کے وہ حاکم تھے خراج بھیجنے کے واسطے دباؤ ڈالیں۔ اُن کو کسی زاید خراج کی جیسا کہ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کوئی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ دنیا کے خزانے اسوقت مدینہ میں لدے چلے آرہے تھے اور ابن ابو سارہ کی نسبت تو یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان کے عہد خلافت تک عمرو بن العاص کی جگہ نہیں مقرر ہوا[1]۔

غرض یہ جزیہ اور یہ جزیہ کی حقیقت ہے جسکو اہل یوروپ نے ایک ایسا ناگوار لفظ بنا دیا ہے کہ اُسکے مُنہ سے نکلتے ہی مسلمانوں کی نسبت عجیب و غریب خیالات اُنکے دل میں جوش مارتے ہیں لیکن مہذب دنیا کے ٹیکسوں کے روبرو وہ ایک بے حقیقت ٹیکس تھا۔ انکم ٹیکس۔ انڈا ئرکٹ ٹیکس۔ سالٹ ٹیکس چونگی۔ سڑکانہ۔ مدرسانہ۔ چوکیداری۔ پٹوار فنڈ۔ اسٹامپ۔ کورٹ فیس مختص المقام اور محصول مسکرات اور سیکڑوں قسم کے محصولوں کے ناموں سے اُس زمانہ میں کوئی واقف نہ تھا۔

خیر جزیہ کی نسبت تو اہل یوروپ نے تعصب سے یا غلط فہمی سے جو کچھ لکھا ہے اُسکی نسبت اتنی بات تو صحیح ہے کہ جزیہ کے نام کا ایک ٹیکس تھا جو ذمیوں پر لگایا گیا تھا۔ اور اتنا بھی غنیمت ہے کیوں کہ اہل یوروپ اپنے اس قسم کے الزاموں کی بُنیاد جس سے وہ مسلمانوں کی بدنامی کرتے ہیں ہمیشہ ایسے واقعات پر نہیں رکھتے جن کا وجود ہو بلکہ ایسے واقعات پر بھی رکھتے ہیں جنکا کوئی وجود کوئی اصل اور کوئی حقیقت نہ ہو۔ اسکندریہ کا کتب خانہ جلانے کا الزام حضرت عمر کے زمانہ خلافت پر اسی قسم کا واقعہ ہے جس پر عیسائی مورخوں اور عالموں کے بلبنا خیالات

---

[1] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۴۸

نے ایک زمانہ تک بہت کچھ بلند پروازی کی ہے۔ لیکن شکر ہے کہ آخر انہیں میں اختلاف اور انکار پیدا ہوگیا اور اسلامی مورخ اس بے اصل الزام کے غلط ثابت کرنے سے بہت کچھ سبکدوش ہوگیا۔ تاہم علامہ شبلی کا رسالہ اس مضمون پر منتہی تحقیق ہے۔

اسکندریہ کے کتب خانے جلانے کے واقعہ کی ایجاد ابوالفرج ایک عیسائی مورخ سے منسوب کی جاتی ہے جو ایک یہودی طبیب کا بیٹا ۱۲۲۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ "منسوب" کا لفظ ہم نے اس لیے لکھا ہے کہ خود ابوالفرج کی دو تاریخیں ہیں۔ ایک سُریانی زبان میں اور دوسری جو اُس کا خلاصہ ہے عربی زبان میں ہے جس کا نام مختصر الدول ہے۔ یہ واقعہ اُس کی اصل تاریخ میں جو سُریانی زبان میں ہے نہیں پایا گیا ہے۔ صرف عربی خلاصہ میں مذکور ہوا ہے۔ بہرحال ابوالفرج سب سے اول اس واقعہ کا بیان کرنے والا ہے اور وہ اس کو اس طرح پر بیان کرتا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے سکندریہ کو فتح کیا تو یحیی نحوی ایک وہاں کا عالم شخص عمرو بن العاص کے پاس آنے جانے لگا۔ عمرو بن العاص اُس کی بہت عزت و حرمت کرتے تھے۔ کیونکہ عمرو بن العاص خود عاقل۔ خوش فہم۔ اور صحیح الفکر آدمی تھا۔ اُس نے یحیی کی محبت کو لازم پکڑ لیا اور اُس کو اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا۔ ایک دن یحیی نے عمرو سے کہا کہ سکندریہ کی تمام چیزوں پر آپ قابض ہیں سو جو چیزیں آپ کے کام کی ہیں اُن سے میں تعرض کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن جو چیزیں آپ کے کام کی نہیں ہیں اُن کے تو ہمیں لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ عمرو نے کہا کہ تم کو کیا درکار ہے۔ یحیی نے کہا فلسفہ کی وہ کتابیں جو شاہی کتب خانوں میں ہیں۔ عمرو نے کہا کہ اسکی نسبت میں امیر المومنین عمر بن الخطاب کی اجازت کے بغیر کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ عمرو نے یحیی کی درخواست کی اطلاع عمر بن الخطاب کو دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ جن کتابوں کا تو نے ذکر کیا ہے وہ اگر خدا کی کتاب کے موافق ہیں تو خدا کی کتاب کے ہوتے اُن کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اُن کے مضامین خدا کے کلام کے مخالف ہیں تو تم اُن کو برباد کرنا شروع کرو۔ عمرو بن العاص نے اُن کتابوں کو سکندریہ کے حماموں میں تقسیم کرنا اور اُن کو جلوانا شروع کیا۔ پس چھ مہینے میں وہ جلکر تمام ہوئیں

سو جو کچھ ہوا اُس کو سُنو اور تعجب کرو۔"

ابوالفرج کی اس روایت کے بعد یہ واقعہ اسی طرح تسلیم ہوتا چلا آتا تھا۔ کسی کو اُس کی نسبت تحقیق و تفتیش کا خیال تک نہ آیا۔ لیکن آخرکار گبن مورخ اعظم نے اس واقعہ کو تحقیق کی نگاہ سے دیکھا اور لکھا کہ میں اُسکی اصلیت اور اُس کے نتائج دونوں سے انکار کرتا ہوں۔ گبن نے اپنے انکار کی وجہوں کو ان سادہ مگر صحیح دلایل پر مبنی کیا ہے کہ ابوالفرج اس واقعہ کے پانسو برس بعد پیدا ہوا۔ اُسکے سوا کسی اور مورخ حتی کہ خود عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

درحقیقت کوئی تاریخ کا عالم اور محقق ایک لمحہ کے واسطے بھی اس واقعہ کے بیان کی صحت پر یقین نہیں کرسکتا۔ عیسائی مورخ جو ابوالفرج کی نسبت فتح اسکندریہ کے زمانے کے بہت قریب تھے اور جنہوں نے اسکندریہ کی فتح کے حالات مفصل لکھے ہیں کہیں اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتے۔ یوٹیکس المتوفی سنہ ۹۴۰ع جو دسویں صدی عیسوی میں سکندریہ کا بطریق تھا اور المکین جو واقعہ مفروضہ کے تین سو برس بعد تھا اپنی تاریخوں میں اس واقعہ کی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھتے۔ گبن اور کریل نے اسی دلیل سے اس واقعہ کو بے اصل ٹھیرایا ہے اور یہ کوئی معمولی دلیل نہیں ہے۔

اس کے سوا مسلمان مورخوں نے جنہوں نے دوسری ہی صدی اسلامی کے وسط میں تصنیف و تالیف شروع کی ہے کسی نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ کوئی امر اُن کو اس بیان کرنے سے مانع نہیں تھا۔ ابوالفرج کی روایت کو اگر صحیح سمجھا جائے تو مسلمانوں نے اس کام کو ایک عمدہ کام سمجھ کر کیا تھا اور خصوصاً خلفاے راشدین کے افعال و اقوال بغیر کسی بحث کے متبرک اور افضل سمجھے جاتے تھے پس کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان مورخ اپنی تاریخوں اور روایات کے مجموعہ میں اس واقعہ کو بیان نہ کرتے اس واقعہ کے مدعی عیسائیوں کو بھی یہ اعتراض سوجھائی دیا تو اُن میں سے کسی بڑے طباع نے چار اسلامی نام لے دیئے۔ ابن خلدون۔ عبداللطیف بغدادی۔ مقریزی۔ حاجی خلیفہ۔ ابن خلدون کا نام البتہ ڈرانے والا تھا کیونکہ وہ نہایت معتبر تاریخ اسلام کی ہے۔ لیکن ابن خلدون کا نام لینا صرف ایک بے شرمانہ حوصلہ اور بے غیرت جرأت ہی معلوم ہوئی کیونکہ ابن خلدون نے اس واقعہ کو کبھی

نہیں لکھا۔ مقریزی نے اپنی تاریخ مصر میں صرف عبداللطیف کی عبارت نقل کی ہے۔ حاجی خلیفہ کے الفاظ کو علامہ شبلی نے نقل کیا ہے اُس بیچارے نے سکندریہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ عبداللطیف باقی رہتا ہے اُس نے ساتویں صدی ہجری کے شروع میں ایک مصر کی تاریخ لکھی ہے جس میں ایک ستون کے ذکر میں وہ لکھتا ہے کہ "یہ وہی جگہ ہے جہاں بیان کرتے ہیں کہ مصر کا کتب خانہ تھا۔ جس کو عمرو بن العاص نے عمرؓ بن الخطاب کے حکم سے جلایا تھا۔ عبداللطیف کے بیان کو کوئی شہادت نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ ایک سُنی سُنائی افواہ کا ذکر کر رہا ہے۔ مسٹر کریل بھی کہتے ہیں کہ عبداللطیف کا بیان محض علی سبیل التذکرہ معلوم ہوتا ہے۔ عبداللطیف نے اور جو حالات افواہی لکھے ہیں وہ بھی سب غلط ہیں۔ چنانچہ سپیکٹیٹر مورخہ ۱۳ر جون میں اسی مضمون پر بحث کرتے ہوئے ایک شخص نے لکھا تھا کہ کتب خانے کا جلایا جانا تو ایک طرف عبداللطیف نے اس کے ساتھ اور جو واقعات بیان کئے ہیں وہ کون سے سچے ہیں۔ ہم کو امید ہے کہ اہل یوروپ کے ایسے دھوکے چل جانے کے دن اب گذر گئے ہیں

اصل یہ ہے کہ سکندریہ کا کتب خانہ مسلمانوں کی فتح سے ایک مدت پہلے خود عیسائی بادشاہوں کے ہاتھوں سے جل چکا تھا۔ جولیس سیزر کے محاصرے میں کتب خانے کے جل جانے کو گبن اور کریل دونوں صاف طور پر مانتے ہیں اور کتابوں کی بربادی متعصب عیسائی پادریوں کا کام بتاتے ہیں سوربنان ایک فرانسیسی عالم اسلام کی مخالفت میں لکچر دیتے ہوئے اس بات کو مجبوراً مان گیا ہے۔ کہ یہ الزام کہ عمرؓ نے کتب خانۂ سکندریہ کو برباد کر دیا صحیح نہیں ہے۔ کتب خانہ مذکور اس زمانہ سے پہلے برباد ہو چکا تھا۔ ڈریپر بھی مانتا ہے کہ آدھا کتب خانہ تو جولیس سیزر نے جلا یا تھا اور باقی پادریوں نے دانستہ برباد کر دیا تھا۔ عیسائی مورخ جب شاہی کتب خانے کا مسلمانوں سے جلنا ثابت کرنے سے ناامید ہوئے ہیں تو انہوں نے سیرا پیم کے ایک اور کتب خانے کا نام لے دیا ہے لیکن اس ایجاد کو کوئی بھی نہ سُنے گا۔ کیونکہ ابوالفرج خود شاہی کتب خانہ کا ذکر کرتا ہے جس کی روایت پر یہ طوفان اٹھایا گیا ہے۔

غرض کتب خانہ کے جلانے کی تاریخی شہادتوں کا تو یہ حال ہے درایتہً ہمارے مورخ نے اس الزام کو قطعی پوچ ثابت کر دیا ہے۔ کم سے کم سکندریہ کے چار ہزار حماموں میں چھ ماہ تک کتابیں جلانا اگر چار لاکھ یا سات لاکھ ہی کتابوں کی تعداد صحیح مان لی جائے تو فی حمام ہر روز ایک کتاب یا آدھی کتاب حصہ میں آتی ہے۔ کیا یہ بھی کوئی حکم تھا کہ ایک کتاب یا آدھی کتاب ہر روز جلائی جائے؟ یا کتاب اتنی اتنی بڑی تھی کہ آدھی کتاب دن بھر کے ایندھن کے واسطے کافی ہوتی تھی۔ ڈریپر لکھتا ہے کہ کتابیں چمڑے پر لکھی ہوئی تھیں۔ امید ہے کہ جیسے ڈریپر حیران ہو کر پوچھتا ہے اُس زمانہ کا چمڑا بھی ایندھن کا کام نہیں دیتا ہوگا۔

عمرو بن العاص اس کے بعد چھ ماہ تک سکندریہ میں نہیں رہا۔ عیسائیوں ہی کو کتابوں کا ایندھن پسند ہوگا ورنہ وہ اُس کے چلے جانے کے بعد اُن کو بچا سکتے تھے۔ مسلمانوں کا جو عام برتاؤ اہل ذمہ کے ساتھ تھا وہی مصر کے ساتھ بھی برتا گیا۔ عمرو بن العاص کے معاہدے کے الفاظ موجود ہیں کہ "عمرو بن العاص نے اہل مصر کو اُن کی جان۔ خون۔ مال۔ متاع۔ مد۔ کو امان عطا کی"۔ اور نیز یہ کہ "اُن کی زمین اور مال اُنہیں کا رہے گا اور اُن میں سے کسی چیز میں تعرض نہ کیا جائے گا"۔ کیا حضرت عمرؓ کا عام سلوک جو ذمیوں کے ساتھ ایک لمحہ کے واسطے کسی ایسے شبہ کو جگہ دیتا ہے کہ اُنہوں نے کتابوں کے جلانے کا حکم دیا ہوگا۔ کیا مشرکین اور عیسائیوں کے معبدوں اور گرجوں سے جہاں علانیہ بت پرستی ہوتی تھی اور جن کی حفاظت کے وہ ذمہ دار ہوتے تھے اور معاہدوں میں جن کی نسبت یہ خاص الفاظ ہوتے تھے کہ "کوئی گرجا اور عبادت گاہ شہر کے اندر یا باہر نہ گرایا جائے گا"، کتابیں زیادہ ناپاک تھیں۔ عمرو بن العاص نے مصر کے متعلق تمام امور کا فیصلہ اپنی رائے سے کیا اور خود ہی معاہدے اور شرطیں کیں۔ ابوالفرج خود اس کا علم دوست ہونا مانتا ہے۔ کیا کتب خانے سے اسکو کوئی خاص دشمنی تھی کہ اس کی نسبت خود نہ فیصلہ کیا اور حضرت عمرؓ کی رائے پوچھ بھیجی۔ ایک اور تاریخی شہادت یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے جو مفصل خط بعد فتح سکندریہ حضرت عمرؓ کو لکھا اُس میں سکندریہ کے تمام جزوی حالات بیان کئے ہیں مگر ابوالفرج

کے فرضی کتب خانے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ عیسائی مورخ اس صاف بات پر بھی نظر نہیں کرتے کہ اگر سکندریہ کا کتب خانہ مسلمانوں نے جلا دیا تھا تو مصری یونانیوں کی ہزارہا کتابیں مسلمانوں کے پاس کہاں سے پہونچیں۔ خود یحیی نحوی کی تصانیف میں سے جو کتب خانہ کا مہتمم تھا اور کتب خانہ کی درخواست عمرو بن العاص سے کرتا تھا چالیس پچاس سے زیادہ کتابیں عربی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ اگر سکندریہ کا کتب خانہ عمرو بن العاص کے زمانہ میں برباد ہو گیا تھا تو یحیی نحوی کی تصانیف سب سے پہلے برباد ہونی چاہئے تھی۔

غرض سکندریہ کے کتب خانہ کی نسبت یہی مانا جائیگا کہ اسلام کے زمانے سے پہلے تمام کتب خانے برباد ہو چکے تھے جس کے اسباب و اتفاقات مورخوں نے بتفصیل لکھے ہیں۔ لیکن ان حوادث سے بھی علمی آثار بالکل معدوم نہیں ہو سکتے تھے اور بربادی کتب کے زمانہ سے مسلمانوں کے وقت تک جو سرمایہ جمع ہو کر رہ گیا تھا وہ ہرگز ضایع نہیں ہوا۔ بلکہ مسلمانوں نے اُن کی نہایت قدر کی اور یادگار زمانہ قدیم کے طور پر محفوظ رکھا۔ چنانچہ ہزارہا کتابیں اور بطلیموس کے بنائے ہوے کرے تک محفوظ رہے اور مسلمانوں نے نہایت قدر کی۔

علامہ شبلی نے اپنی بحث کے شروع میں لکھا ہے کہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یوروپ کو کتب خانہ اسکندریہ کے ساتھ اسقدر ہمدردی کیوں ہے۔ یہ مسلم ہے کہ جس کتب خانہ کی نسبت بحث ہے عیسائیوں کو اس سے کچھ واسطہ نہیں ہے اُسکو بادشاہان مصر نے قایم کیا تھا بت پرست تھے اور حضرت عیسی سے بہت پہلے تھے۔ شاید یہ کہا جائے کہ یوروپ کی عام قدردانی اور ہمدردی کا اثر ہے لیکن اس حالت میں سکندریہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ انہیں ممالک میں اور بھی بہت بڑے بڑے کتب خانے برباد ہوے اُن پر یوروپ میں یہ شور و غل کہاں ہوا۔ سکندر نے ایران کے کتب خانے جو برباد کئے اُن کی تشہیر کس نے کی؟ سپین میں خود عیسائیوں نے مسلمانوں کی تمام علمی یادگاروں کو مٹا دیا اور کئی لاکھ کتابیں برباد کردیں کس نے اس کا ماتم کیا؟ پھر کتب خانہ اسکندریہ کے ساتھ خاص ہمدردی کیوں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کتب خانہ کو خود عیسائیوں نے برباد کیا اور بڑے

بڑے پیشوایان مذہب اُس کی بربادی میں شریک تھے۔ اُس وقت تو یہ امر فخر کا باعث تھا۔ لیکن جب کسی قدر تہذیب وشایستگی کا زمانہ آیا تو یورپ نے دیکھا کہ اُس کے دامن پر بہت بڑا بدنما داغ ہے اُس کے مٹانے کی اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ یہ الزام کسی دوسری قوم کے سر منڈھا جائے۔ متعصب عیسائیوں نے اس گم شدگی کو فاتحان اسلام کی طرف منسوب کر دیا اور چونکہ اس زمانہ میں تمام یورپ تعصب سے لبریز تھا اور کسی قسم کی علمی ترقی کا اثر نہ تھا کسی نے غور و تحقیق کی پروا نکی اور نہایت تیزی سے یہ روایت تمام یورپ میں پھیل گئی۔ یورپ نے اُس ہمدردی سے اس واقعہ کا ماتم کیا کہ وہ انہیں کا خاص کتب خانہ تھا۔ چنانچہ عوام کا آجتک یہی خیال ہے اس عام شہرت نے یہ بڑا فایدہ دیا کہ عیسائیوں کی طرف اس الزام کو منسوب کرنے کا کسیکو خیال بھی نہ آیا کیونکہ ظاہرا یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کوئی قوم اپنا سرمایہ آپ نہیں برباد کر سکتی۔

حضرت عمر کے حالات میں ایک واقعہ اس قسم کا ضرور بیان ہوا ہے مگر تاہم وہ اس بہتان عظیم کی بنیاد نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص نے اُن کے سامنے ذکر کیا کہ مدائن کی فتح میں ایک کتاب ملی تھی۔ اُس شخص نے اُسکی بہت تعریف کی۔ حضرت عمر اُس پر ناراض ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب قصہ کہانیوں کی تھی۔ کیوں کہ جب حضرت عمر نے آیت پڑھی کہ نحن نقص علیك احسن القصص تو کہا کہ تم سے پہلے لوگ اسی طرح ہلاک ہوئے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے علما اور اساتذہ کی کتابوں کی طرف توجہ کی۔ اور توریت اور انجیل کو چھوڑ دیا یہانتک کہ اُنکا علم جاتا رہا[۱] یہ ایک نہایت پُر معنی اور سچی نصیحت تھی مگر کتاب کے جلانے وغیرہ کا اس میں ذکر کچھ نہیں ہے۔ غرض اس الزام کی کوئی ادنٰی وجہ اور بنا بھی تلاش کرنے سے نہیں مل سکتی اسی سبب سے سر ولیم میور نے اس واقعہ کے ذکر کو متروک کر دیا ہے اور اُنکی دونوں کتابوں میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

اس باب کے خاتمہ پر ہم کو حضرت عمر کے زمانہ خلافت کے اس واقعہ کا یاد کرنا بھی شاید ضروری ہو جو عیسائیوں اور یہودیوں کی ایک قوم کو عرب سے اُٹھا کر سنہ ۲۰ ہجری میں شام اور عراق میں آباد کرنے کا تھا مختلف وجوہات اور واقعات جو اُسکا سبب بیان کیے جاتے ہیں اُن کی تنقیح

[۱] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۹۹

کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ بات تو آسانی سے قیاس کی جاسکتی ہے کہ اُس کی کسی قوت کا ایران اور شام کے فاتح کو خوف نہیں ہوسکتا تھا۔ اِس کے سوا جو وجوہات ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ خود اُس قوم کے اپنے درمیان فتنہ اور اُن کی اپنی خواہش کا نتیجہ تھا۔ اُن کی سودخواری اور بداخلاقی بھی جس کا اثر مسلمانوں تک پہونچتا تھا شاید داخل وجوہات ہو۔ یہودیوں کو ایک قتل کے جرم کا مجرم بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عمر کے خیال میں کوئی دوراندیش احتیاط بھی ہو۔ عیسائی مورخ کہتے ہیں کہ اُس کی وجہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا کہ "عرب میں صرف ایک مذہب رہے گا" اگر یہ بھی صحیح ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس تبدیلی سے عیسائیوں اور یہودیوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ زمین کے عوض اُن کو زمین دی گئی۔ ملک واسباب کی قیمت دی گئی۔ اپنا اسباب جو ساتھ لے جانا چاہیں اُس کو اطمینان سے فروخت کرلینے کا حکم دیا گیا۔ شام اور عراق میں مسلمانوں ہی کی حفاظت اور حکومت میں بڑے امن سے جاکر آباد ہوئے عیسائی مورخ مانتے ہیں کہ عیسائیوں کی اُس قوم کے ساتھ جو معاہدہ آنحضرت صلعم فرما چکے تھے اور جو حقوق اُن کو دے چکے تھے خلفا ہمیشہ اُس کے پابند رہے اور اُن کی تعداد کے موافق جزیہ جو وہ ادا کرتے تھے ہمیشہ کم کردیا جاتا رہا۔ سر ولیم میور بھی اِس واقعہ کو بیان کرکے اُس سے کوئی بے انصافی کا پہلو نہیں نکال سکے کیونکہ اُس میں درحقیقت اِس قسم کی کوئی گنجایش نہ تھی۔ وہ یہودی اور عیسائی اِس طرح پر ملک بدر اور جلاوطن نہیں کیئے گئے تھے جس طرح اِس مہذب زمانہ کے ایک عیسائی شہنشاہ نے بدبخت یہودیوں کو اپنے ملک سے خارج اور جلاوطن کیا ہے۔

حضرت عمر کو جو انصاف اور رحم اور کریمانہ برتاؤ غیر اقوام سے برتنا منظور تھا اور جس کو اُنہوں نے ہمیشہ برتا اِس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ وفات کے وقت جو اُنہوں نے تین وصیتیں کیں اُن میں سے ایک یہ تھی :۔

| | |
|---|---|
| اوصی الخلیفۃ من بعدی بذمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوفی لھم بعھدھم وان یقاتل من ورائھم ولا یکلفوا فوق طاقتھم | میرے بعد جو خلیفہ مقرر ہوگا اُسکے لیئے رسول اللہ کے ذمہ پر وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو بجا لائے اور اُنکی حفاظت کریئے اُنکے دشمنوں سے لڑے اور اُنکو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجائے۔ |

# نواں باب

## عادات۔ طرزِ زندگی۔ طبیعت۔ وفات۔ حلیہ
## ازواج و اولاد۔ خطوط۔ خطبات۔ اقوال

حضرت عمرؓ کی خاص عادات اور طرزِ زندگی میں سب سے ممتاز اُنکی وہ انتہا درجہ کی اور سخت اور درشت سادگی۔ کسرِ نفسی۔ جفاکشی۔ پرہیزگاری۔ اور نفس کُشی ہے جو شارعِ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی پاک زندگی کی مبارک مثال کی پوری تقلید اور پیروی سے تھی۔ اسی میں اُن کی کامیابی کے بہت سے رازِ مخفی تھے اور آیندہ اسلامی دُنیا کے واسطے دین اور دُنیا کو ملا کر رکھنے اور اُس میں رہنے کا ایک قابلِ تقلید نمونہ اور مثال تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کرنا اور کرانا اُنکی زندگی کی غرض اور ایمان ہی تھا۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرنا اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنا بھی اُن کے نزدیک ویسا ہی ضروری تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کا اس درجہ ادب کرتے تھے کہ خلافت کے پہلے روز جب آپ منبرِ رسول اللہ صلعم پر خطبہ پڑھنے کے واسطے کھڑے ہوئے تو جس درجہ پر حضرت ابوبکرؓ پاؤں رکھتے تھے وہاں حضرت عمرؓ بیٹھے اور قدم زمین پر رکھے۔ لوگوں نے کہا کہ جہاں حضرت ابوبکرؓ بیٹھتے تھے وہاں آپ کیوں نہیں بیٹھتے تو کہنے لگے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کی جگہ بیٹھنا ہی میرے لئے مناسب ہے[1]۔ غرض حضرت ابوبکر کے احکام اور وصیتوں اور اُن کے طرزِ عمل اور طرزِ زندگی کی پیروی کرنا بھی جو درحقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک زندگی کی ہی پیروی تھی اپنے واسطے ضروری جانتے تھے۔ اُن کے عہد و معاہدوں کی پابندی۔ اُن کے

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست۔

مقرر کئے ہوئے وظایف اور رسومیوں کو جاری رکھنا جس کی متعدد مثالیں بیان ہوئی ہیں اپنے پر لازمی سمجھتے تھے - اور اُن کی اپنی طرز زندگی اور عادات ان دو مثالوں کی پیروی میں اُس وقت ایک تیسری مثال تھی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ذکر اُنکے کاموں اور فیصلوں میں ہمیشہ ہادی اور راہ نما رہا - ایک واقعہ اسکی اچھی مثال ہے - عبید اللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس کے مکان کا پرنالہ حضرت عمر کے راستہ میں تھا - ایک جمعہ کے دن حضرت عمر نے کپڑے پہنے - حضرت عباس کے واسطے اُس روز دو چوزے ذبح کئے گئے تھے - جب عمرؓ جب پرنالے کے نیچے سے گذرے تو خون ملا ہوا پانی اُن کے کپڑوں پر گرا - حضرت عمر کو گھر واپس جاکر کپڑے بدلنے پڑے پھر آکر نماز پڑھائی اور اُس پرنالہ کے اکھیڑ دینے کا حکم دیا - اس کے بعد حضرت عباس اُن کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ پرنالہ اُس جگہ پر ہے جہاں رسول اللہ صلعم نے اُس کو لگایا تھا - حضرت عمر یہ سُنکر کانپ اُٹھے اور حضرت عباس کو کہا کہ تمہیں خدا کی قسم ہے جب تک اُس پرنالہ کو وہیں نہ رکھ دو اور کوئی کام نہ کرنا - چنانچہ وہ وہیں رکھا گیا - ایسے ہی ایک دفعہ حضرت عمر نے کعبے سے سونا چاندی اُتار کر مسلمانوں میں تقسیم کر دینا چاہا - مسلم نے کہا کہ آپ ایسے نہ کر سکیں گے - کہنے لگے کیوں مسلم کہتا ہے - میں نے کہا اس لئے کہ آپ کے دونوں صاحبوں نے نہیں کیا - کہنے لگے البتہ یہ درست ہے اور خاموش ہو کر چلے گئے - حسان ایک دن مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہا تھا اور حضرت عمر جا پہونچے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلعم کی مسجد میں تو شعر پڑھتا ہے - اُس نے جواب دیا میں جب بھی پڑھتا تھا جب تیرے سے اچھے اسمیں ہوتے تھے - حضرت عمر یہ جواب سُنکر خاموش ہو گئے -

آں حضرت صلعم کے ساتھ جس قسم کی سادہ زندگی بسر کرنے کی بنا پڑ گئی تھی اُس میں اُن کی آخر زندگی تک سرِ مو فرق نہیں آیا - نہ قیصر اور کسریٰ کے ملکوں نے نہ اُن کے خزانوں اور دولتوں اور نہ اُن عیش و عشرت کے سامانوں نے جو اُن کے سامنے لائے جاتے تھے اُس میں کوئی تغیر پیدا کیا - بلکہ اُنہیں عرب کی سادہ زندگی میں تغیر پیدا کرنے کی رغبت اور اشتعال دلانے والے

اسباب کے پیدا ہونے پر مسلمانوں کی سادہ زندگی کے قایم رکھنے کی تدابیر کرنی پڑیں اور اپنے آپکو اُن کے واسطے نمونہ بنانا پڑا۔ دُنیا کی دولت اور خزانوں کو وہ بے حقیقت اور اُس دولت لازال کے سامنے جس سے خدا کی رحمت نے اُن کے دلوں کو مالامال اور مسرور کر دیا تھا حقیر اور ہیچ سمجھتے تھے۔ کسریٰ کے خزانوں اور سونے چاندی کے انباروں سے اگر حضرت عمر کی طبیعت پر کچھ اثر کیا تو یہ تھا کہ جب وہ خزانے اُن کے سامنے آئے تو آپ اُنکو دیکھ کر رونے لگ گئے۔ عبدالرحمن نے کہا یا امیرالمومنین یہ تو شکر اور خوشی کا وقت ہے آپ روتے کیوں ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کسی قوم میں اُن کی زیادتی اُن کے درمیان عداوت اور بغض کے پیدا ہونے کی دلیل ہے[۱] دولت دُنیا کے انجام سے بھی وہ ناواقف نہیں تھے۔ غرض وہی موٹے اور پُرانے اور پھٹے ہوئے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے اور کھانے پینے کی سادہ چیزیں اُن کی پوشاک اور خوراک کی خصوصیتیں تھیں جنمیں کبھی فرق نہیں آیا۔

زید بن وہب کا قول ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو بازار میں جاتے ہوئے دیکھا۔ اُن کے اوپر ایک چادر تھی جس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے اور بعض اُن میں چمڑے کے تھے[۲] زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو ایک چادر اوڑھے ہوئے دیکھا جس میں سترہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ میں یہ دیکھ کر رو پڑا اور روتا ہوا گھر چلا گیا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں میں اُن کو دیکھتا تھا کہ اُن کے کندھوں کے درمیان کُرتے میں تین یا چار پیوند اوپر تلے لگے ہوئے ہیں[۳] ابو عثمان نہدی کا قول ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے تہبند میں چمڑے کا پیوند دیکھا۔ زر کہتا ہے عید کے دن میں نے اُن کو ننگے پاؤں دیکھا۔ جب حضرت عمرؓ دوسری دفعہ شام میں گئے اور ایلیا ایک عیسائیوں کی بستی میں جہاں آپ کی سادگی اور سادہ وضع کے سبب سے کوئی اُن کو پہچان نہیں سکا تھا۔ اور حضرت عمرؓ ہی سے لوگ پوچھتے تھے کہ امیرالمومنین کہاں ہیں۔ ایک عیسائی پادری اسقف کے ہاں ٹھیرے تھے۔ آپ کا

---

[۱] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک ذم الدنیا [۲] ازالۃ الخفا تصوف وسلوک [۳] ازالۃ الخفا تصوف وسلوک

پیراہن پالانِ شتر کی چوب سے اُلجھ کر پیچھے سے پھٹ گیا حضرت عمرؓ نے وہ اپنے میزبان کو دیا کہ وہ اُس کی مرمت کر دے۔ اُس نے اُس کی مرمت کر دی۔ اور ایک کُرتا باریک کپڑے کا جو گرمی کے اُس موسم کے سفر کے واسطے زیادہ موزون تھا تیار کرا کر لایا اور حضرت عمرؓ کے پیش کیا اسکو بھی پہنیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ میرا موٹے کپڑے کا کُرتا میری عادت کے واسطے زیادہ مناسب ہے اور وہ نرم کپڑے کا اُسکو پھیر دیا[1] اسی طرح شام میں داخل ہونے کے وقت عرب سرداروں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ شام کے رؤسا اور اُمرا آپ کے پاس آتے ہیں یہ شایان نہ ہوگا کہ اس لباس میں آپ کو دیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہم کو اللہ نے اسلام ہی سے عزت دی ہے پس ہم لوگوں کے کہنے سُننے کی کچھ پروا نہیں کرتے[2]

یسار بن نمیر کا قول ہے کہ میں حضرت عمرؓ کے لئے کبھی آٹا چھانا نہیں کرتا تھا۔ اس کے خلاف کرنے سے وہ ناراض ہوتے تھے اور اُنہوں نے اپنی عمر بھر میں گھی اور چربی اور زیتون کے سوا کوئی خوشبو نہیں استعمال کی[3] انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے واسطے خشک کھجوروں کا ایک صاع رکھا جاتا تھا وہ اُس کو ردی کھجوروں تک کھا لیتے تھے[4] قحط کے زمانے میں جب غلہ وغیرہ گران ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے جو کی روٹی کھانی شروع کی۔ مگر وہ اُن کے معدے کے موافق نہ آئی اور تکلیف دینے لگی۔ اس حال میں وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم اس کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا جب تک خدا مسلمانوں کو ارزانی نہ بخشے[5] ایک دفعہ عراق سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ کے ساتھ کھانا کھانے لگے تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ بسبب خاطر سے کھانا نہیں کھاتے تو فرمانے لگے کہ اے اہل عراق اگر میں چاہتا تو میرے واسطے پُر تکلف کھانا تیار ہو سکتا تھا لیکن ہم اپنی دُنیا سے یہاں کے بدلے آخرت میں حاصل کرنے کے واسطے ذخیرہ کرتے ہیں اور پھر آیت پڑھی[6] اذهبتم طیباتکم فی حیوتکم الدنیا و استمتعتم بها۔ ایسے ہی ایک دن عتبہ بن فرقد اُن کے پاس گئے اور دیکھا کہ حضرت عمرؓ شامی

[1] ازالۃ الخفا و المسلسل ابی خلافۃ صفحہ ۲۲۶ و طبری صفحہ ۹۰ م [2-3-4-5-6] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک۔

خشک روٹی گوشت رہے تھے اور پنیر کی چھاچھ بنا رہے تھے۔ اُس نے کہا یا امیرالمومنین کاش آپ حکم کرتے کہ اس سے نرم طعام آپ کے واسطے پکایا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا جواب اُسی آیت کے پڑھ دینے سے دیا۔ ایسے ہی ایک دفعہ یزید بن ابوسفیان کی نسبت سُن کر کہ وہ طرح طرح کے کھانے کھاتا ہے اُس کے کھانے پر پہونچے اور سادہ قسم کے کھانے سے پیٹ بھر کر اُس کے ساتھ کھا لیا اور پھر اُس کو نصیحت اور ہدایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف کرنے سے اُن سے چھوٹ جائے گا۔ غرض روٹی اور گوشت اور زیتون اور گھی اور دودھ ترکاری اور سرکہ اور کھجور وغیرہ اُن کے کھانے کی کُل چیزیں تھی لیکن ایک وقت میں دو چیزیں کھانے پر کبھی نہیں کھاتے تھے اگر ایسا کھانا سامنے آتا تھا تو اُٹھوا دیتے تھے جیسے کئی دفعہ واقع ہوا۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جو لوگ ایسی ہی سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اُن کی تعریف و توصیف کرتے تھے۔ عمرو بن عیسیٰ نے ایک دفعہ کہا کہ میں شوخ کپڑے کو کبھی نہ پہنوں گا اور رات کو نرم بستر پر نہ سوؤں گا اور سُم تراشے گھوڑے پر کبھی سوار نہ ہوں گا اور اپنے پیٹ کو روٹی سے کبھی نہ بھروں گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ کے ھدی کی طرف دیکھنا چاہے وہ عمرو بن عیسیٰ کو دیکھے[1]

ایک دن اپنے بیٹے عاصم کو گوشت کھاتے دیکھ کر اُس سے سوال کیا۔ اُس نے کہا کہ گوشت کو میرا دل چاہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جس چیز کو تیرا دل چاہے گا تو اُسے ہی کرے گا۔ آدمی کا یہی اسراف ہے کہ جس چیز کو اُس کا دل چاہے وہی کھائے[2] اسلم اُن کا غلام بیان کرتا ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا دل تازہ مچھلی کو چاہتا ہے۔ یرفا کو مچھلی لینے کے واسطے بھیجا اور وہ کئی روز میں مچھلی خرید کر لایا حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اُسکے سواری کے گھوڑی کو بہت تکلیف ہوئی ہے تو اپنی اس خواہش پر افسوس کیا اور وہ مچھلی نہ کھائی[3]

ایسی ہی سادگی سے آپ سفر کرتے تھے۔ کوئی سامان سفر کا نہیں ہوتا تھا۔ عبداللہ بن

---

۱؎ ازالۃ الخفا تصوف و سلوک ۲؎ سیوطی ۳؎ سیوطی و ازالۃ الخفا۔

عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ہمراہ حج کو گیا وہ کبھی کوئی خیمہ یا چھولداری لگا کر نہیں رہتے تھے۔ دھوپ کے وقت کبھی چادر اور کبھی چمڑا جس پر بیٹھا کرتے تھے درخت پر ڈال کر اُس کے سایہ میں آرام لے لیتے تھے[۱]

اپنی ضرورتوں کے پورا کرنے کو خود جیج دیتے تھے۔ گشت کرتے ہوئے بازار سے خود خرید و فروخت کرلاتے تھے۔ اصبغ بن نباتہ کا قول ہے کہ گویا میں حضرت عمر کو دیکھ رہا ہوں کہ دائیں ہاتھ میں دُرّہ ہے اور بائیں میں گوشت لٹکائے ہوئے بازار سے گھر کی طرف جارہے ہیں[۲]

ایک روز وہ اپنے اصحاب کے پاس دیر میں عشا کے وقت آئے تو لوگوں نے دیر کا سبب پوچھا۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کپڑوں کو دھویا تھا جب وہ سوکھ گئے تو میں تمہارے پاس آیا ہے[۳]

اس قسم کی کئی ایک روایتیں کہ اصحاب رسول اللہ اور دوسرے لوگوں نے حضرت عمر کو بلحاظ قوت اور اظہار عزت وشوکت وغیرہ کے خیال سے اس طرز زندگی کو بدلنے اور خوراک اور پوشاک اس سے بہتر استعمال کرنے کے واسطے کہا مگر حضرت عمر نے ایسی صلاحوں کو کبھی قبول نہ کیا۔ ہم ایک روایت اُن میں سے بیان کریں گے کہ ایک دن اصحاب رسول اللہ میں سے مہاجرین وغیرہ پچاس کے قریب جمع ہوئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ اس شخص (حضرۃ عمرؓ) کے زہد اور جبہ کو دیکھتے ہو کہ کس قسم کا ہے۔ اللہ نے اُس کے ہاتھ پر قیصر اور کسریٰ کی ولایتیں اور مشرق و مغرب کے اطراف فتح کردیئے۔ عرب اور عجم کے قاصد اُن کے پاس آتے ہیں اور اس جبہ کو جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں دیکھتے ہیں۔ کاش تم لوگ اُن کو یہ صلاح دیتے کہ اس جبہ کے بجائے عمدہ نرم کپڑا پہنتے۔ جس سے اُن کی شان وشوکت ظاہر ہوتی اور اُن کا دسترخوان ایسا وسیع ہوتا کہ صبح و شام انصار و مہاجرین اُن کے ساتھ کھانا کھاتے۔ سب نے تجویز کی کہ حضرت علیؓ سے انکو کہلوایا جائے حضرت علی سے جب گفت وگو ہوئی تو اُنہوں نے فرمایا کہ ازواج النبی سے کہو۔ وہ امہات المومنین

---

[۱] ازالۃ الخفا و سیوطی [۲] ازالۃ الخفا۔ [۳] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک۔

ہیں۔ ان سے کہلوانا اچھا ہوگا۔ احنف بن قیس بیان کرتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ سے درخواست کی گئی کہ وہ کہیں۔ حضرت حفصہ نے کہا کہ میں نہیں خیال کرتی کہ وہ اس کو مانیں۔ مگر کہنے میں کچھ حرج نہیں نتیجہ ابھی ظاہر ہو جائے گا۔ آخر یہ دونوں اُن کے پاس گئیں اور یہ ذکر کرنا شروع کیا کہ جناب رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر کا زمانہ تو اس طرح گذر گیا کہ نہ اُنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا اور نہ دنیا نے اُن کا ارادہ کیا۔ تمہارے ہاتھ پر خدا نے قیصر اور کسریٰ کے خزانے کھول دیئے ہیں اور بلاد فتح ہو گئے ہیں۔ عرب اور عجم کے قاصد تمہارے پاس آتے ہیں اور یہ جبہ جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں تمہارے اوپر دیکھتے ہیں اچھا ہوتا کہ آپ اس کو بدل دیتے۔ اور باریک کپڑا پہنتے اور دسترخوان کو وسیع کرتے۔ حضرت عمر یہ باتیں سُن کر رونے لگ گئے اور پھر اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی زندگی میں گیہوں کی روٹی دس دن یا پانچ دن یا تین دن بھی شکم سیر ہو کر کھائی ہو۔ یا ہمیشہ دو وقت کھانا میسر آیا ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر کہنے لگے کہ تم رسولؐ کی زوجہ اور امہات المومنین ہو۔ اور تمہارا سب مومنوں پر اور خاص کر مجھ پر حق ہے۔ تم میرے پاس آئیں۔ لیکن تم نے مجھے دُنیا کی رغبت دی اور میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم اون کا جُبہ پہنا کرتے تھے جس کی سختی سے کئی دفعہ اُن کا جسم چھل گیا۔ کیا تم اس کو نہیں جانتی ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا ہاں۔ پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ کبھی نرم بستر پر نہیں سوئے۔ کیا تمہارے گھروں میں کوئی فرش یا بچھونا بچھانے کے واسطے تھا۔ کیا چٹائی کے نشان اُن کے پہلوؤں میں نہیں پڑ پڑ جاتے تھے۔ اے حفصہ کیا تو نے ایک دفعہ نہیں بیان کیا تھا کہ تو نے ایک دن کپڑے کو دوتہ کر کے اُن کے نیچے بچھا دیا تھا اور وہ اُس کی نرمی کے سبب سے ایسے سو گئے کہ بلال کی اذان کی آواز سے پہلے نہ اُٹھے اور تجھ کو فرمانے لگے کہ اے حفصہ تو نے آج کیا کیا کہ کپڑا دُہرا کر کے بچھا دیا جس کے سبب سے میں صبح تک سوتا رہا اور فرمایا تھا کہ میرا اور دنیا کا کیا علاقہ ہے اور نرم بستروں سے میرا کیا کام ہے کیا تم نہیں جانتیں کہ رسول اللہ مغفور من ذنبہ ما تقدم

دبلا تر تھے۔ لیکن ہمیشہ بھوک اور بیداری اور رکوع وسجود اور گریہ وزاری اور عجز ونیاز بدرگاہ باری اور بے قراری میں رات دن گذرتی تھی یہاں تک کہ خدا نے اُن کو اپنی رحمت اور رضوان کی طرف بُلا لیا۔ عمر نہ کھاوے گا اور نہ پہنے گا۔ اُس کی حالت اُس کے دونوں صاحبوں کے مانند رہے گی۔ وہ ترکاریوں میں سوائے زیتون کے جمع نہ کرے گا اور مہینہ میں ایک دفعہ سے زیادہ گوشت نہ کھائے گا۔ غرض وہ دونوں یہ سُنکر چلی آئیں اور اصحاب رسول اللہ کو یہ ماجرا سُنا دیا۔ اسی طرح جب کبھی اس قسم کی صلاح اُن کو دی جاتی تھی تو وہ کہہ اُٹھتے تھے کہ میں سختی میں اپنے دو صاحبوں کی طرح اس لئے بسر کرتا ہوں کہ شاید نرمی اور آرام میں خدا مجھ کو اُن کے ساتھ شریک کرے[2]

حضرت عمر اہل فوج کو دھوپ کھانے اور موٹا کپڑا پہننے کے سوا گھوڑوں پر رکاب کے سہارے بغیر سوار ہونے کی ہدایت کیا کرتے تھے اور خود بھی اس کی پابندی کرتے تھے۔ گھوڑے کے کان تھام کر اُچک کر اُسکے اوپر جا بیٹھتے تھے۔

حسنؒ جب حضرت عمر کا ذکر کرتے تو کہا کرتے کہ خدا کی قسم وہ اسلام میں اول نہیں تھے اور نہ نفقہ فی سبیل اللہ میں افضل تھے مگر یہ کہ وہ زہد فی الدنیا اور استحکام فی امر اللہ میں لوگوں پر غالب آئے۔ خدا کے کاموں میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے[3]

معاویہ کا قول ہے کہ "حضرت ابوبکر نے دنیا کی خواہش کی اور نہ دنیا نے اُن کی خواہش کی۔ حضرت عمر کو دنیا چاہتی رہی مگر اُنہوں نے اسکی کچھ پروا نہ کی اور ہم لوگ دنیا میں پھنس گئے"[4]

ابن عباس سے کسی نے حضرت ابوبکر کی نسبت پوچھا اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ کُل کے کُل خیر تھے اور حضرت عمر کی نسبت پوچھا تو کہنے لگے کہ" وہ ہوشیار پرندہ کی طرح تھے جو چاروں طرف دام میں پھنس جانے سے [illegible] رہتا ہو"[5]

حضرت عمر کی طبیعت میں جو سختی اور درشتی ابتدا میں پائی جاتی تھی اُس سے اُن کے اپنے

[illegible] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک ص ۲۳۹ سیوطی۔

زمانہ خلافت میں بالکل مفقود ہو جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی طبیعت پر کس درجہ قابو اور ضبط کی قدرت تھی۔ حضرت عمر نے جس خطبہ کے ساتھ اپنی خلافت کو شروع کیا اُس میں اُنہوں نے کہا کہ "اے خدا میں ضعیف ہوں مجھے قوت دے اور میں سختی کرنے والا ہوں مجھے نرمی دے اور میں بخیل ہوں مجھے سخی کر" ۱؎ اُن کے آغاز خلافت میں جو لوگ اُن کی سختی کی طرف سے خوف ظاہر کرتے تھے اُسکو سُن کر اُنہوں نے ایک خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے زمانہ میں اپنی سختی کے سبب کو جسے ہم بیان کر چکے ہیں بیان کیا۔ اور اپنی خلافت میں نرمی کرنے کا اطمینان دلایا۔ اور اُن کا تمام برتاؤ اُن الفاظ کے مطابق رہا۔ سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے اُن کے اسی خطبہ کی طرف اشارہ کرکے کہا ہے کہ "خدا کی قسم عمرؓ نے وفا کی۔ وہ سختی کے موقعہ پر سختی میں اور نرمی کے موقعہ پر نرمی میں زیادہ تھے"۔ سر ولیم میور کا قول ہے کہ "نوجوانی میں وہ آتش مزاجی اور بے صبر طبیعت کے سبب سے مشہور تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے دنوں میں بھی وہ بدلہ اور سزا کے تند اور سخت وکیل تھے۔ تلوار کو نیام سے نکالنے کے واسطے ہمیشہ تیار رہتے تھے اور یہی تھے جنہوں نے بدر میں تمام قیدیوں کے قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن عمر اور اپنے عہد کے بوجھ نے اُن کی طبیعت کی سختی کو نرم کر دیا تھا" ۲؎ حضرت عمر کی طبیعت کی نرمی اور مساکین اور محتاجوں کی مدد کرنے میں مصروف رہنے اور تواضع کرنے کے واقعات اور مثالیں بیان ہو چکی ہیں اور اور بھی اس قسم کے واقعات ہیں کہ مثلاً ایک دن ایک اپاہج معذور شخص کو دیکھ کر اُس کی کیفیت دریافت کرنے بیٹھ گئے اور اُس کی معذوری اور حال کو دیکھ کر رو دئے اور اُس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر ہم اب اس باب کو ایسے واقعات سے طولانی نہیں دینا چاہتے۔ عام طور پر احسان اور مروت کرنے کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ ایک دفعہ اُن کے رشتہ داروں میں سے کسی شخص نے اُن سے بیت المال سے کچھ مانگا۔ حضرت عمر نے اُسے جھڑک دیا اور کہا کہ شاید تو چاہتا ہے کہ خدا کے سامنے میں خائن بن کر جاؤں مگر اپنے مال سے

۱؎ ازالۃ الخفا نیا سنہ ۲؎ انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۸۴

اُسکو دس ہزار (یا ایک ہزار) درہم دیئے[1] اسی طرح اسید بن حضیر کا جب انتقال ہوا تو وہ حضرت عمرؓ کے واسطے ایک تحریری وصیت چھوڑ گیا۔ اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ چار ھزار کا مقروض ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کھجوروں کا باغ چار سال کے واسطے چار ہزار کے عوض گرو کر کے اُس کا قرضہ ادا کر دیا[2] ایسی ہی وہ فیاضی بھی کرتے تھے مگر اُن کے ساتھ جو درحقیقت مستحق ہوتے تھے اور اس کی بہت سی مثالیں گذر چکی ہیں۔ غصہ آتا تو اسکو دور کرتے تھے۔ ایک دن غصہ میں آئے تو پانی مانگا اور ناک میں ڈالا اور کہنے لگے کہ غضب شیطان ہے اور اسی طرح دور ہوتا ہے[3]

حضرت عمرؓ کی طبیعت سے گو ابتدائی سختی اور درشتی جاتی رہی تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سوائے نرمی کے کچھ نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہ جہاں سختی مناسب ہوتی تھی سختی اور جہاں نرمی واجب ہوتی تھی وہاں نرمی کرتے تھے۔ اُن کا رُعب جیسا کہ بادشاہ اور معلم کا ہونا چاہیے دلوں میں موجود تھا۔ یہ مشہور ہے کہ لوگ اور کی تلوار سے اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا کہ اُن کے دُرے سے ڈرتے تھے جسکو انہوں نے ہی سب سے اول بنایا تھا۔ انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ "درہ ہاتھ میں لیئے وہ مدینہ کے کوچوں اور بازاروں میں پھرتے تھے اور واردات کے موقع پر ہی مجرم کو سزا دینے کو تیار رہتے تھے۔ اور یہ بات ضرب المثل ہوگئی کہ "حضرت عمرؓ کا دُرہ دوسروں کی تلوار سے زیادہ خوفناک ہے"۔ مگر بایں ہمہ وہ رحم دل تھے اور یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرنے اور حاجت روائی کرنے کے بے شمار حالات بیان کیئے گئے ہیں[4] اصل یہ ہے کہ اُن کا رُعب اور جلال یہ کچھ مصنوعی بھی نہیں تھا کہ بدلنے سے بدل سکتا۔ یہ اُنکی صورت سے قدرتی طور پر نمایاں تھا چنانچہ سفر شام میں جب آپ اسقف پادری کے گھر میں ٹھہرنے کے واسطے جارہے تھے تو اُسنے دیکھ کر حضرت عمرؓ کو پہچان لیا کہ یہی امیر المومنین ہیں حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تو نے مجھ کو کیوں کر

---

[1] طبری و ازالتہ الخفا [2] ازالتہ الخفا [3] ازالتہ الخفا تصوف و سلوک۔

[4] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۸۵۔

پہچانا حالانکہ تو نے کبھی مجھ کو دیکھا نہ تھا۔ اس نے جواب دیا کہ اس ہیبت سے جو آپ کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے[1] ایک اور واقعہ جو مختلف طرح سے بیان کیا جاتا ہے اسکی عمدہ مثال ہے کہ قیصر روم نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک سفیر بھیجا اور بعض روایات میں ہے کہ ان کو قتل کرنے کی غرض سے جبالہ کے بہکانے سے ایک شخص بھیجا۔ وہ سمجھا کہ ایسے زلزلہ کا شخص ہے تو اسکی کوئی بڑی بارگاہ ہوگی۔ یہاں مدینہ میں آکر دیکھا تو رہنے کا جھونپڑا تک ٹھیک نہیں اور امیر المومنین ہیں کہ ان کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ آخر ایک بڑھیا نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی فلاں نخلستان میں چھوڑے چلی آتی ہوں۔ سفیر نے جاکر دیکھا تو واقعی ایک درخت کے تلے پڑے سوتے ہیں۔ جاگے تو اپنا مطلب عرض کرنا چاہا مگر مارے ہیبت کے نہ قدم آگے کو اٹھتا اور نہ بات منہ سے نکلتی تھی۔ سر سے پاؤں تک کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

آپ ہنستے کم تھے جو رعب اور ہیبت کی ایک یہ بھی خاصیت ہے اور تعریف کو پسند نہ کرتے تھے ایک دن ایک شخص نے ان کی تعریف کی تو کہنے لگے کہ کیا تو مجھے اور اپنے نفس کو ہلاک کرتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارادہ کی مضبوطی اور نیکی کرنے اور نیکی کرانے اور نیکی کی تعلیم کرنے کی مضبوط قوت نے ان کی نسبت کہلایا ہے کہ شیطان ان سے عاجز رہتا ہے اور جس راستہ سے وہ جاتے ہیں شیطان اس راستہ سے نہیں گذرتا۔ ان کی اس عجیب وغریب قوت کے تصور نے لوگوں کے دلوں پر عجیب اثر کیا ہے کہ جن لوگوں کو رات کو برے خواب آتے ہیں وہ شیطان کے ڈرانے کے واسطے ان کا نام اپنی چھاتی پر انگلی سے سوتے وقت لکھتے ہیں اور اس یقین سے کہ برے خوابوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

حضرت عمر کا زہد وتقویٰ اور عبادت اور خداترسی انہیں کے ساتھ خاص ہے ادائے فرائض میں ان کی قوت ہر زمانے میں ہدایت کرنے والی ہوگی۔ ایک دفعہ مغرب کی نماز قضا ہو جانے

[1] طبری صفحہ ۲۹۰۴۔

میں اسکے عوض میں ایک غلام آزاد کیا[1]

سعید بن مسیب کا قول ہے کہ حضرت عمر آدھی رات کی نماز کو محبوب سمجھتے تھے[2] زید بن اسلم کے باپ سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رات کو جسقدر ہوسکتا تھا نماز پڑھتے تھے جب آخر رات ہوتی تو اپنے اہل کو بھی نماز کے لئے جگاتے اور الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر اُن کو پکارتے اور یہ آیت پڑھتے۔

وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا لا نسئلک رزقا ۔ نحن نرزقک والعاقبۃ للتقوٰی

جس رات آپ زخمی ہوئے ہیں صبح کی نماز کے واسطے اُٹھے اور کہنے لگے کہ جو شخص نماز کو ترک کرے اُس کو اسلام سے کچھ حظ حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد نماز پڑھی اور زخم سے خون بہ رہا تھا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ صبح کی نماز میں جماعت کے لئے حاضر ہونا مجھے تمام رات کھڑے رہنے سے زیادہ محبوب ہے[3]

جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ کو نہایت خوشی ہوتی اور کہتے کہ پاک اور پاک کرنیوالے کو مرحبا۔ یہ کل کا کل خیر ہے[4] عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ حضرت نے اپنی وفات سے پہلے دو سال پے درپے روزے رکھے[5]

زمانہ خلافت میں ہر سال آپ حج کے واسطے جاتے تھے۔ صرف اپنی خلافت کے پہلے سال میں عراق اور شام کے خدشوں کے سبب سے نہیں جاسکے۔ تین دفعہ عمرہ کے واسطے گئے[6] آپ کہا کرتے تھے کہ جاڑا عبادت کرنے والے کے واسطے غنیمت ہے اور جب رات کو کھڑے ہوتے تو کہتے خدایا تو میرے درجے کو دیکھتا ہے اور میری حاجت کو جانتا ہے تو ہی میری حاجت روائی کرتا کہ میں فلاح اور آرام پاؤں اور میری دعائیں مقبول ہوں۔ پہلے بھی تو نے مجھے معاف کیا اور رحم کیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد دعا مانگتے کہ خدایا دُنیا میں کوئی چیز قایم رہنے والی نہیں ہے اور نہ کوئی حالت برقرار رہنے والی ہے۔ خدایا تو مجھے ایسا کردے کہ میں اس میں علم کے

[1,2] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک زیر [3,4] ۲۳ [5] از الۃ الخفا [6] الفاروق دی خلافۃ صفحہ ۲۶۳

ساتھ بولوں اور حلم کے ساتھ خاموش رہوں۔ خدایا مجھے بہت دنیا نہ دے کہ شاید میں سرکشی کروں اور نہ بہت تھوڑی کہ شاید تجھے بھول جاؤں۔ پس تھوڑی ہو اور کافی ہو اس سے بہتر ہے کہ زیادہ ہو اور لہو میں ڈالے [1]

خوف خدا سے ہر وقت کانپتے اور ڈرتے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ اکثر اوقات آپ معصوم بچوں کو پکڑ کر کہتے کہ تم میرے لئے خدا سے دعا مانگو [2] حضرت علیؑ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے پاس کھڑے ہوئے ایک دن رونے لگ گئے کہ معلوم نہیں میں نے امت رسول اللہ پر حکومت کرنے میں برا کیا ہے یا بھلا کیا ہے [3] حسن سے روایت ہے کہ حضرت عمر اپنے ورد میں رویا کرتے تھے یہاں تک کہ منہ کے بل گر پڑتے تھے اور کئی دن تک گھر میں مریض رہتے تھے [4] ایکدفعہ انہوں نے سورہ اذا الشمس کو پڑھا جب واذا الصحف نشرت تک پہونچے تو بیہوش ہو کر گر پڑے اور کئی روز تک بیمار رہے [5] ایک دن ایک شخص کے مکان کے پاس سے گذرے جو نماز میں سورہ طور پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر سننے کے واسطے کھڑے ہو گئے۔ جب وہ ان عذاب ربک لواقع پر پہونچا تو یہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور بے ہوشی میں اس کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور دیر تک بیٹھے رہے۔ آخر اپنے گھر پہونچے جہاں ایک مہینہ تک بیمار رہے۔ لوگ ان کی بیمار پرسی کو آتے تھے مگر کسیکو بیماری کا سبب نہیں معلوم ہوتا تھا [6]

عبداللہ بن عیسی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے چہرے پر رونے کے باعث دو کالے داغ پڑ گئے تھے [7] انس بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیوار کے پیچھے سے حضرت عمر کو کہتے ہوئے سنا کہ اے واے عمر خطاب تو امیر المومنین ہے واللہ اے ابن خطاب تو خدا سے ڈرتا رہیو ورنہ اللہ تجھے عذاب دیگا [8] عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر نے ایک دفعہ ایک تنکا زمین پر سے اٹھالیا اور کہنے لگے کہ کاش میں یہ تنکا ہوتا اور کاش میری ماں مجھے نہ جنتی [9] ایک دفعہ ایک سایل نے آکر کپڑے کا سوال کیا حضرت عمر نے کہا اگر میں دوں تو کیا

---

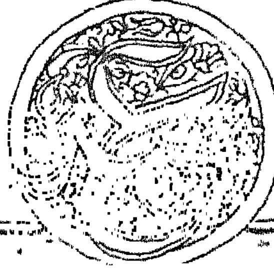
۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ ۔ ازالۃ الخفا [7] ازالۃ الخفا و سیوطی [8] و [9] سیوطی

اُس نے جواب دیا کہ میں چلا جاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کیا ہوگا اُس نے جواب دیا کہ

| | |
|---|---|
| تکون عن حالی لتسئلنہ | پھر یہ ہوگا کہ میرے حال سے تجھ سے سوال ہوگا۔ |
| یوم تکون الاعطیات جنہ | جس دن کہ صدقات ڈھال بنیں گے۔ |
| والموقف المسئول یعتنبہ | اور مسئول سوچتا ہوگا کہ |
| اما الی نار واما الی جنتہ | میں دوزخ کی طرف جاؤں یا بہشت کی طرف۔ |

حضرت عمرؓ اس جواب کو سنکر رو پڑے اور اُسے کپڑے دے کر رخصت کیا۔ دُنیا کی بے ثباتی کا خیال کسی وقت آپ کو بھولتا نہ تھا ایک دفعہ حج میں جاتے ہوئے ضجنان کے جنگل میں اپنے بچپن کے دنوں کو یاد کیا اور اپنی موجودہ ذمہ واریوں کا خیال کیا اور یہ اشعار پڑھنے لگے۔

| | |
|---|---|
| لا شیء مما تری تبقی بشاشتہ | کوئی چیز ایسی نہیں جسکی تازگی باقی رہتی دیکھی جائے۔ |
| یبقی الالہ ویودی المال والولد | اللہ باقی رہیگا اور مال اور اولاد سب فنا ہو جائیں گے۔ |
| لم تغن عن ہرمز یوما خزائنہ | ہرمز سے اُسکے خزانوں نے ایکدن بھی موت کو نہ ٹالا۔ |
| والخلد قد حاولت عاد فما خلدوا | اور عاد نے ہمیشہ رہنے کا ارادہ کیا پس وہ نہ رہ سکا۔ |
| ولا سلیمان اذ تجری الریاح لہ | اور نہ سلیمان جب کہ ہوائیں اُسکے تابع جاری ہوتی تھیں۔ |
| والانس والجن فیما بینہا ترد | اور نہ آدمی اور جن جو اُس کے آگے رہتے تھے۔ |
| این الملوک التی کانت منازلہا | وہ بادشاہ کہاں ہیں؟ جن کی منزلوں میں |
| من کل اوب الیہا راکب لغد | ہر ایک طرف سے سوار آتے تھے۔ |
| حوض ہنالک مورود بلا کذب | یہاں ایک حوض ہے جسپر ضرور وارد ہوتا ہے۔ |
| لابد من وردہ یوما کما وردوا | اُسپر اُترنے سے کسیکو چارہ نہیں جب سے وہ اُس میں اُترے۔ |



حضرت عمرؓ کی مُہر پر یہ عبارت کندہ تھی۔
کفی بالموت واعظا یا عمر ایک مورخ انگریزی نے
اُن کی خلافت کی مُہر کا کندہ صرف انکا نام لکھا ہے

حضرت عمرؓ کی اس سخت اور درشت اور ڈرانے والی صورت کے نیچے ایک دل تھا جو خوفِ خدا اور خدا اور رسول صلعم کی محبت میں گھلا او گھلا ہوا تھا۔ آں حضرت کے مبارک زمانے کی یاد اور اُن کی یادگاروں کو دیکھنا اور سننا اُن کی آنکھوں سے خون کے آنسو نکال لاتا تھا۔ دوسرے سفرِ شام کا ایک واقعہ پڑھ کر تمام محبت والے دل بھر آتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ شام سے روانہ ہونے لگے تو اصحاب نے کہا کہ حضرت بلال سے جو شام میں جا رہے تھے اور آں حضرت صلعم کی وفات کے بعد اُن کی اذان سننے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا اذان کہلوائیں۔ موذنِ رسول اللہ نے جب اپنی مشہور بلند آواز سے اذان کہنی شروع کی تو آنحضرت صلعم کے زمانۂ امامت کا نقشہ اور سماں سب کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اُن جنگ جو بہادروں اور شیر دل لوگوں کے دل پانی کی طرح پگھل گئے اور بچوں کی مانند اس قدر ڈاڑھیں مار مار کر روئے اور گریہ وزاری اور نالہ وبکا کیا کہ اسکی کیفیت نہیں بیان ہو سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے تو گویا قیامت ہی آگئی اور بالکل بے ہوش ہو گئے[1]

عجب اور تکبر کے خیال کو تو وہ اپنی روح کا برباد کر دینے والا سمجھتے تھے اور عجیب طرح سے اپنے نفس کی ذلت کرتے تھے۔ زید بن ثابت حضرت عمرؓ کے منشی نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اپنے کندھے پانی کی مشک اُٹھائے ہوئے لوگوں کے درمیان سے جا رہے ہیں۔ اُنکی اس حرکت سے متعجب ہوا اور پاس جا کر کہنے لگے یا امیر المومنین۔ حضرت عمرؓ نے کہا چپکا ہو جا میں تجھے بتا دوں گا۔ ایک بڑھیا کے گھر جا کر وہاں سے جب لوٹ کر گھر آئے تو زید نے پھر پوچھا حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تیرے جانے کے بعد میرے پاس روم اور فارس کے قاصد آئے تھے اور کہنے لگے کہ اے عمر تیری نیکی اللہ کے واسطے ہے اور لوگ تیرے علم وفضل اور عدل پر متفق اللسان ہیں۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ میرے میں اس سے تکبر اور غرور داخل ہو رہا ہے تب میں اُٹھ کھڑا ہوا اور نفس کے ذلیل کرنے کے واسطے کیا جو کچھ کیا[2] اسی طرح ایک دن اپنی گردن پر پوستین ڈالے ہوئے نکلے لوگوں

[1] طبری صفحہ ۹۰ [2] وانلس اوف خلافۃ صفحہ ۲۳۰ [2] ازالۃ الخفا۔ تصوف وسلوک۔

نے سبب پوچھا تو بتایا کہ میرے نفس میں عجب داخل ہوا تھا میں نے اُس کو ذلیل کرنا چاہا[۱] اور عجیب و غریب واقعات اِس قسم کے بیان ہوئے ہیں کہ تکبر کے خیال کو دور کرنے کے واسطے وہ کس کس طرح سے اپنے نفس کی تذلیل کرتے تھے۔

ہر رات کو حضرت عمرؓ اپنے نفس سے حساب کرتے تھے کہ آج کے دن میں نے کچھ نہیں کیا فلان کام کیا۔ فلان کام کیا۔ اپنی غلطیوں پر اپنے آپ کو خود سزا دیتے تھے اور پیٹھ پر دُرّہ مارتے تھے۔ جب کوئی شخص اُن کو کہتا کہ خدا سے ڈر تو اُس کا شکریہ ادا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ خدا اُسکا بھلا کرے جو ہمارے عیب ہم پر ظاہر کردے[۲] اور لوگوں سے عیوب دریافت کرتے رہتے تھے اور مسلمانوں میں جو لوگ صاف گو نڈر تھے اور حق کہنے کی جرأت کرتے تھے اُن کے ہونے پر خدا کا شکر کرتے تھے[۳] حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب صالحین کا ذکر آوے تو عمرؓ کا ذکر ضرور کرنا چاہیے[۴]

حضرت عمرؓ کو غصہ آنے کی حالت میں اُن کا غصہ فرو کرنے کی ایک عمدہ تدبیر کلام الٰہی اُن کے سامنے پڑھ دینا تھا۔ جو اُن پر ایک برقی اثر کرتا تھا ایک دفعہ حر بن قیس کا چچا حر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے حضرت عمرؓ کے پاس لے چل۔ حر نے کہا مجھے خوف ہے کہ تو وہاں جا کر کوئی نامناسب بات کہدے۔ اُس نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ مگر حضرت عمرؓ کے پاس جا کر وظائف دینے میں اُن کی بے انصافی کی شکایت کی۔ جس سے حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا اور اُس کے ساتھ سختی کرنے کا ارادہ کیا۔ حر نے کہا یا امیر المومنین خدا فرماتا ہے خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاھلین حضرت عمرؓ اس کو سنتے ہی خاموش ہو گئے[۵] ایسے اور بھی واقعات ہیں۔ ابن عمرؓ کا قول ہے۔ کہ میں نے کبھی حضرت عمرؓ کو ایسا غضب ناک نہیں دیکھا کہ اُن کے سامنے اللہ کا نام لیا جاوے یا خدا سے ڈرایا جائے اور کوئی آیت پڑھی جائے اور وہ اپنے ارادے سے باز نہ رہے ہوں[۶]

[۱-۲-۳] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک [۴] سیوطی [۵] ازالۃ الخفا کلمات صفحہ ۲۰۲ [۶] سیوطی۔ ازالۃ الخفا موافقات صفحہ ۱۹۵۔

بلال نے ایک روز اسلم سے پوچھا کہ تم حضرت عمر کو کیسا جانتے ہو اُسنے جواب دیا کہ اور آدمیوں سے وہ بہترین مگر غصہ کی حالت میں پناہ بخدا۔ بلال نے کہا کاش غصہ کی حالت میں تو اُن کے سامنے قرآن پڑھتا اور اُن کا غصہ فوراً افرو ہوجاتا۔

حضرت عمر کی ذہانت اور حاضر جوابی کا ایک واقعہ بیان کرنے کے لایق ہوگا۔ کہ ایک دن ایک یہودی اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے خداوند تعالی کے اس قول کو پڑھا ہے سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموات والارض تو زمین و آسمان جب عرض جنت میں آ گئے تو دوزخ کہاں گیا۔ حضرت عمر نے اصحاب رسول اللہ کو کہا کہ اس کو جواب دو مگر سب خاموش رہے تب حضرت عمر نے یہودی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو دن کو دیکھتا ہے جب دن آتا ہے تو کیا وہ زمین و آسمان کو نہیں بھر دیتا۔ اُس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے پوچھا اُسوقت رات کہاں جاتی ہے اُس نے جواب دیا جہاں اللہ چاہے۔ حضرت عمر نے کہا پس دوزخ کو بھی جہاں اللہ چاہے۔ یہودی نے تسلیم کیا اور خاموش ہو گیا[۲]

حضرت عمر اصحاب رسول اللہ کی اُن کے مراتب کے موافق عزت اور تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور جیسا مناسب ہوتا تھا اُن سے سلوک کرتے تھے اور اُن کے مدارج کو نگاہ رکھتے تھے۔ اس کے متعلق واقعات بیان کرنا طوالت ہوگی۔ اُن کی وفات پر آپ نہایت درد اور رنج سے رویا کرتے تھے اور اسلامی اخوت کا حق ادا کرتے تھے۔ تمام متبرک اور مقدس مقامات کی تعظیم و تکریم ملحوظ رکھتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ مکہ میں ایک گناہ کرنا کہیں باہر ستر گناہ کرنے سے بڑا ہے۔ یروشلیم میں عیسائیوں کے مقدس مقامات پر جن کا تقدس اسلام نے بھی ملحوظ رکھا تھا اُنہوں نے اُن کی عزت و عظمت کو بخوبی ظاہر کیا۔ شام میں اور ایران میں جہاں کہیں مقدس مکانات تھے اُن کی حفاظت اور درستی کا حکم دیا۔ شہر سوس جو ایران میں فتح ہوا تھا حضرت دانیال کی قبر تھی۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ تعظیم کے ساتھ اُس کو قایم رکھا جائے۔ اور بقول سر ولیم میور کے آیندہ

[۱، ۲] سیوطی۔ ازالۃ الخفا موافقات صفحہ ۱۹۵۔

انسانوں کی پاک حفاظت سے تیرہ سو برس کے تغیرات اور انقلابوں سے محفوظ رہ کر وہ مقبرہ دریا کے کنارے پر آج تک موجود ہے۔[۱]

افسوس ہے کہ اب ہم اُس زمانہ کے قریب پہونچ گئے ہیں جب کہ دنیا کے اپنی قسم کے بے نظیر شخص اور ایک ایسے اسلامی وجود کو جس پر کہ اسلامی دُنیا حضرت سرور کائنات کے بعد سچا فخر کر سکتی ہے دُنیا سے رخصت ہوتا دیکھیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ کی خلافت کی ترقیوں اور اسلامی دنیوی عروج کو جس کے ساتھ ساتھ باہر کی دُنیا اسلام کی برکتوں اور رحمتوں سے بھی فیضیاب ہوتی جاتی تھی نظر تامل سے دیکھا ہے اور جن کو معلوم ہے کہ وہ اندرونی امن و اطمینان جو حضرت عمرؓ کی بے نظیر قوت انتظامی کا نتیجہ تھا پھر اس غرض کے واسطے کہ اس سے ایسے ہی عمدہ نتائج حاصل کئے جائیں پھر کبھی نہیں حاصل ہوا۔ وہ اس ناگہانی پُر الم حادثہ پر جو اسلام کی ترقیوں کے سلسلہ کو پہنچا اور اس ناقابل تلافی نقصان پر سخت رنج اور غم کرے گا۔ حضرت عمرؓ کو اگر عمر طبعی تک زندہ رہنا بھی نصیب ہوا ہوتا تو اسلامی قوتوں کو ہم اسی نسبت سے بہت بڑھے ہوئے درجہ پر دیکھتے اور ہر ایک بشر کے ضروری انجام کا خیال اُنکی وفات پر افسوس کرنیوالے کو تسلی دینے والا ہوتا مگر اُنکی اس بے وقت وفات پر درحقیقت صبر کرنے سے صبر بھی نہیں آتا۔

انگریزی مورخ اس دردانگیز واقعہ کے بیان کو ان الفاظ سے شروع کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کو یہ گیارھواں سال تھا اور اگرچہ اُن کی عمر پچپن سال کی (اور ایک اور روایت کے موافق ساٹھ سے اوپر) تھی۔ لیکن وہ توانا اور اپنی عظیم اور وسیع ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں جو اُن کو سپرد کی گئی تھیں ویسے ہی پُرجوش ہوشیار اور مستعد تھے۔ تئیسویں سال ہجری کے آخری مہینے میں اپنے معمول کے موافق اُنھوں نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور اس موقع پر ازواج رسول اللہ صلعم کو ہمراہ لیجا کر سالانہ حج ادا کیا مدینہ کو واپس آئے ہوئے اُن کو صرف چند ہی روز گذرے تھے کہ اُنکی حکومت ایک المناک اور غمگین اور بے وقت انجام کو پہنچ گئی۔[۲]

---

[۱و۲] انسرا دف خلافت صفحات ۲۵۲ و ۲۸۹ –

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنی وفات سے ایک ہفتہ یا کچھ کم و بیش روز پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک مرغی نے اُن کو دو تین ٹھونگیں ماریں - ایک اور امر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کعب الاحبار نے اپنے توریت کے علم کی بنا پر حضرت عمر کو تین روز پہلے بتا دیا کہ آپ کا انجام آن پہونچا ہے مگر اس روایت کی صحت پر یقین کرنا مشکل ہے۔ شاید اُس کو اُس سازش کا شُبہ کچھ پہلے سے ہو گیا ہو جو اُنکی بیش بہا زندگی کو بے وقت ختم کر دینے کے واسطے کی جا رہی تھی اور اُس نے اُن کو اپنی حفاظت کے واسطے ہوشیار کر دیا ہو۔

آپ کی شہادت کا واقعہ اس طرح پر ہے کہ فیروز نام ایک ایرانی غلام کو جو عام طور پر ابو لولو کے نام سے مشہور تھا مغیرہ عراق سے لایا تھا۔ بچپن میں وہ رومی عیسائیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر غلام بن چکا تھا اور عیسائی ہو گیا تھا۔ اب مغیرہ کی غلامی میں وہ مدینہ میں بڑھئی کا پیشہ کرتا تھا اور اُس کی آمدنی سے مغیرہ حصہ لیتا تھا۔ ایک دن بازار میں وہ حضرت عمر سے ملا اور اُن سے کہنے لگا کہ یا امیر المومنین آپ میرا انصاف کریں کہ مغیرہ مجھ سے بہت زیادہ رقم لیتا ہے جس کو میں نہیں ادا کر سکتا۔ حضرت عمر نے پوچھا کتنی؟ اُس نے جواب دیا دو درہم روزانہ۔ حضرت عمر نے دریافت کیا کہ تو کام کیا کرتا ہے۔ اُس نے کہا بڑھئی۔ لوہار اور نقاش کا کام کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایسے ہوشیار کاریگر کے واسطے یہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر نے اُس سے یہ بھی کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو ایسی چکی بناتا ہے جو ہوا سے چلتی ہے۔ اُس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایسی چکی ہمارے لیئے بنا دے۔ اُس نے منہ بگاڑ کر جواب دیا کہ اگر زندہ رہے تو ایسی چکی بنا دوں گا جس کی شُہرت مشرق سے مغرب تک ہو جائے گی۔ یہ کہکر وہ چل دیا اور حضرت عمر نے دل میں کہا کہ یہ مجھ کو دھمکی دے گیا ہے۔

دوسرے دن کی صبح کو نماز فجر کے واسطے جب مسجد میں لوگ جمع ہوئے تو ابو لولو بھی کہیں اُنہیں میں ملکر بیٹھ گیا اور جب حضرت عمر امامت کے لیئے کھڑے ہوئے تو وہ پہلی صف میں نمازیوں میں کھڑا ہوا۔ حضرت عمر صرف تکبیر کہنے پائے تھے اور بعض روایت کے بموجب ایک رکعت نماز

بڑھ کر کھڑے ہوئے تھے کہ ابو لولو نے دفعتہً آگے بڑھ کر اُن پر حملہ کیا اور ایک تیز دو رُخے خنجر سے چھ جگہ یا تین جگہ پر زخم لگائے اور بھاگتے ادھر اُدھر اور کئی آدمیوں کو زخمی کر ڈالا اور آخر اپنے آپ کو اُسی خنجر سے مار ڈالا - حضرت عمر گر گئے تھے - اُٹھا کر اُن کو گھر لے گئے - اُنہوں نے عبد الرحمٰن بن عوف کو نماز پڑھا دینے کو کہا - زخم سینے کی کوشش کی گئی پیٹ باندھ دیا گیا - مگر زندگی کی امید منقطع ہو چکی تھی -

حضرت عمر کے اِس طرح ایک ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جانے سے ایک اور بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ اپنے جانشین کی نسبت کچھ فیصلہ نہ کر سکے - اُن کو ہمیشہ اس بات کی فکر رہتی تھی اور سوچتے تھے کہ کس کو اپنا جانشین موسوم کریں - مگر کوئی آخری فیصلہ وہ نہیں کرنے پائے تھے اور اُس وقت بھی وہ اپنے فیصلے پر بھروسہ نہیں کر سکے - اُنہوں نے چھ اصحاب حضرت علی حضرت عثمان - طلحہ اور زبیر اور عبد الرحمٰن بن عوف اور سعد کو موسوم کیا کہ وہ اپنی متفقہ رائے سے ایک شخص کو خلافت کے واسطے تجویز اور منتخب کر لیں - طلحہ اُس وقت مدینہ میں موجود نہ تھے - حضرت عمر نے کہا کہ اگر وہ تین دن تک آجائے تو اُس کو شریک مشورہ کر لینا ورنہ پانچوں ہی بیٹھ کر فیصلہ کر لینا - "تا انفصال امامت کے واسطے صہیب کو نامزد کیا - اس میں نہایت دانشمندی تھی کیوں کہ اگر انہیں بزرگوں میں سے کسی شخص کو امامت کے واسطے کہتے تو اُس کی نسبت یہ خصوصیت فیصلہ پر اثر ڈالنے کو پیدا ہو جاتی جیسے کہ حضرت ابوبکر کے معاملے میں ہوا تھا - اسی سبب سے انہوں نے ایک ایسے شخص کو امامت کے واسطے کہا جس کو خلافت کے خیال سے کچھ تعلق نہ تھا - ان پانچوں اصحاب کو انتخاب کے لئے موسوم کرنے کے بعد اُن کو باری باری سے وصیت کی اور انتخاب کرنے کی ذمہ داری اور اپنے قبیلہ کی رعایت کرنے کے خیال کے خطرے سے آن کو آگاہ کیا - حضرت علیؓ سے کہا کہ اللہ سے ڈرنا اور اگر لوگوں کے امور سے کسی چیز کا والی ہو تو بنی ہاشم کو اُن کا والی نہ بنانا - اسی طرح حضرت عثمان کو کہا کہ اپنے اقربا اور قبیلہ کے لوگوں کو ترجیح نہ دینا - اُن کی وصیتیں مختلف اور متباین طرح سے بیان کی گئی ہیں - جاریہ بن قدامہ سعدی بیان کرتا ہے کہ حضرت عمر نے پہلے اصحاب

رسول اللہ کو اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ پھر انصار پھر اہل اسلام اور پھر اہل عراق کو۔ لوگ اُن کے
پاس جاتے تھے اور رو کر اور اُن کی صفت کہکر چلے آتے تھے۔ سب کے آخر ہم گئے دیکھا کہ اون کا
پیٹ سیاہ چادر سے بندھا ہوا ہے اور خون ٹپک رہا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہمیں وصیت کیجئے تو فرمانے لگے
کہ کتاب اللہ پر عمل کرنا۔ اگر تم اس کا اتباع نہ کروگے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور مہاجرین کے واسطے تم
کو وصیت کرتا ہوں کہ لوگ بہت ہیں اور وہ تھوڑے ہیں اور انصار کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ وہ
دین کا گھر ہیں اور اعراب کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ تمہارا اصل اور مادہ ہے اور اہل ذمہ کی بھی وصیت
کرتا ہوں کہ وہ تمہارے نبی کا طریق اور تمہارے کنبوں کا رزق ہے۔" مسور بن مخرمہ کا قول ہے کہ
حضرت عمر کو جب اُن کی ایک انگلی زخمی تھی۔ میں نے کہتے ہوئے سنا کہ" اے قریش کے لوگو میں
تم پر لوگوں سے کچھ خوف نہیں کرتا۔ تم سے لوگوں پر خوف کرتا ہوں۔ تمہارے درمیان میں دو
چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک اُن کو لازم سمجھوگے نیکی کو پہونچوگے۔ حکم اور تقسیم میں فیصلہ اور
انصاف کرنا اور تمہارے بیں میں اونٹوں کی قطار کی روش چھوڑ چلا ہوں۔ خبردار کوئی قوم ٹیڑھی نہ
ہو جائے ورنہ وہ روش بھی ٹیڑھی ہو جائے گی۔" غرض جو وصیت اُنھوں نے اپنے جانشین کے
واسطے کی اُسکا ماحصل خوف خدا۔ انصار کی خاطرداری اور اعراب کی حق شناسی اور اہل ذمہ کے ساتھ
حسن سلوک۔ اُن کے معاہدوں کو پورا کرنا۔ اُن کی حفاظت کرنا۔ اُن کے دشمنوں سے لڑنا اور برداشت
سے زیادہ اُن کو تکلیف نہ دینا تھا۔" اس کے بعد وہ ناطاقتی سے تھوڑی دیر کے واسطے خاموش
ہو گئے۔ اور پھر اپنے بیٹے عبداللہ سے پوچھا کہ مجھے کس نے زخمی کیا۔ جب معلوم ہوا کہ ابولولو نے
کیا ہے تو فرمایا کہ الحمد للہ وہ ایسا شخص نہ تھا جو خدا کی عبادت کے واسطے جھکا ہو یعنی غیر مسلمان
کے ہاتھوں سے شہید ہوا ہوں۔ پھر عبداللہ کو کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جا کر اُن سے اجازت
مانگے کہ مجھے اپنے حجرے میں آنحضرت صلعم کے پہلو میں دفن کئے جانے کی اجازت دیں اور کہا
کہ اگر وہ اجازت نہ دیں تو مسلمانوں کے قبرستان بقیع میں مجھے دفن کر دینا۔ حضرت عائشہ رضنے اگرچہ
کہا کہ حجرے میں ایک ہی قبر کی اور جگہ تھی جو میں نے اپنے لئے رکھ چھوڑی تھی مگر حضرت عمرؓ کا وہاں

دفن کیا جانا منظور کر لیا۔ آخر تک حضرت عمر نے اپنے خاندان کو خلافت سے جدا رکھنے کا خیال پورا کیا
اپنے بیٹے عبداللہ کو اہل شوریٰ یعنی منتخب کرنے والوں میں داخل تو کیا مگر اس شرط پر کہ وہ نہ منتخب ہوں گے
اور وصیت کی کہ "اے عبداللہ یاد رکھ اگر وہ (اہل شوریٰ) انتخاب میں اختلاف کریں تو تجھ کو کثرت رائے کا
طرفدار ہونا چاہیے۔ اگر ان کی رائیں برابر ہوں تو تجھے عبدالرحمٰن کی رائے کا طرفدار ہونا واجب ہوگا" اسکے
بعد لوگوں کو جو دروازے پر جمع ہو رہے تھے اندر آنے کی اجازت دی جب لوگ آنے جانے لگے تو حضرت
عمرؓ نے اُن سے پوچھا کہ میری موت کی سازش میں کوئی بڑا آدمی تو شریک نہیں تھا سب نے یک زبان ہو کر پکارا
کہ خدا نہ کرے۔ حضرت علیؓ بھی دریافت حال کے واسطے آئے تھے اور وہ بیٹھے تھے کہ ابن عباس
بھی آ گئے۔ حضرت عمر نے ابن عباس سے پوچھا کہ اے ابن عباس اس معاملہ (انتخاب) میں تو میرے ساتھ متفق ہے
یا نہیں۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ میں متفق ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ دیکھنا تم اور تمہارے ساتھی مجھے دھوکا
نہ دیں۔ طبیب نے حضرت عمر کو کھجور کا پانی پینے کو دیا مگر وہ جوں کا توں زخم کی راہ سے نکل گیا ناف کے
نیچے کا زخم کاری لگا تھا اور اس سے جاں بر نہ ہو سکے۔ آخری لمحوں میں جب اُن کا سر اپنے بیٹے عبداللہ
کی گود میں تھا یہ شعر پڑھ رہے تھے:۔

| | |
|---|---|
| ظلوم لنفسی غیر انی مسلم | میرے نفس کے لئے مشکل پڑی ہوئی اگر میں مسلمان نہ ہوتا۔ |
| اصلی الصلوۃ کلھا واصوم | مگر تمام نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا رہا ہوں۔ |

اور اسی طرح ہچکی آواز میں کلمہ کا ذکر کرتے رہے اور اسی حال میں اُن کی روح جسم عنصری سے علاحدہ
ہوگئی اور اس دارفانی سے جنت بریں کو سدھاری انا للہ وانا الیہ راجعون ۲۳ھ
کے محرم کی چھبیسویں تاریخ تھی۔

طرح وہ واقعہ ہوگیا جسکے سبب سے اسلام پر رونے والوں کو ہمیشہ رونے کے واسطے ایک وجہ
ی وفات کے مرثیوں میں سے شماخ کا مرثیہ دلی درد سے لکھا گیا ہے اور دلوں میں درد پیدا کرتا
ں درج کیا جاتا ہے
ترامن امیر وبارکت اخدا جزائے خیر دے اسکو جو امیرالمومنین تھے۔

| | |
|---|---|
| ید اللہ فی ذاک الادیم المرق | اور خدا وند تعالیٰ کا ہاتھ اُس چمڑے جو خنجر سے پارہ پارہ ہو گئی ہے برکت دے۔ |
| قضیت اموراً ثم غادرت بعدھا بوائج فی اکمامھا لم تفتق | تم نے اپنی خلافت میں بہت سے امور عظام کا فیصلہ کیا پھر اُن کے بعد اُن کے غلافوں اور پردوں میں ایسی مصیبتیں چھوڑ دیں جو اب تک ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔ |
| ابعد قتیل بالمدینۃ اظلمت لہ الارض تھتز العضاہ باسوق | کیا بعد ایسے مقتول کے جو مدینہ میں قتل ہوا اور جسکے لئے تمام زمین تاریک ہو گئی بڑے بڑے درخت اپنے تنوں پر لہلہائیں گے۔ (یعنی ایسا نہ ہوگا کیوں کہ اُن کا غم سب میں اثر کر گیا) |
| تظل الحصان البکر یلقی جنینھا نتا خبر فوق المطی معلق | پاک دامن شوہر دار عورتیں ایسے حال میں ہو گئی ہیں کہ اُن کے حمل کو اس خبر کی ہیبت نے جسکو شتر سوار شہر بشہر لیے پھرتے ہیں گرا دیا ہے۔ |
| وما کنت اخشی ان تکون وفاتہ بکفی سبنتی ازرق العین مطرق | اور مجھ کو یہ خوف نہ تھا کہ اُسکی موت ایک شخص جری اور ڈھیٹ اور گربہ چشم کمینہ کم قدر کے دونوں ہاتھوں سے ہوگی کیونکہ اُس کا مرتبہ اس سے بڑا تھا۔ |

اسی طرح ہر رونے والے رویا کریں گے اور اُن کے اوصاف بیان کرنے والے اُن کے اوصاف بیان کیا کریں گے مگر وہ اتنے تھوڑے نہیں ہیں کہ بیان کرنے سے بیان ہو جائیں عبداللہ بن سلام اُن کے جنازے پر اُس وقت آئے جب کہ لوگ جنازہ پڑھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اگر تم نے جنازہ میرے سے پہلے پڑھ لیا ہے تو اُس کی ثنا کہنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جاؤ گے اور کہنے لگے :- اے عمرؓ تو اسلامی بھائی اچھا تھا۔ حق کا سخی تھا۔ باطل کا بخیل تھا۔ رضا کے موقع پر تو راضی ہوتا تھا اور ناراضی کے موقع پر ناراض۔ نہ تو کسی کا مداح تھا اور نہ عیب گو۔ تیرا دل اچھا تھا اور تیری آنکھ عفیف تھی"۔ انگریزی مورخ کے الفاظ بھی ہماری ہمدردی کریں گے جو اُن کی وفات کا واقعہ بیان کر کے لکھتا ہے کہ "اس طرح وفات پائی حضرت عمرؓ نے جو پیغمبر صلعم کے بعد اسلامی

دنیا میں سب سے بڑا ہے۔ کیوں کہ یہ تمام اُنہیں کی دس سالہ خلافت میں تھا کہ اُن کی دانائی۔ صبر اور قوت اور سرگرمی سے شام مصر اور ایران کی ولایتیں فتح ہوگئیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کو ایسی حالت میں شروع کیا کہ وہ صرف عرب کے مالک تھے اور جب وفات پائی تو ایک اتنی بڑی سلطنت کے خلیفہ تھے جس میں ایران مصر۔ اور اہل روما کی سلطنت کے عمدہ سے عمدہ صوبے شامل تھے باینہمہ اس عظیم الشان خوش قسمتی کے زمانہ میں ایک عاقلانہ اور سنجیدہ فیصلوں کی ہم پلگی کو نہیں چھوڑا اور عرب کے ایک سردار کی کفایت شعار اور سادہ زندگی سے اپنے آپکو نہیں بڑھایا۔ دور مقامات سے جب کوئی اجنبی آتا تو مسجد کے صحن میں کھڑا ہوکر پوچھتا کہ خلیفہ کہاں ہیں۔ حالانکہ وہ شاہنشاہ اپنی سادگی کے ساتھ وہیں موجود بیٹھا ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے ایک دن ایک شخص کو بہی نساک سے رستہ میں چلتے ہوئے دیکھ کر جو آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور سر اُٹھا کر نہیں دیکھتا تھا اور کسی سے کلام نہیں کرتا تھا پوچھا کہ یہ کون شخص ہے کسی نے کہا کہ "ناسک" یعنی نیک مرد ہے۔ یہ سُنکر فرمانے لگیں کہ "خدا عمرؓ پر رحمت نازل کرے کہ وہ بھی نیک مرد تھا۔ جب بات کہتے تھے بلند کہتے تھے۔ جب رستہ میں چلتے تھے تو تیزی سے چلتے تھے جب طعام دیتے تھے تو سیر کردیتے تھے اور جب مارتے تھے تو ایسا کہ درد ہوتا تھا"۔ حضرت عائشہ رضؓ ہی نے اُن کے ذکر میں ایک دن کہا کہ "وہ زود فہم تھے اور اس بناوٹ کے ایک ہی تھے۔ اپنے ہمعصروں کو اُنہوں نے معاملات کے واسطے تیار کیا"۔ ابن عمرؓ کا مقولہ ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد میں نے عمرؓ سے زیادہ تیز اور کھرا کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت عثمانؓ کو کسی نے ایکدن کہا کہ آپ حضرت عمرؓ کیطرح کیوں نہیں ہوتے تو کہنے لگے کہ مجھے طاقت نہیں ہے کہ میں لقمان حکیم بن جاؤں۔ حضرت علیؓ نے ماہ رمضان میں مساجد میں قندیلیں دیکھیں تو کہنے لگے کہ "خدا عمرؓ کی قبر کو ایسا روشن کرے جیسا کہ اُس نے مساجد کو روشن کیا ہے۔ سر ولیم میور کا قول ہے کہ "اسلامی مؤرخ اُس قوی اور بیکھڑ فردل والے خلیفہ کو الوداع کہتے وقت اپنے دل سے آہ سرد نکالنے کا حق رکھتا ہے"۔

حضرت عمرؓ نے ستاون برس کی عمر میں وفات پائی گو انگریزی مورخ پچپن برس اور بعض روایات میں تریسٹھ سال لکھی ہے۔ اُن کا زمانہ خلافت ساڑھے دس سال کے قریب تھا۔

حضرت عمرؓ رنگ کے گورے تھے۔ سفیدی میں بہت سُرخی ملی ہوئی تھی۔ قد میں آپ سب سے بلند تھے۔ سر کے بال کم تھے۔ ڈاڑھی سپید تھی اور حنا سے رنگ کرتے تھے۔ آپکی جسمانی خصوصیتوں میں یہ امر تھا کہ دونوں ہاتھوں سے یکساں کام کرتے تھے۔ زر سے روایت ہے کہ عید کے دن میں مدینہ والوں کے ساتھ باہر گیا تو میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ ننگے پاؤں جا رہے تھے۔ بوڑھے۔ سر پہ کم بال۔ گندم گون۔ دونوں ہاتھوں سے کام کرنے والے۔ اور لوگوں سے اتنے اونچے کہ گویا سواری پر ہیں۔ واقدی اس پر کہتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ حضرت عمرؓ گندم گون تھے۔ شاید راوی مذکور نے اُن کو سال رمادہ میں دیکھا ہوگا۔ کیونکہ زیتون کے کھانے سے رنگ متغیر ہو گیا تھا۔ ابو رجاء عطاردی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ طویل جسیم۔ سفید رنگ والے جس میں سرخی بہت ہو ہلکے رخساروں والے (یعنی اُن کے رخساروں پر گوشت کم تھا) اور بھوری موچھوں والے تھے جن کی طرفوں میں بھورا پن تھا۔ آنکھوں میں اُن کے سُرخی بہت تھی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "حضرت عمرؓ کے کندھے چوڑے تھے اور قد میں بلند کہ لوگوں کے گروہ سے اونچے نظر آ رہے ہوتے تھے قدم اُن کا لنبا پڑتا تھا اور صورت میں رُعب وداب تھا۔ طبعاً وہ جلدی کرنے والے اور غصہ ور تھے غصہ کی حالت میں اپنی موچھوں کو بٹ دیکر پیچھے مُنہ میں لے آتے تھے۔ لیکن وقت نے اُن کی طبیعت کو نرم کر دیا تھا اور اس تحکمانہ اور رُعب داب والی صورت کے نیچے اُنکا دل نرم اور ملنسار اور متواضع تھا"

طبری نے حضرت عمرؓ کے ازواج کی تعداد سات بیان کی ہے جن میں سے تین سے جاہلیت میں نکاح کیا تھا اُنکے نام زینب اور ملکہ اور قریبہ لکھے ہیں اور جبکہ حضرت عمرؓ اسلام لائے تو وہ اُن سے جدا ہو گئیں اور مدینہ میں اُنھوں نے ام حکیم اور جمیلہ اور ام کلثوم دختر حضرت علیؑ از فاطمہؓ اور عاتکہ بنت زید چار عورتوں سے نکاح کیا۔

لیکن ایک دوسری تاریخ میں اُن کی ازواج کی تعداد چھ بیان کی گئی ہے اور حالات میں بھی

اختلاف رہا ہے۔

پہلی زینب بنت مظعون جمحی جو عثمان اور قدامہ کی بہن تھی۔ جاہلیت میں اُس سے نکاح کیا تھا اسلام لائی اور ہجرت کرکے ساتھ گئی۔

دوسری عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل عدوی۔ آپ کے چچازاد بھائی کی بیٹی تھی۔ اور سعید بن زید کی جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں بہن تھی۔ اُس سے جاہلیت میں نکاح کیا۔ وہ اسلام لائی اور ہجرت کرکے ساتھ گئی۔

تیسری ام کلثوم جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بن ابی افلح انصاری۔ اسکا نام عاصیہ تھا اور حضرت عمرؓ نے اُسکا نام جمیلہ رکھا تھا اور بعض کا قول ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ نام رکھا۔

چوتھی ام کلیم بنت حارث بن ہشام مخزومی۔ ابوجہل کی بھتیجی جسکا باپ اسلام لایا تھا۔

پانچویں ام کلثوم ملیکہ بنت جرول خزاعی۔

چھٹی ام کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب۔ بعض نے اس کا نام رقیہ بیان کیا ہے۔ اور وہ سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرارضؓ کے پیٹ سے تھیں۔ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے ان سے نکاح کیا۔

طبری نے حضرت عمرؓ کی اولاد آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں لکھی ہیں مگر دوسرے مورخ کا بیان ہے کہ نو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ جن کے نام عبد اللہ۔ عبیداللہ۔ عبدالرحمن اکبر۔ عبدالرحمن اوسط۔ عبدالرحمن اصغر۔ زید اکبر۔ زید اصغر۔ عیاض۔ عاصم۔ اور بیٹیوں کے نام حفصہ۔ رقیہ۔ فاطمہ۔ زینب تھے۔

عبداللہ بن عمر اپنے باپ کے سب بیٹوں سے افضل تھا۔ اُن کی کنیت ابوعبدالرحمن تھی۔ اُن کی ماں زینب مظعون تھیں۔ اپنے باپ کے ساتھ صغر سنی میں اسلام لائے۔ اور اپنے والدین کے ساتھ ہی ہجرت کی۔ بدر اور احد کے بعد سب لڑائیوں میں حاضر ہے کیوں کہ اُن دونوں لڑائیوں میں وہ کم سن تھے۔ لیکن بعض نے اُن کا احد میں حاضر ہونا بھی بیان کیا ہے

گر یہ قول ضعیف معلوم ہوتا ہے۔

وہ بہت بڑے عالم۔ مجتہد۔ عابد۔ سنت پر پورے چلنے والے۔ اور بدعت سے بھاگنے والے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے والے تھے۔ زہری کا قول ہے کہ ہم عبداللہ ابن عمرؓ کی رائے کے برابر کسی کی رائے کو نہیں سمجھتے۔ کیوں کہ وہ رسول اللہ صلعم کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے اور رسول اللہ اور اصحاب کے حال سے کوئی چیز اُن سے مخفی نہ تھی۔ حافظ بن حجر کا قول ہے کہ عبادلہ (عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر) اور صحابہ میں سے وہ سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے سنت رسول اللہ پر چلنے اور عمل کرنے کا اُنکو عشق نہ تھا بلکہ جنون تھا یہاں تک کہ پیروی کے دلدادہ تھے کہ جن کوچوں سے رسول اللہ گذرتے تھے وہاں سے وہ بھی گذرتے تھے اُن کے پاؤں پر پاؤں رکھتے تھے جہاں بیٹھ کر رسول اللہ نے وضو کیا وہاں انہوں نے بھی بیٹھ کر وضو کیا۔ اُن کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ جب تک اپنے باپ جیسے نہ ہوئے انہوں نے وفات نہ پائی۔

سفیان ثوری عبداللہ بن عمر کی ایک عجیب و غریب عادت بیان کرتا ہے کہ جب اُن کو اپنے مال سے کوئی چیز پسند آتی تھی تو اُس کو صدقہ کر دیتے تھے۔ اُن کے غلام اس بات کو جانتے تھے اور اس سے عجب طرح سے فائدہ اُٹھاتے تھے کہ نماز اور روزہ اور عبادت میں بہت سرگرمی ظاہر کرتے تھے۔ ابن عمر اُن کا یہ حال دیکھتے تو اُن کو آزاد کر دیتے تھے۔ کسی نے اُن کو کہا کہ یہ تم کو دھوکا دیتے ہیں تو کہنے لگے کہ خدا کی عبادت کرنے میں جو دھوکا دے اس کا دھوکا کھا لینے میں کچھ عیب نہیں۔ اُن کے غلام نافع کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں دس لاکھ غلام آزاد کئے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک ایک مجلس میں تیس تیس ہزار صدقہ کر دیتے تھے اُن کے شرف کے واسطے اس سے زیادہ کیا چاہئے کہ رسول اللہ صلعم نے اُن کی نسبت ارشاد فرمایا کہ "عبداللہ صالح ہے"۔ اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ آں حضرت ص نے یہ بھی فرمایا۔ کہ "ہر امت میں عالم ہوتا ہے اس امت کا عالم عبداللہ بن عمر ہے"۔ اپنی زندگی میں انہوں نے

بڑے بڑے انقلاب دیکھے مگر کسی امر خلافت میں دخل نہیں دیا۔ صحابہ کے درمیان جو جنگ اور لڑائیاں ہوئیں وہ اُن سب سے الگ رہے۔ اپنے مرنے کے قریب کہا کرتے تھے کہ میں اپنی زندگی میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس پر افسوس کروں۔ اور اب اُس کے کرنے کا موقع نہ رہا ہو۔ بجز اس کے حضرت علیؓ کے ساتھ ملکر باغی گروہ سے لڑائی نہ کی۔ مکہ میں ۷۳ھ ہجری کے آخر یا ۷۴ھ کے آغاز میں اُنہوں نے وفات پائی۔ سبب اُن کی وفات کا یہ تھا کہ حاجیوں کے انبوہ میں اُن کے پاؤں میں نیزے کا پھل چبھ گیا تھا اُس کے زخم سے چند روز بعد وفات پاگئے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دانستہ اُن کے پاؤں میں حجاج بن یوسف نے نیزہ چبھویا تھا۔ سبب اسکا یہ تھا کہ عبد الملک بن مروان حجاج کو ابن عمر کے اقتدا کے واسطے کہا کرتا تھا۔ اور بعض موقعوں پر عرفہ وغیرہ میں ابن عمر حجاج سے آگے ہوتے تھے اور یہ اسکو شاق گذرتا تھا۔ پس حجاج نے ایک شخص مقرر کیا جس نے زہر میں بجھا ہوا نیزہ کا پھل اُنکے پاؤں میں چبھویا۔ عبد اللہ ابن عمر نے رسول اللہ صلعم سے ۲۶۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔ اصحاب کی ایک بڑی جماعت اور تابعین کے ایک گروہ نے اُن سے روایت کی ہے۔

عبد اللہ بن عمر کے بیٹے سالم۔ عبد اللہ۔ عبید اللہ۔ عبد الرحمن۔ عاصم۔ حمزہ۔ زید اور بلال تھے۔ ہر ایک اُن میں صاحب علم و فضل تھا۔ اور سالم سب پر فائق تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین میں جو فقہا سبعہ شمار کیے جاتے ہیں۔ سالم اُن میں سے ایک تھے اور اپنے باپ سے بہت مشابہ تھے۔

حضرت عمر کا دوسرا بیٹا عبد الرحمن اکبر عبد اللہ کا حقیقی بھائی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس نے دیکھا ہے مگر کوئی حدیث اُس سے مروی نہیں ہے۔

تیسرا عیاض تھا جس کی ماں عاتکہ تھی۔

چوتھا عاصم تھا اُس کی ماں جمیلہ تھی۔ رسول اللہ صلعم کی حیات میں پیدا ہوا۔ علم میں بھی عمدہ درجہ رکھتا تھا۔ اپنے باپ اور صحابہ سے حدیث روایت کی ہے اور اُن سے اُن کے بیٹوں

حفص اور عبید اللہ اور اور لوگوں نے۔ عمر بن عبد العزیز انہیں کے نواسے تھے۔ عاصم نے ۷۰ھ
میں وفات پائی۔

پانچواں زید اکبر تھا۔ اُس کی ماں ام کلثوم بنت علیؓ تھی۔ تیس برس کی عمر میں بنی عدی کی ایک لڑائی میں اُس کا سر پھٹ گیا اور چند روز بعد اُس نے اور اُس کی ماں نے ایک ہی دن وفات پائی۔

چھٹا زید اصغر ام کلثوم بنت جرول سے تھا۔

ساتواں عبید اللہ اس کی ماں بھی ام کلثوم بنت جرول تھی یہ نہایت دلیر اور جنگ جو شخص تھا حضرت عمر جب شہید ہوئے تو عبد الرحمٰن بن ابو بکر نے ان سے کہا کہ ایک دن اُس نے ابو لولو کو ہرمزان اور جفینہ کے ساتھ جو حیرہ کا ایک عیسائی تھا باہم مشورہ کرتے دیکھا ہے اور ان کے پاس ایک دو دھرا یا دو طرفہ خنجر تھا۔ اس سے اُن کو حضرت عمر کے قتل کی نسبت سازش کا شبہ ہوا اور تلوار لے جاکر ان دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عثمان کے سامنے اسکا مقدمہ ہوا حضرت علیؓ اور بعض اصحاب کی رائے تھی کہ عبید اللہ کو قصاص میں قتل کرنا چاہیے۔ مگر عمرو بن العاص وغیرہ نے اس سے مخالفت کی اور فدیہ دلوا دینے کی تجویز ٹھہری۔ عبید اللہ ۳۷ھ ہجری تک زندہ رہا اور صفین کی لڑائی میں معاویہ سے مل کر لڑا اور مارا گیا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اُسکے دل میں وہ رنج رہ گیا تھا۔

آٹھواں عبد الرحمٰن اوسط جو لبہ لونڈی کے شکم سے تھا کنیت اسکی ابو شحمہ تھی اسی کو حضرت عمرؓ نے حد ماری تھی جو واقعہ بیان ہو چکا ہے۔

نواں عبد الرحمٰن اصغر۔ اسکی ماں بھی ام ولد تھی۔

حضرت عمرؓ کی بیٹیوں میں سے اول حضرت حفصہؓ عبد اللہ اور عبد الرحمٰن اکبر کی بہن ہیں جن کا نکاح اول کہ میں خنیس بن حذافہ سہمی سے ہوا تھا اور اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ میں آئی تھیں۔ خنیس کا مدینہ میں انتقال ہو گیا تو جناب رسول اللہ صلعم نے دوسرے سال ہجرت میں اُن

سے نکاح کیا۔ ساٹھ حدیثیں اُن سے مروی ہیں۔ مدینہ میں ۵۳ھ ہجری میں فوت ہوئیں۔

دوسری رقیہ ہیں جو زید اکبر کی حقیقی بہن ہے۔ ابراہیم بن نعیم سے اُن کا نکاح ہوا تھا۔

تیسری فاطمہ ام کلیم کے پیٹ سے ان کا نکاح اُن کے چچازاد بھائی عبدالرحمن بن زید بن خطاب سے ہوا تھا۔

چوتھی زینب جو ام ولد فکیہ کے پیٹ سے تھی۔ عبداللہ بن عبداللہ بن سراقہ عدوی سے اُن کا نکاح ہوا۔

حضرت عمر کی اولاد ذکور میں سے عبداللہ اور عبیداللہ اور عاصم کی اولاد رہی اور خدا نے اُن کی نسل سے بڑے بڑے علما اور صلحا اور حافظ حدیث اور عامل آثار اور صاحب جاہ پیدا کئے۔ ہندوستان میں بھی بہت سے فاروقی خاندان موجود ہیں۔ دہلی کے چراغ اور فخر شاہ ولی اللہ صاحب اسی خاندان کی پُرفیض نشانی تھے۔ اور دکن تک حیدرآباد کے اس زمانے کے مدارالمہام اور وزیر اعظم

ہز ایکسیلنسی نواب محمد مظہر الدین خان رفعت جنگ شبیر الدولہ عمدۃ الملک عظم اسم الامرا امیر کبیر سرآسمان جاہ بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی

کا سلسلۂ نسب حضرت فاروق اعظم تک پہونچتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے خطوط اور خطبات کا ذکر کرنے سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اُنکے خطوط اور خطبات کو اس کتاب میں نقل کریں۔ کیونکہ وہ اتنے تھوڑے نہیں ہیں کہ بجائے خود ضخیم کتابوں سے کم میں اُن کی گنجایش ہوسکے۔ حضرت عمر کے خطوط بیشمار ہیں جو وہ سرداران فوج اور عمال کو لکھتے تھے ضروری امور پر جو خطوط لکھے جاتے تھے اور جنگ اور صلح اور قیام اور کوچ اور معاہدوں اور شرطوں کی نسبت ہوتے تھے وہی گنے مشکل ہیں۔ انکے سوا عدالتی امور

کے فیصلے اور امور اہم اور واقعات کی اطلاع پر بہت خطوط لکھے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ عام طور پر ہدایات ضروری اور پند و نصائح اور تحسین اور ملامت وغیرہ مضامین پر اسی قدر خطوط لکھے جاتے تھے۔ انکے خطوط میں خوبی یہ تھی کہ عموماً اختصار لئے ہوئے ہوتے تھے اور اسلامی دنیا کے فرامین اور احکام اور خطوط کے واسطے وہ سب سے عمدہ نمونے کا کام دے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دو منشی عبدالرحمٰن بن خلف خزاعی اور زید بن ثابت تھے۔

خطبات حضرت عمرؓ کے جو جمعہ کے دن اور اسلامی تقریبات اور مختلف موقعوں پر کیے گئے ہیں بہت کثرت سے ہیں۔ ان میں بھی پند و نصائح اور امور ضروری کا ذکر اور بیان ہوتا تھا۔ اس زمانے میں جو خطبہ کو جمعہ اور عید کے دن پڑھا جاتا تھا چند خاص الفاظ میں محدود کر دیا گیا ہے مگر حضرت عمرؓ کے خطبے اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہر ایک قسم کے اخلاقی اور علمی اور ملکی وغیرہ تذکروں اور ہدایتوں کے واسطے وہ نہایت وسیع گنجایش رکھتے تھے اور مجالس اور جلسوں کی ضرورت کو پورا کرتے تھے۔ اُن خطبات سے اُن کی فصاحت و بلاغت اور علم و تجربہ اور برجستہ گوئی کی قوت معلوم ہوتی تھی۔

حضرت عمرؓ کے اقوال جو کتابوں میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں وہ انہیں خطوط اور خطبات اور عام طور پر جو انہوں نے لوگوں کو پند و نصیحت کے طور پر فرمائے ہیں اخذ کئے گئے ہیں۔ اُن میں سے چند اقوال ہم ذیل میں درج کریں گے۔ بلاشبہ ایک ایسی بزرگ اور کامیاب زندگی کے وہ ایسے اقوال ہیں اور اس قابل ہیں کہ انکو آب زر سے لکھا جائے اور ہر ایک شخص ہر زمانہ میں اُنکو اپنی زندگی کا راہ نما اور اصول مقرر کرے۔

## اقوال

قوت فی العمل یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑا جائے۔ امانت یہ ہے کہ باطن ظاہر کے مخالف نہ ہو۔

پرہیزگار بن جاؤ کیونکہ جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اُسے بچاتا ہے۔

[illegible] لازمی سمجھو۔ یہ ایک چادر ہے جو خدا طالب علم کو اڑھاتا ہے

ایک عالم کی موت جو اللہ کے حرام و حلال کو جانتا ہو ہزار عابد قایم اللیل صائم النہار کی موت سے زیادہ افسوسناک ہے۔

میں اہل امت پر کسی امر کا اتنا خوف نہیں کرتا جتنا کہ ایک عالم منافق کا جسکا علم اُسکی زبان پر ہو اور دل جاہل ہو۔

علم ریا اور فخر اور سرکشی کے واسطے نہ سیکھنا چاہیے اور اُسکے طلب میں شرم نہ کرنی چاہیے۔

تمیم داری کو اُنھوں نے پوچھا کیا چیز سرداری کراتی ہے اُس نے کہا عقل۔ حضرت عمر نے کہا سچ کہا۔

علم نجوم کو بحر و بر میں راستہ تلاش کرنے کے واسطے سیکھو اور غرض سے نہیں۔

کسی کی مدح کرنا اُسکو ذبح کرنا ہے۔

جو شخص زیادہ ہنسے اُسکی ہیبت کم ہوتی ہے جو تمسخر کرے اُسکو لوگ خفیف سمجھتے ہیں جو زیادہ گو ہے زیادہ غصہ ور ہے۔ جو زیادہ غصہ ور ہوتا ہے وہ کم لحاظ ہوتا ہے۔ جو کم لحاظ ہو وہ پرہیزگار کم ہوتا ہے جو پرہیزگار نہ ہو اُسکا دل مُردہ ہوتا ہے۔

اس سے بڑھکر کوئی گمراہی نہیں کہ لوگوں کو اُس بات کی تہمت لگائے جو آپ کرتا ہو اور عیب وہ نکالتا جو خود اُس میں موجود ہوں اور لایعنی باتوں سے وقت ضایع کرتا ہو۔

جو شخص حرص اور طمع اور غصب سے بچا اُسنے مخلصی پائی۔

امام کے علم سے زیادہ کوئی علم اللہ کو پیارا اور نفع بخش نہیں ہے اور امام کی جہالت سے زیادہ بُری اور مضر کوئی شے نہیں ہے۔

تواضع یہ ہے کہ مسلمانوں کو پہلے سلام کہے۔ مجلس میں کمتر جگہ پر بیٹھے۔ اور خوشامد کو بُرا سمجھے۔

طمع فقر ہے اور بے غرضی غنا ہے۔

اُس شخص پر خدا رحمت کرے جو اپنے بھائی کو اُس کے عیبوں سے مطلع کرے

فاجر کی صحبت نہ کر اور اپنا راز اُسے نہ بتا۔ نیک سے مشورہ لے۔

اپنے نفسوں سے حساب کرو پیشتر اس کے کہ تمہارا حساب ہو۔

توبۃ النصوح یہ ہے کہ بُرے عمل سے ایسی توبہ کی جائے کہ اُسپر پھر عمل نہ ہو۔

حاکموں میں سعید وہ ہے جسکی رعایا سعید ہو۔

کوئی شخص اللہ کے حکم کو لوگوں میں نہیں قایم کر سکتا جب تک مضبوط ارادہ والا۔ اور تجربہ کار نہ ہو۔ لوگ اُس کے عیبوں پر مطلع نہ ہوں۔ حق کرنے میں کسی بڑے آدمی سے اور کیسکی ملامت سے نہ ڈرے۔

ایمان باللہ کے بعد سب سے اچھی چیز۔ نیک خلیق۔ محبت کرنیوالی۔ اور صاحب اولاد عورت ہے۔ اور کفر کے بعد سب سے بُری چیز۔ بد خلق اور زبان دراز عورت ہے۔

جو کلمہ تیرے مسلمان بھائی کے مُنہ سے نکلے جب تک اُس کا اچھا محل پاسکتا ہے اُس کو شرارت نہ خیال کر۔

تین چیزیں تیری دوستی کو تیرے بھائی کے دل میں پختہ کریں گی۔ جب اُس سے ملے سلام کہنے میں پیشدستی کرے۔ اسکو پسندیدہ نام سے بُلائے اور اپنی مجلس میں اُسکے واسطے جگہ فراخ کرے۔

میں پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص اپنے کُنبہ میں بچے کی طرح ہو اور جب کاروبار میں ہو تو مرد کی طرح۔

آدمی تین قسم کے ہیں۔ کامل۔ کاہل اور لاشے۔ کامل وہ صاحب الرائے ہے جو لوگوں سے بھی مشورہ لے اور اُن کی رائے کا موازنہ کرے۔ اُس سے کم وہ صاحب الرائے (کاہل) ہے جو اپنی رائے پر چلے دوسروں سے مشورہ نہ لے۔ تیسرا لاشے ہے جو نہ خود عقل رکھتا ہو نہ دوسرے سے رائے لے۔

خشوع دل میں ہوتا ہے۔ جو شخص لوگوں کے واسطے دل سے زیادہ اپنا خشوع ظاہر

کرے وہ اپنے نفاق کا اظہار کرتا ہے۔

آدمی کے نماز روزے کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ اُسکی عقل اور سچ کی طرف دیکھنا چاہیئے۔

آدمی کی عزت اُسکا دین ہے اُسکا حسب اُسکا خلق خواہ فارسی ہو یا نبطی۔

بڑے آدمیوں کے ملنے سے ہجرت کرنے میں آرام ہے۔

جو شخص خود کہے میں عالم ہوں وہ جاہل ہے جو خود کہے میں بہشتی ہوں وہ دوزخی ہے گیت سوار کا زادِ راہ ہے۔

لڑکا سات سال میں دانت نکالتا ہے۔ چودہ سال میں بالغ۔ اکیس سال میں قد پورا ہوتا ہے۔ اٹھائیس سال میں عقل پوری ہوتی ہے اور کامل آدمی چالیس سال میں ہوتا ہے۔

آج کے کام کو کل پر مت چھوڑ کیوں کہ تیرے پر بہت کام ہو جائیں گے اور ضائع بھی ہو جائیں گے۔

حرص کی پے در پے ردی سے بچنا کیونکہ آدمی کی خواہشیں پے در پے ہوتی ہیں۔

زاہدوں کے اقوال کو لکھو۔ کیونکہ اللہ نے اُن پر فرشتے مقرر کئے ہوئے ہیں جو اُنکے منہ پر ہاتھ رکھے رہتے ہیں اور خلافِ حق کوئی بات نہیں کہنے دیتے۔

قرآن کی تفسیر اور رسول اللہ سے روایت تھوڑی کیا کرو اسمیں میں بھی تمہارا شریک ہوں۔

احمق کی دوستی سے بچنا جو نفع کے ارادے سے نقصان کر بیٹھتا ہے۔

چار چیزوں کا واپس آنا ممکن نہیں۔ کہی ہوئی بات۔ واقع ہو چکا امر۔ چھٹا ہوا تیر۔ گذری ہوئی عمر۔

حضرت عمرؓ کا کلام اکثر اللہ اکبر ہوا کرتا تھا۔

تمت بالخیر

کتاب ہذا کے جملہ حقوق تالیف بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں کوئی صاحب اسکے چھاپنے کا ارادہ نہ کریں کتب فیل اور ہر قسم [illegible] ہماری معرفت با رسال قیمت نقد یا بذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل ارسال ہوسکتی ہیں اکٹھی کتب کے خریدار کے ساتھ [illegible] رعایت ممکن ہے جو بذریعہ پوسٹ کارڈ معلوم ہوسکتی ہے یہاں کم کتب لکھی گئی ہیں مفصل فہرست کتب مع جنتری ۱۹۰۸ء آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجکر طلب فرماسکتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| [illegible] | خط و نویسی کی پہلی دوسری | باب دوم و سوم ۵ر | فرہنگ توضیح الفصیح ۳ر |
| پھول ۱۲ر | تیسری چوتھی کتاب اردو ار | تذکرہ حصہ اول ۶ر | ″ گلدستہ تہذیب ۲ر |
| تعلیم ۴ر | ″ ″ [illegible] | ″ دوم ۶ر | ″ گلستان کے پہلے دو باب ار |
| آداب حیرت ۵ر | تحقیق الاشکال حصہ اول | گلشن حساب ۴ر | ″ گلدستہ دانش ۲ر |
| مصاحبت [illegible] ار | دوم و سوم ۵ر ۳ر ۴ر | شمس التراکیب اردو ۳ر | ″ پیرایہ خرد ۳ر |
| تہذیب ۱۲ر | مرقع حساب حصہ اول و | فرہنگ اردو کی پہلی کتاب ار | ″ سرمایہ خرد ۴ر |
| مالا پچھی [illegible] | دوم و سوم ۳ر ۴ر ۵ر | ″ دوسری ار | ″ گنجینہ خرد ۸ر |
| گلدستہ مناجات ۴ر | وآتش ہر دو حصہ ۱۲ر | ″ تیسری ۱ر | ″ پیرسن ریڈر ۵ر |
| سدس [illegible] ۲ر | حل تحریب گلستان باب | ″ چوتھی ار | ″ پیارے بچوں کی پہلی کتاب ۱ر |
| نو بہار اردو [illegible] | اول [illegible] با محاورہ اردو | ″ پانچویں ۱ر | ″ دوسری ″ ۲ر |
| مرقع تہذیب [illegible] | ″ ۵ر | ″ چھٹی ۴ر | ″ تیسری ″ [illegible] |
| [illegible] حصہ دوم ۶ر | دوم ۴ر | ″ ساتویں ۲ر | ″ چوتھی ″ ۴ر |
| مسیاحت [illegible] | سوم حصہ آخر | ″ آٹھویں ″ ۲ر | ″ پانچویں ″ ۳ر |
| سوالات حساب بینظیر نو ٹیک | ″ ۱۱ر | ″ اشیا کے سبق ار | ″ چھٹی ″ ۴ر |
| رسم ۶ر | بوستان باب اول ۵ر | ″ کھیتی کی کتاب ار | ترجمہ فارسی کی پہلی کتاب ۲ر |
| گلستان ۲ر | تہذیب الاخلاق ۸ر | ″ سوم ہند ۳ر | ″ دوسری ۱ر |
| ″ گلدستہ الفسون ۴ر | نقشہ پنجاب رنگین ار | سوالاجوابا مفتاح الصرف ار | سوالاجوابا صرف و نحو فارسی ۳ر |

| | | | |
|---|---|---|---|
| نقشہ پیراں حرنل ۱۲ر | نقشہ ہندوستان رنگین ۱ر | سوالات جوابات اردو صرف و نحو ۲ر | ماسٹر امیر چند صاحب کی |
| " مسایہ خورد | " ایشیا ۱ر | " علم طبعی حصہ اول ۴ر | ساحت کا حل ۴ |
| " گنجینہ خرد | " یوروپ " ۱ر | " حصہ دوم ۲ر | ٹاڈہنٹر کی مساحت کا حل ۴ |
| " پیارے چرن گلکر کی پہلی کتاب ۲ر | " افریقہ " ۱ر | " مساحت کی ہدایت ۱ر | سایم صاحب کے رسالہ مساحت کا حل |
| " دوسری " ۲ر | " امریکہ شمالی " ۱ر | " جغرافیہ طبعی ۱ر | فن زراعت کی پہلی کتاب حصہ |
| " تیسری " ۳ر | " امریکہ جنوبی " ۱ر | " طریق اصلاح [illegible] ۱ر | فلپ صاحب بہادر ۵ |
| " چوتھی " ۳ر | " کرہ زمین " ۱ر | مختصر جغرافیہ پنجاب ۱ر | جغرافیہ پنجاب [illegible] ۱ |
| " پانچویں " ۴ر | ترجمہ ڈکس ریڈر ۴ر | " ہند ۲ر | " ہند " ۱ |
| " چھٹی " ۴ر | " انگلش پرائمر ۴ر | " [illegible] ۱ر | " عالم " ۴ |
| عالم شیا کی سبق پہلی جماعت کی ۱ر | اردو کی پہلی کتاب کا فارسی | ایشیا کے جغرافیہ کا خلاصہ ۲ | [illegible] جاگرفی " ۴ |
| " دوسری " ۲ر | ترجمہ ۱ر | ہند کے [illegible] کی کتاب | گلدستہ حساب کا حل ۴ |
| " تیسری " ۲ر | " دوسری ۱ر | تاریخ [illegible] ۴ر | رسالہ شمسی سوالات |
| " چوتھی " ۲ر | نماز اور اسکی حقیقت ۳ر | اردو کی تیسری کتاب علم | حساب ۴ |
| " پانچویں " ۲ر | عشرہ کاملہ آریوں کے | اشیاء کے [illegible] ۱ر | جیبی مساحت |
| نئی اقلیدس کی پہلی کتاب | دس سوالوں کے جواب چار | " چوتھی ۱ر | پاکٹ مشری ۱ |
| کی شرح ۵ر | حصہ نثر حصہ ۴ر | اردو کی تیسری کتاب سوالات | علم جبر و مقابلہ ۲ |
| " دوسری ۳ر | مخزن الایمان یعنی الابد [illegible] | جوابات ۳ر | علم حساب ۶ |
| " تیسری ۴ر | منظوم ۵ر | " چوتھی ۴ر | عجائب الحساب ۴ |
| مشق نستعلیق [illegible] ۱ر | قانون ڈکشنری اردو [illegible] | مشق نستعلیق [illegible] ۲ر | حل مبادی [illegible] ۲ |
| " دوم ۱ر | سوالات جوابات قواعد اردو ۱ر | سایم صاحب کے پہلے | سایم صاحب کے دوسرے رسالہ |
| " سوم ۱ر | " جامع القواعد ۴ر | رسالہ کا حل ۲ر | کا حل ۲ |